بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَن یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہَ

جس شخص نے اطاعت کی رسول کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی

دروس الحدیث

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ

بانی

جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مرتب

الحاج لعل دینؒ، ایم اے (علوم اسلامیہ)

ناشر

ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرۃ العلوم

فاروق گنج گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

جس شخص نے اطاعت کی رسول کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی

دروس الحدیث

حصہ ۳

افادات

مفسرِ قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ

بانی

جامعہ نُصرۃُ العُلوم گوجرانوالہ

مرتب

الحاج لعل دینؒ، ایم اے (علوم اسلامیہ)

ناشر

ادارہ نشر واشاعت جامعہ نصرۃ العلوم

فاروق گنج گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دروس الحدیث

جلد دوم

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ

بانی جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مرتب

الحاج لعل دین، ایم اے (علوم اسلامیہ)

ناشر

ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرت العلوم، فاروق گنج گوجرانوالہ

طبع دوم

نام کتاب .... دروس الحدیث (جلد دوم)

افادات .... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی ؒ بانی جامعہ نصرۃ العلوم

مرتب .... الحاج لعل دین ؒ ایم اے

مطبع .... طفیل آرٹ پریس۔لاہور

تعداد طباعت .... پانچ سو(500)

کتابت .... سید عصمت اللہ بخاری موضع کھبیکے

ناشر .... ادارہ نشر واشاعت جامعہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت ....

تاریخ طبع دوم .... جولائی 2014ء

ملنے کا پتہ

(۱) ادارہ نشر واشاعت

جامعہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ

فہرست مضامین دروس الحدیث

جلد دوم

مضامین	صفحہ نمبر

مضامین	صفحہ نمبر

پیش لفظ

از احقر محمد فیاض خان سواتی مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ الْاَنْبِيَاۗءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے دروس الحدیث کی دوسری جلد قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے اس سے قبل دروس الحدیث کی پہلی جلد جس میں امام ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المروزی المتوفی ۲۴۱ھ کی مشہور زمانہ حدیث کی ضخیم کتاب مسند احمد کی دو سو ۲۰۰ احادیث کی تشریح نہایت دلنشین اور سہل انداز میں پیش کی گئی تھی۔ اب اس دوسری جلد میں بھی مسند احمد کی دو صد اٹھتر ۲۷۸ احادیث کی تشریح اسی انداز میں بیان کی گئی ہے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی چوراسی ۸۴ روایات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اناسی ۷۹ روایات اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک سو پندرہ ۱۱۵ روایات ہیں۔ جن کو بالکل رواں دواں، آسان اور عام فہم زبان میں واضح کیا گیا ہے۔ دقیق و عمیق علمی ابحاث نہیں کی گئیں۔ لفظی معنیٰ کو بھی زیادہ دخیل نہیں کیا گیا بلکہ عوام الناس کے اذہان کے مطابق احادیث کی وضاحت اور مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ رواۃ پر بحث سے گریز کیساتھ ساتھ زیادہ اختلافی مسائل سے بھی تعرض نہیں کیا گیا کیونکہ یہ باتیں طلباء کرام اور علماء عظام کے لیے مفید ہو سکتی ہیں۔ عوام اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے بلکہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ عربی عبارت پر اعراب اور ہر حدیث کیساتھ مسند احمد طبع بیروت کا بقید صفحہ حوالہ بھی

کر دیا گیا ہے تاکہ اصل ماخذ سے حدیث تلاش کرنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے۔ اس جلد میں صرف تین صحابہ کرامؓ جنہیں عبادلہ ثلاثہ بھی کہا جاتا ہے ان کی روایتیں جمع کی گئی ہیں جن کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپکا نام عبداللہ کنیت ابو عبدالرحمٰن والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا۔ خلفائے راشدینؓ کے بعد آپ امت محمدیہ میں سب سے بڑے مفسر قرآن ہیں۔ آپ نے حضور علیہ السلام سے براہ راست ستر سورتیں سن کر یاد کی تھیں (بخاری صـ۷۴۸ ج ۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اپنا بیان ہے کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں قرآن کریم کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر میں جانتا ہوں کہ کس کے حق میں اور کس جگہ نازل ہوئی اور فرماتے تھے اگر مجھے علم ہو کہ قرآن کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی ہے اور میں اس تک سواری پر پہنچ سکتا ہوں تو یقیناً سوار ہو کر اسکے پاس جاتا اور اس سے علم سیکھنے کی کوشش کرتا۔ (تفسیر ابن کثیر صـ۳ ج ۱) آپکا یہ قول بھی ہے کہ ہم صحابہؓ کی حالت یہ تھی کہ جب دس آیتیں نازل ہوتی تھیں تو ہم آگے نہیں پڑھتے تھے جب تک ان کے معانی اور ان پر عمل کرنے کے طریقے کو نہ جان لیتے اور پھر ہر قابل عمل حکم پر عمل کرتے۔ (ابن کثیر صـ۳ ج ۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس وقت ایمان لاتے تھے جبکہ مومنین کی جماعت چند اصحاب پر مشتمل تھی۔ آپ نے مدینہ منورہ کیطرف ہجرت بھی کی، غزوہ بدر، احد خندق، حدیبیہ، خیبر، حنین اور فتح مکہ میں حضور علیہ السلام کے ہمرکاب رہے، حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں ۱۵ھ میں جنگ یرموک میں بھی بڑی شجاعت و بہادری سے شریک ہوئے (اسد الغابہ صـ۲۵۷ ج ۳) ۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر کئے گئے۔ بالآخر آپ نے ساٹھ برس سے زائد عمر پاکر ۳۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا حضرت عثمانؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپکو حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد صـ۱۱۳ ج ۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ آپکا نام عبداللہ کنیت ابو العباس والد کا نام عباسؓ اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا۔ آپ کی ولادت ہجرت سے تین سال قبل مکہ مکرمہ میں ہوئی آپ کے والد حضرت عباسؓ حضور علیہ السلام کے چچا تھے

حضرت عباسؓ ۸ھ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل حلقہ بگوش اسلام ہو تے تھے اپنے اہل و عیال کیساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی عمر اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہیں تھی آپ اپنے والد کے ہمراہ اکثر حضور علیہ السلام کی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی شخصیت بھی بہت مشہور تھی خود حضور علیہ السلام نے آپ کے لیے دعا کی تھی" اسے اللہ اس بچے کو کتاب کا علم سکھا اور اسے دین میں سمجھ عطا فرما۔ (ابن کثیر صہ ۳ جز ۱) حضور علیہ السلام کے وصال کے وقت آپ کی عمر دس یا تیرہ برس تھی آپ دینی معاملات میں بڑے متجسس تھے اکثر حضور کے گھر میں اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے ہاں قیام کرتے تاکہ رات کے وقت حضور علیہ السلام کے اعمال کا مشاہدہ کر سکیں ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو ابن عباسؓ نے آپ کے لیے پانی کا لوٹا رکھ دیا آپ جب واپس تشریف لاتے تو پوچھا کہ یہ کس نے رکھا ہے تو بتایا گیا کہ ابن عباسؓ نے رکھا ہے تو آپ نے اس موقع پر بھی دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْحِکْمَۃَ اے اللہ اسے حکمت اور دانائی سکھا دے (بخاری صہ ۵۳۱ جز ۱، صہ ۲۶ جز ۱) چنانچہ آپکی دعا مقبول ہوئی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد آپ ہی سب سے بڑے مفسر قرآن سمجھے جاتے تھے۔ بلکہ خود ابن مسعودؓ نے آپکو نِعْمَ تَرْجُمَانُ الْقُرْآن کا خطاب دیا تھا یعنی قرآن پاک کی بہترین ترجمانی کرنے والے (ابن کثیر صہ ۷ جز ۱) آپ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں تھوڑا عرصہ گورنری پر بھی متمکن رہے۔ آپ آخری عمر میں طائف منتقل ہو گئے تھے اور ۶۸ھ میں وہیں جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔ محمد بن حنفیہؒ نے آپکی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ

آپکا نام عبداللہ کنیت ابو عبدالرحمٰن والد کا نام عمر بن الخطابؓ ہے آپ کی ولادت حضور علیہ السلام کی بعثت کے دوسرے سال ہوئی ۶ نبوی میں حضرت عمرؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تو اس وقت ابن عمرؓ کا سن تقریباً پانچ برس کا ہو گا۔ آپ نے بھی مدینہ منورہ ہجرت کی۔ غزوہ بدر و اُحد میں آپ کی عمر تیرہ اور چودہ سال ہونے کی وجہ سے باوجود اپنا نام پیش کرنے کے حضور علیہ السلام کی طرف سے صغر سن ہونے کی وجہ سے اجازت

نہ ملی۔ (ابن سعد ص ۴ ج ۲ ق اول تذکرہ ابن عمرؓ و بخاری ص ۵۸۸ ج ۲) غزوہ خندق، بیعت رضوان، خیبر، فتح مکہ، غزوہ حنین محاصرہ طائف، غزوہ تبوک اور حجۃ الوداع میں بھی آپ نے شرکت کی ۲۷ھ میں افریقہ (تونس، الجزائر، مراکش) کی مہم میں بھی شریک ہوئے (فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۴) تلاوت قرآن کے ساتھ آپکو غیر معمولی شغف تھا قرآن کی سور و آیات پر فکر و تدبر میں عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ صرف کیا جسکا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپنے صرف سورۃ بقرہ پر آٹھ (۸) برس صرف کیے۔ (موطا امام مالک) آپکا شمار علماء مدینہ کے اس زمرہ میں تھا جو علم و عمل کے مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۵) بالآخر آپنے تقریباً چوراسی سال کی عمر میں ۷۴ھ میں وفات پائی۔

اس جلد کی پروف ریڈنگ میں احقر کیساتھ حافظ محمد عمار خان ناصر نے حصہ لیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آخر میں قارئین کرام سے التماس ہے کہ والد محترم حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی صحت کے لیے اور جملہ ــــــ معاونین ــــ کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جملہ پریشانیاں دور فرمائے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وّ الہ واصحابہ

اجمعین

از۔ احقر محمد فیاض خان سواتی

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۱۴ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ ۲۳ اگست ۱۹۹۴ء

جاہلیت کی رسوم

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ اَوْ شَقَّ الْجُيُوْبَ اَوْ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۵۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے اپنے رخساروں کو پیٹا، گریبان چاک کیا یا جاہلیت کے زمانہ کا نعرہ بلند کیا۔ اس قسم کا جزع فزع کسی موت یا دیگر مصیبت کے وقت کیا جاتا ہے جس کی نبی علیہ السلام نے سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ اچانک حادثہ پر بال نوچنا، سینہ کوبی کرنا رخسار اور رانوں کو پیٹنا ایک عام معمول تھا۔ زیادہ جوش میں آکر کپڑے بھی پھاڑ دیئے جاتے تھے۔ یہ سب جاہلیت کی باتیں ہیں۔ اسی زمانہ میں لوگ خاندانی برتری یا ذاتی وقار کا نعرہ بھی لگاتے تھے کبھی دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور تعصب اور جنبہ داری کی بات کی جاتی تھی۔ حضور علیہ السلام نے جاہلیت کے ان نعروں کی بھی ممانعت فرما دی فرمایا اس قسم کی حرکات کرنے والا ہماری جماعت کا آدمی نہیں ہو سکتا ہماری جماعت کا رکن وہ ہے جو مصیبت میں صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے اجر طلب کرے۔

قول و فعل میں تضاد

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَیَکُوْنُ اُمَرَآءُ بَعْدِیْ یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ وَ یَفْعَلُوْنَ مَالَا یُؤْمَرُوْنَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۵۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد ایسے حکام آئیں گے جو کچھ وہ کہیں گے کریں گے نہیں اور وہ کچھ کریں گے جن کا ان کو خدا اور رسول کی طرف سے حکم نہیں دیا گیا۔ ہم دیکھتے رہے ہیں کہ اس قسم کے امراء ہر دور میں پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کے قول و فعل میں نمایاں تضاد رہا ہے خلفائے راشدین کا دور تو بڑا پاکیزہ دور تھا۔ اس کے بعد بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے بڑے اچھے حاکم پیدا ہوئے مگر اکثر کا معاملہ ایسا ہی تھا کہ وہ ایسی بات کہتے تھے جس پر خود عامل نہیں ہوتے تھے اور بعض ایسے غلط کام بھی کر جاتے تھے جن کے وہ مجاز نہ ہوتے۔ برصغیر میں بھی بعض اچھے بادشاہ گزرے ہیں جن میں اورنگ زیب عالمگیرؒ ناصر الدین التمشؒ اور مصر و شام میں صلاح الدین ایوبیؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

خواص و عوام کیلئے مختلف احکام

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ تُوُفِّیَ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ الصُّفَّۃِ فَوَجَدُوْا فِیْ شَمْلَتِہٖ دِیْنَارَیْنِ فَذَکَرُوْا ذَالِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَیَّتَانِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۴۵۷)

حضور علیہ السلام کے اصحاب صفہ میں اکثر غریب غربا لوگ رہتے تھے جو حضور علیہ السلام سے تعلیم دین حاصل کرتے۔ کوئی مزدوری مل جاتی تو کر لیتے ورنہ خاموش رہتے اور کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی انہی صحابہ میں شامل تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ میں سے ایک آدمی فوت ہوگیا۔ اس کی چادر کے کونے سے دو دینار برآمد ہوتے جب لوگوں نے اس واقعہ کا ذکر حضور علیہ السلام کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا یہ دراصل دو داغ ہیں دوزخ کی آگ کے۔ مطلب یہ کہ اس شخص کے لیے مناسب نہیں تھا کہ دو دینار اپنے پاس روک رکھتا بلکہ انہیں اپنے محتاج ساتھیوں پر خرچ کر دینا چاہیئے تھا۔

اصحاب صفہ خصوصی لوگوں میں شامل تھے عام درجے والوں کے لیے تو مال جمع کرنا اور جائیداد بنانا کچھ معیوب نہیں سمجھا جاتا مگر اونچے درجے کے لوگوں کے لیے یہ بات مناسب حال نہیں ہوتی کہ وہ مال جمع کر کے رکھیں بلکہ ان کے حق میں یہ چیز مضر ہوتی ہے جس طرح صوم وصال عام لوگوں کے لیے مکروہ اور خاص لوگوں کے لیے مباح ہوتا ہے اسی طرح اونچے درجے کے لوگوں کے لیے تھوڑا سا مال جمع کرنا بھی درست نہیں ہوتا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلسل روزے رکھے ہیں مگر عام لوگوں کو منع کر دیا کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے آخری روزہ چالیس دن کا رکھا تھا اس دوران بالائی منزل سے نیچے اتر کر مسجد میں آتے اور نماز باجماعت ادا کرتے رہے۔ آپ نے فرائض میں کوئی کمی نہیں آنے دی حالانکہ اتنے دنوں تک ایک قطرہ آب

بھی آپ کے حلق سے نہیں اترا۔ اللہ تعالیٰ ایسے کامل لوگوں کو روحانی طاقت عطا فرما دیتا ہے جو ہر ایسے امتحان میں پورا اترتے ہیں۔ تاہم عام لوگوں کے لیے ممانعت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عام لوگوں کو صرف شرعی روزہ ہی رکھنا چاہیئے۔

مسجدوں کے آداب

عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِيَلِيَنِي مِنْكُمْ أُولُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد صفحہ ۴۵۷)

حضرت علقمہؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگو! نماز کے لیے میرے قریب تم میں سے عاقل اور سمجھدار لوگ کھڑے ہوا کریں۔ مطلب یہ کہ اگلی صف میں ناسمجھ بچے نہ کھڑے ہوں بلکہ صاحب عقل لوگ ہوں۔ پھر جوان سے ملتے ہیں اور پھر جو اُن سے ملتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بڑے آدمی بھی درجہ بدرجہ میرے قریب کھڑے ہوں اسکے بعد بچوں کا نمبر آتا ہے اور اگر عورتیں بھی نماز باجماعت میں شامل ہوں تو انکی صف بچوں کے بعد بننی چاہیئے یعنی سب سے آخر میں۔

حضور علیہ السلام نے اس موقع پر دوسری بات یہ فرمائی وَلَا تَخْتَلِفُوْا ۔ لوگو! آپس میں اختلاف نہ کیا کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہارے دل آپس میں مختلف ہو جائیں گے۔ نماز کے لیے ہمیشہ سیدھی صف بندی کرو، کسی کا پاؤں یا سینہ آگے یا پیچھے کی طرف نہیں نکلنا چاہیئے بلکہ صف بالکل سیدھی ہونی چاہیئے ایک مومن کے لیے سیدھی صف بنانے کے دو مواقع آتے ہیں۔ ایک نماز کے لیے اور دوسرا جہاد کے لیے اسی لیے فرمایا کہ اختلاف نہ کرو کہیں تمہارے دل ہی مختلف نہ ہو جائیں۔

آپ نے تیسری بات یہ فرمایا وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ۔ نمازوں کے اوقات میں اپنے آپ کو بازاروں کی آوازوں سے بچاؤ۔ جس طرح بازاروں میں مختلف قسم کی بولیاں بولی جاتی ہیں، اس طرح مسجدوں میں نہ کیا کرو، بلکہ خاموش رہا کرو تاکہ کسی کی عبادت و ریاضت میں خلل واقع نہ ہو۔ ہمیشہ نماز کی طرف توجہ رکھو، بازاری آوازیں نکالنا مسجد کے آداب کے خلاف ہے کس قدر افسوس

کا مقام ہے کہ آج یہ ساری خرافات مساجد میں ہو رہی ہیں بلند آواز سے باتیں کی جاتی ہیں لوگ خیال نہیں کرتے اب سپیکر کا فتنہ علیحدہ کھڑا ہو چکا ہے۔ ہر وقت بے وقت اسکو کھول کر لوگوں کا سکون خراب کیا جاتا ہے اور عبادت وریاضت میں خلل اندازی کی جاتی ہے یہ سب بدنظمی کی علامات ہیں جن سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کماحقہ قدردانی

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَآءَ حِبْرٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اَوْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَحْمِلُ السَّمٰوٰتِ عَلٰی اِصْبَعٍ......... الخ

(مسند احمد طبع بیرت جلد ۱ صفحہ ۴۵۷)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ یہودیوں کا ایک عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا محمد یا یا رسول اللہ کہا (راوی کو شک ہے) اور پھر کہا کہ قیامت والے دن اللہ تعالےٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر اٹھائیگا وَالْاَرْضِیْنَ عَلٰی اِصْبَعٍ۔ اور زمینوں کو ایک انگلی پر وَالْجِبَالَ عَلٰی اِصْبَعٍ اور پہاڑوں کو ایک انگلی پر وَالشَّجَرَ عَلٰی اِصْبَعٍ۔ اور درختوں کو ایک انگلی پر وَالْمَآءَ وَالثَّرٰی اور پانی اور مٹی کو ایک انگلی پر وَسَائِرَ الْخَلْقِ عَلٰی اِصْبَعٍ اور باقی مخلوق کو ایک انگلی پر یَہُزُّھُنَّ پھر ان کو ہلائیگا اور اللہ تعالےٰ فرمائیگا اَنَا الْمَلِکُ میں بادشاہ ہوں۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ یہودی عالم کی یہ بات سن کر حضور علیہ السلام مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے آپ نے یہودی عالم کی بات کی تصدیق فرمائی اور پھر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔ (الانعام۔ ۹۱) انہوں نے اللہ تعالےٰ کی کماحقہ قدر نہیں کی حالانکہ قیامت والے دن وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ ساری زمین اس کے قبضہ میں ہو گی۔

یہودی کی بات سن کر حضور کا مسکرانا بایں وجہ تھا کہ دیکھو! یہ یہودی لوگ حقیقت سے کس قدر واقف ہیں کہ جو بات کی ہے وہ وحی الٰہی کے عین مطابق ہے۔ اس بات کے اشارات قرآن پاک اور پہلی کتابوں میں بھی موجود ہیں کہ قیامت والے دن ایسی ہی

کیفیت ہوگی، مگراس کے باوجود یہ لوگ ایمان قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اگر یہ لوگ اللہ تعالٰی کی قدر کرتے جیساکہ اس کی قدر کا حق ہے تو پھر اللہ کے آخری نبی پر ایمان لاتے قرآن کو اللہ تعالٰی کا کلام مانتے مگر چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود یہ لوگ ابھی تک اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہیں۔ بڑے متعصب لوگ ہیں جو حقیقت واضح ہوجانے کے باوجود ایمان نہیں لاتے۔ مشرک تو تھوڑا بہت مقابلہ کرنے کے بعد ایمان لے آتے مگر یہ بدترین دشمن ابھی تک اڑے ہوئے ہیں۔

دجالوں میں سے ایک دجال ابن صیاد بھی ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَمْشِي إِذْ مَرَّ بِصِبْيَانٍ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمْ بْنِ صَيَّادٍ .... الخ (مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۵۷)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضور علیہ السلام کے ساتھ جا رہے تھے کہ آپ کا گزر کچھ بچوں پر ہوا جو کھیل رہے تھے اور ان میں ابن صیاد نامی بچہ بھی تھا۔ یہ یہودی خاندان کا فرزند تھا جس کے متعلق یہ شبہ تھا کہ یہ دجال ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ تو اسی کو دجال تسلیم کرتے ہیں تاہم باقی صحابہ فرماتے ہیں کہ بڑا دجال تو اور ہے جو اس وقت کہیں مقید ہے تاہم ابن صیاد بھی فی الجملہ چھوٹے موٹے دجالوں میں شامل ہے اس کا تعلق شیاطین کے ساتھ تھا اور کہانت کی باتیں کیا کرتا تھا۔ اس شخص کے عجیب و غریب واقعات احادیث میں مذکور ہیں۔ اس شخص نے حضور علیہ السلام کے بعد صحابہ کے زمانے میں بظاہر اسلام بھی قبول کر لیا تھا مگر بعد میں حرہ کے واقعہ میں کہیں غائب ہو گیا تھا جس کا کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کہاں گیا جب یزید کی فوج نے مدینہ پر حملہ کیا تھا تو اسی حرہ کے مقام پر اس کے ساتھ مقابلہ ہوا جس میں دس ہزار آدمی کام آئے تھے جن میں بڑے بڑے صحابہ اور تابعین بھی شامل تھے۔

بہر حال جیسا کہ راوی نے بیان کیا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا اس مقام سے گزر ہوا تو اس وقت ابن صیاد ابھی بچہ تھا اور بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف تھا تاہم اس میں دجالوں والی علامات پائی جاتی تھیں۔ اصل دجال کے متعلق احادیث میں حضور علیہ السلام کا فرمان موجود ہے کہ جب وہ ظاہر ہو گا تو اتنا بڑا فتنہ برپا کرے گا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے لے کر صور اسرافیل کے پھونکنے تک اتنا بڑا فتنہ کبھی پیدا نہیں ہو گا۔ اس اصلی دجال کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ یہ یہودی والدین کے

گھر جنم لے گا۔ تیس سال تک اس کے والدین اولاد سے محروم رہیں گے اور اس کے بعد یہ پیدا ہو گا جس کی ایک آنکھ معیوب ہو گی۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان موجود ہے کہ میرے بعد کئی جھوٹے دجال آئیں گے۔ جن کی تعداد تیس تک ذکر کی گئی ہے۔ ہر دجال نبوت کا دعویٰ کریگا اور کہے گا کہ مجھ پر وحی آتی ہے تاہم اصلی دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ظاہر ہو گا۔ البتہ فی الجملہ دجالوں میں ابن صیاد کا نام بھی آتا ہے

جب حضور علیہ السلام نے بچپن میں ابن صیاد کی عجیب و غریب حرکات ملاحظہ فرمائیں تو آپ نے فرمایا تَرِبَتْ يَدَاكَ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ؟ تو اس کے جواب میں اس بچے نے کہا أَتَشْهَدُ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں ؟ گویا اس بچے نے اسی وقت رسالت کا دعویٰ کر دیا۔ مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی آتا ہے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ کہ میں تو اللہ تعالےٰ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں، ذلیل ہو جاؤ تم اپنے مرتبے سے آگے نہیں جا سکتے، تمہارا مرتبہ تو دجالیت کا ہے، تم اپنے آپ کو اللہ کا رسول کیسے کہہ سکتے ہو ؟

راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ کے صحابی حضرت عمرؓ نے عرض کیا حضور! آپ اجازت دیں تو میں اس بدبخت کی گردن مار دوں آپ نے فرمایا اِنْ يَّكُنْ الَّذِيْ تَخَافُهٗ فَلَنْ تَسْتَطِيْعَهٗ اگر یہ وہی دجال ہے جس کا تجھے ڈر ہے تو پھر تو اسے قتل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

بعض چیزوں سے استنجا پاک کرنے کی ممانعت

قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَاہُ لَیْلَۃَ الْجِنِّ وَمَعَہٗ عَظْمٌ حَائِلٌ وَبَعْرَۃٌ وَفَحْمَۃٌ فَقَالَ لَا تَسْتَنْجِیَنَّ بِشَیْءٍ مِّنْ ھٰذَا اِذَا خَرَجْتَ اِلَی الْخَلَاءِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۵۷)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جس رات حضور علیہ السلام جنات کو تبلیغ کرنے کے لیے تشریف لے گئے اس رات حضور تشریف لاتے اور آپ کے پاس ایک پرانی ہڈی، ایک مینگنی اور کوئلے کا ایک ٹکڑا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم بیت الخلاء میں جاؤ تو ان میں سے کسی چیز کے ساتھ استنجا پاک نہ کرنا کیونکہ ہڈی جنات کی خوراک بنتی ہے اور اور استنجا پاک کرنے سے یہ ناپاک ہو جاتے گی۔ مینگنی خود ناپاک چیز ہے اور ناپاک چیز کے ساتھ استنجا پاک نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کوئلہ سیاہ ہوتا ہے اور جس جگہ پر لگتا ہے اس کو سیاہ کر دیتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ بھی استنجا پاک نہ کرو۔ ہاں! بیت الخلاء میں پتھر، ڈھیلا، روئی یا کوئی پرانا کپڑا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لکھا ہوا کاغذ استعمال کرنا بھی جائز نہیں، البتہ اس مقصد کے لیے تیار کردہ ٹشو پیپر استعمال کیا جا سکتا ہے یا پھر پانی کے ساتھ مطلوبہ جگہ کو اچھی طرح پاک صاف کر لو۔

حضور علیہ السلام کے ساتھ جانثاری کا عہد

قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ لَقَدْ شَہِدْتُّ مِنَ الْمِقْدَادِ مَشْہَدًا لِاَنْ اَکُوْنَ اَنَا صَاحِبُہٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا عُدِلَ بِہٖ ...الخ

(مسند احمد طبع بیروت صہ ۴۲۸ جلد ۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت مقداد بن اسودؓ سے ایک بات دیکھی ہے اور میں تمنا کرتا ہوں کاش کہ وہ بات کرنے والا میں ہوتا کیونکہ وہ بات میرے نزدیک روئے زمین کے خزانوں سے بہتر ہے۔ یہ واقعہ جنگ بدر کے موقع پر پیش آیا تھا۔ حضرت مقدادؓ بڑے شاہسوار تھے اور گھوڑے پر سوار ہو کر بڑی کامیاب جنگ لڑتے تھے۔ اس موقع پر حضرت مقدادؓ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اَبْشِرْ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اللہ کے نبی! آپ خوش ہو جائیں وَاللّٰہِ لَا نَقُوْلُ لَکَ کَمَا قَالَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ لِمُوْسٰی اللہ کی قسم ہم آپ کے سامنے وہ بات نہیں کریں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کی تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دشمن کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا تو وہ کہنے لگے۔ فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا ھٰھُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ (المائدہ ۲۴)

اے موسیٰ! تم اور تمہارا خدا جا کر دشمن سے جنگ کرو، ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔

بہر حال حضرت مقداد بن اسودؓ نے بدر کے موقع پر حضور علیہ السلام کے سامنے عرض کیا کہ آپ خوش ہو جائیں، ہم جاں نثاری کا پورا پورا حق ادا کریں گے اور آپ کے ساتھ وہ بات نہیں کریں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کی تھی عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے لَنَکُوْنَنَّ بَیْنَ یَدَیْکَ وَعَنْ یَّمِیْنِکَ وَعَنْ شِمَالِکَ وَمِنْ خَلْفِکَ حَتّٰی یَفْتَحَ اللّٰہُ عَلَیْکَ ہم آپکے سامنے سے بھی لڑیں گے، دائیں سے، بائیں سے

اور پیچھے سے بھی جنگ کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح سے ہمکنار کردے مطلب یہ کہ ہم آخری دم تک آپکی معیت میں کافروں کا مقابلہ کریں گے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس پیش کش پر حضور علیہ السلام نے خوشی محسوس کی اور فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہماری امت کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اتنا حوصلہ اور قربانی کا جذبہ عطا فرمایا ہے جو بنی اسرائیل میں نہیں تھا۔

مہاجرین کی طرف سے یہ حوصلہ افزا بات سن کر حضور علیہ السلام نے روئے سخن انصار کی طرف کیا۔ انہوں نے بھی ایسا ہی جواب دیا کہ ہم آپ کی اطاعت اور اسلام کی فداکاری میں اللہ کی رضا کی خاطر آپ کے ہر اشارے پر کٹ مرنے کے لیے تیار ہیں کہنے لگے اس وقت تو ہمارا مقابلہ مکے کے مشرکوں کے ساتھ ہے اگر آپ حکم دیں تو ہم اپنے گھوڑے سمندر میں بھی دوڑانے کے لیے تیار ہیں۔ ہم انشاء اللہ میدان جنگ سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ جب حضور علیہ السلام نے انصار مدینہ کی طرف سے بھی حوصلہ افزا بات سُنی تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے دمکنے لگا، فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ انصار میں بھی اللہ نے جانثاری کا جذبہ ودیعت کر رکھا ہے۔ غرضیکہ یہ تھی وہ بات جو حضرت مقداد بن اسودؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ اور جس کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا تھا کہ کاش یہ بات میں نے کی ہوتی کیونکہ یہ اتنی بلند پایہ بات ہے کہ میرے نزدیک دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے۔

قول و فعل میں تضاد

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فِیْ اُمَّۃٍ قَبْلِیْ اِلَّا کَانَ لَہٗ مِنْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ یَّاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ وَیَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ ....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۵۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے ہر نبی کی امت میں حواری (مخلص صحابہ) ہوتے ہیں جو اس کی سنت کو اخذ کرتے اور اس کے حکم کی اقتداء کرتے پھر جب نبی اس دنیا سے رخصت ہو جاتے تو ان کے بعد لوگ آپس کے اختلاف میں مبتلا ہو جاتے۔ پھر ان کے بعد ایسے نالائق لوگ آجاتے یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ وَیَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ۔ جو ایسی بات کرتے تھے جس پر خود عمل نہیں کرتے تھے اور وہ کچھ کرتے تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا جاتا تھا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت کا بھی یہی حال ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ۔ پھر ان کے پیچھے نالائق لوگ آتے جنہوں نے نماز، دین اور ہر چیز کو برباد کر دیا۔ پہلے لوگوں میں استقامت علی الدین اور قربانی کا جذبہ تھا مگر آج کے مسلمانوں میں اس کا کروڑواں حصہ بھی نہیں پایا جاتا۔

★

قریش کو اللہ کی فرمانبرداری کی تاکید

عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ عُتْبَۃَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ مَسْعُوْدٍ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قَرِیْبٍ مِّنْ ثَمَانِیْنَ رَجُلاً مِّنْ قُرَیْشٍ لَیْسَ فِیْھِمْ اِلَّا قُرَشِیٌّ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۵۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ خاندانِ قریش میں سے ہم لوگ تقریباً اسی کی تعداد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر تھے۔ اُن میں قریش کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔ قریش کے یہ لوگ اچھے حسین وجمیل اور خوبصورت چہروں والے تھے۔ یَوْمَئِذٍ نَذْکُرُ النِّسَآءَ۔ اس دن عورتوں کے بارے میں ذکر ہو رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں حاضر مجلس ہوا۔ پھر حضور علیہ السلام نے حسبِ معمول اللہ کی حمد و ثناء بیان کی کیونکہ آپ کوئی اہم بات کرنے والے تھے۔ پھر قریش سے خطاب کر کے فرمایا اے گروہ قریش! فَاِنَّکُمْ اَھْلُ ھٰذَا الْاَمْرِ مَالَمْ تَعْصُوا اللّٰہَ۔ جب تک تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرو گے خلافت وحکومت کا معاملہ تمہارے ہی ہاتھ میں رہے گا اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات پر تمہیں ہی کنٹرول حاصل ہوگا فَاِذَا عَصَیْتُمُوْہُ پھر جب تم احکامِ الٰہی کی نافرمانی کرنے لگو گے بَعَثَ اِلَیْکُمْ مَنْ یَّلْحَاکُمْ کَمَا یُلْحٰی ھٰذَا الْقَضِیْبُ لِقَضِیْبٍ فِیْ یَدِہٖ تو تم پر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو تمہاری کھالیں اس طرح کھینچیں گے جیسے چھڑی کے اوپر سے چھلکا

اتارا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے ہاتھ میں اس وقت ایک چھڑی تھی، آپ نے اس کا چھلکا اتار کر قریش کے لوگوں کو دکھایا کہ تمہارے بعد آنے والے اس طریقے سے تمہیں تباہ و برباد کریں گے۔ آپ نے تنبیہہ فرمائی کہ اے قریش کے گروہ! اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہنا ورنہ تمہاری حالت بہت بُری ہوگی۔

حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق امارت و خلافت ساڑھے چھ سو سال تک خاندان قریش میں رہی۔ پھر جب ان کی طرف سے نافرمانی شروع ہوگئی تو اللہ تعالٰے نے خلافت و حکومت ان سے چھین کر دوسروں کے سپرد کردی۔

جنات کو تبلیغ دین

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَکَّۃَ وَھُوَ فِیْ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِہٖ اِذْ قَالَ لِیَقُمْ مَعِیَ رَجُلٌ مِّنْکُمْ وَلَا یَقُوْمَنَّ مَعِیَ رَجُلٌ فِیْ قَلْبِہٖ مِنَ الْغِشِّ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ........ الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۵۸)

یہ طویل حدیث ہے جس کا کچھ حصہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ایک رات حضور علیہ السلام جنات کو تبلیغ کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اسی سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ مکی زندگی کے دوران ہم لوگ حضور علیہ السلام کی خدمت میں رات کے وقت حاضر تھے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ کوئی ایسا آدمی اٹھ کھڑا ہو جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی کھوٹ نہ ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا چلتے وقت میں نے وہاں سے ایک برتن بھی اٹھا لیا جسے میں نے پانی والا برتن خیال کیا۔ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ چل دیا یہاں تک کہ جب ہم مکہ کے بالائی حصے میں پہنچے رَاَیْتُ اَسْوِدَۃً مُّجْتَمِعَۃً تو میں نے دیکھا کہ وہاں پر کچھ اشخاص یعنی کچھ لوگ جمع تھے۔ فَخَطَّ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطًّا۔ تو حضور علیہ السلام نے میرے ارد گرد ایک دائرہ کھینچ دیا اور فرمایا قُمْ ھٰھُنَا حَتّٰی اٰتِیَکَ یہیں کھڑے رہنا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس واپس آجاؤں راوی بیان کرتے ہیں کہ میں وہیں کھڑا ہو گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان جمع شدہ لوگوں کے پاس تشریف لے گئے فَرَاَیْتُھُمْ یَتَثَوَّرُوْنَ اِلَیْہِ۔ میں نے دیکھا کہ وہ لوگ حضور علیہ السلام کی طرف کود کود کر آرہے تھے پھر حضور علیہ السلام ان کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے حتّٰی کہ رات کا لمبا حصہ گزر گیا۔ جب صبح قریب ہوئی تو حضور علیہ السلام واپس تشریف لائے۔ میں اسی طریقے سے اپنی جگہ پر کھڑا تھا فرمانے لگے، ابن مسعودؓ تم ابھی

تک یہیں کھڑے ہو؟ میں نے عرض کیا حضور! آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ میرے واپس آنے تک یہیں کھڑے رہنا، چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کی ہے۔

پھر آپ نے مجھ سے فرمایا هَلْ مَعَكَ مِنْ وَضُوْءٍ کیا تمہارے پاس وضو کے لیے پانی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ پھر جب میں نے اپنے ساتھ لاتے ہوئے برتن کو کھول کر دیکھا تو اس میں نبیذ تھا یعنی پانی میں کھجوریں بھگو کر شربت تیار کیا گیا تھا میں نے آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُوْرٌ یعنی کھجوریں بھی پاک ہیں اور پانی بھی پاک ہے پھر آپ نے اس سے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں ان میں سے دو اشخاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کیا حضور ہماری بھی خواہش ہے کہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں۔ دو آدمی وہ تھے اور تیسرے راوی عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ جو بیان کرتے ہیں کہ پھر حضور علیہ السلام نے ہمیں نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوتے تو میں نے عرض کیا حضور! یہ کون لوگ تھے؟ فرمایا هٰؤُلَاءِ جِنُّ نَصِيْبِيْنَ یہ مقام نصیبین کے جن تھے جو کہ عراق اور شام کے درمیان ایک علاقہ ہے ان کا بعض معاملات میں آپس میں تنازعہ تھا جس کے متعلق انہوں نے مجھ سے دریافت کیا اور دین بھی حاصل کیا۔ پھر انہوں نے مجھ سے توشہ طلب کیا جو میں نے ان کو دے دیا۔

جانوروں کا گوبر یا لید پر اللہ تعالےٰ جنات کے جانوروں کے لیے گھاس وغیرہ پیدا کر دیتے ہیں جو ان کے جانوروں کی خوراک بنتا ہے۔ اسی طرح جو ہڈی جنّات کے ہاتھ لگ جاتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ گوشت پیدا کر دیتے ہیں جو ان کی خوراک بنتا ہے۔ اسی موقع پر نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّسْتَطَابَ بِالرَّوْثِ وَالْعَظْمِ۔ حضور علیہ السلام نے گوبر اور ہڈی کے ساتھ استنجا پاک کرنے سے منع فرمایا۔ گوبر تو ویسے ہی ناپاک چیز ہے اور ایک ناپاک چیز دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتی۔ علاوہ ازیں گوبر خود ناپاک ہے مگر چونکہ جنوں کے جانوروں کی خوراک بنتا ہے اس لیے بھی اس کے ساتھ استنجا پاک کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اور ہڈی کے

متعلق فرمایا کہ اس پر اللہ تعالےٰ جنوں کی خوراک کے لیے گوشت پیدا کر دیتا ہے لہٰذا اس کو بھی استنجا کے مقام پر استعمال کر کے ناپاک نہیں کر دینا چاہیئے۔ دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ استنجا پاک نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے جنات بھائیوں کے لیے توشہ ہے۔

امام کا نماز کے بعد پلٹنا

قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا يَسْأَلُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ عَنِ انْصِرَافِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ عَنْ يَمِيْنِهِ كَانَ يَنْصَرِفُ أَوْ عَنْ يَسَارِهِ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۵۹)

کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے دریافت کیا کہ حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہونے کے بعد دائیں طرف سے پلٹتے تھے یا بائیں طرف سے۔ دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے اَقْبَلَ اِلَيْنَا بِوَجْهِهٖ حضور علیہ السلام اپنا رخ ہماری طرف کر لیتے یعنی بالکل پشت پھیر کر بیٹھ جاتے، تاہم سوال یہ تھا کہ آپ دائیں طرف سے پلٹتے تھے یا بائیں طرف سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا کہ آپ دائیں طرف سے پلٹتے تھے لیکن بسا اوقات بائیں طرف سے بھی پلٹتے تھے۔ مسلم شریف میں آپ ہی سے روایت ہے کہ کوئی امام اپنی نماز میں سے شیطان کا حصہ نہ بنائے اور وہ اس طرح کہ وہ خیال کرنے لگے کہ ہمیشہ دائیں طرف سے ہی پلٹنا ضروری ہے کیونکہ میں نے کئی دفعہ حضور علیہ السلام کو بائیں طرف سے بھی پلٹتے دیکھا ہے اگر کوئی امام ہمیشہ دائیں طرف سے پلٹتا ہے تو یہ بدعت میں شمار ہوگا۔ غیر ضروری کام کو ضروری سمجھ لینا ہی بدعت کہلاتا ہے یعنی لزوم مالا یلزم یعنی ایسی چیز کو لازم پکڑنا جو لازم نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مستحب چیز کو ضروری قرار دے لیتا ہے تو وہ بدعت میں مبتلا ہو کر گنہگار بن جائیگا۔ بہرحال فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک ہی چیز کو لازم پکڑ لیتا ہے تو اس کی نماز میں شیطان کا حصہ بھی بن جاتا ہے۔ لہٰذا امام کو چاہیئے کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کبھی دائیں طرف سے پلٹے اور کبھی بائیں طرف سے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ صدقہ خیرات کرنا، ایصالِ ثواب کرنا کوئی بری بات نہیں ہے لیکن اسکے لیے اپنی طرف سے کوئی دن مقرر کر لینا بدعات میں داخل ہے۔ متوفی کے لیے تیسرے، دسویں یا چالیسویں دن یا ہر جمعرات کو ایصالِ ثواب کرنا اسی زمرہ میں آتا ہے۔

نمازِ جمعہ کا اہتمام

حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْ مَسْجِدِ الْكُوْفَةِ وَعَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ اَمِيْرٌ عَلَى الْكُوْفَةِ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ عَلٰى بَيْتِ الْمَالِ اِذَا نَظَرَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ اِلٰى ظِلٍّ فَرَاٰهُ قَدْرَ الشِّرَاكِ فَقَالَ اِنْ يُّصِبْ صَاحِبُكُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجِ الْاٰنَ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۵۹)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ جمعہ کے روز کوفہ کی مسجد میں بیٹھے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی ہمارے ساتھ تھے اُن دنوں کوفہ کے گورنر حضرت عمار بن یاسرؓ اور بیت المال کے انچارج حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک تسمے کے برابر سایہ ڈھل گیا ہے تو کہنے لگے کہ اگر تمہارے صاحب یعنی گورنر سنت کے مطابق کام کریں تو انہیں اب تک نمازِ جمعہ کے لیے نکل آنا چاہیئے تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ابھی اپنی بات پوری بھی نہ کی تھی کہ حضرت عمار بن یاسرؓ باہر نکل آئے اور فرمایا کہ نماز کا فوراً اہتمام کرو۔

اس زمانے میں جمعہ کی نماز کا بہت اہتمام کیا جاتا تھا اور اول وقت پڑھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ موطا اور مسلم شریف میں صحیح روایات موجود ہیں کہ صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے کہ ہم نماز جمعہ کے بعد جاکر آرام کرتے اور کھانا کھاتے۔ عام طور پر نمازِ جمعہ کے لیے جلدی کرتے البتہ شدید گرمی کے موسم میں ذرا سا مؤخر کرلینا بھی درست ہے جیسا کہ ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا حکم ہے۔ بایں ہمہ جمعہ کی نماز خاص اہمیت کی حامل ہے اور اس کے لیے شدید اہتمام کی ضرورت ہے۔

سورج گرہن کے وقت نماز

عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَ بِالْمَدِينَةِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ قَالَ فَخَرَجَ عُثْمَانُ فَصَلَّى بِالنَّاسِ تِلْكَ الصَّلٰوةَ رَكْعَتَيْنِ وَ سَجْدَتَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ.........الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۵۹)

ابی شریح خزاعیؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت کا زمانہ تھا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مدینہ میں تھے۔ اگرچہ ان کی تقرری کوفہ میں تھی تاہم کسی غرض سے مدینہ آئے ہوتے تھے۔ آپ کی وفات بھی اسی خلافت کے دوران مدینہ میں ہی ہوئی۔ کوفے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیت المال کے نگران تھے، تعلیم بھی دیتے تھے اور کبھی کبھی گورنر کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ مفتی بھی تھے اور مختلف امور پر فتاویٰ جاری کرتے تھے۔

انہی ایام میں سورج کو گرہن لگا۔ حضرت عثمانؓ باہر تشریف لائے اور لوگوں کو ہر رکعت میں دو سجدوں کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھائی، سورج گرہن کے وقت لمبی قراءت لمبے رکوع و سجود اور بعد میں لمبی دعا کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے۔ تاہم اس کے لیے وقت کا غیر مکروہ ہونا ضروری ہے کیونکہ عین زوال کے وقت یا عصر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ سورج گرہن چونکہ دن کے وقت ہوتا ہے اس لیے اس دوران میں باجماعت مسنون ہے جب کہ چاند گرہن کے وقت باجماعت مسنون نہیں ہے ایسے وقت میں لوگوں کو اپنے اپنے گھروں میں فرداً فرداً نماز ادا کرلینی چاہیئے کیونکہ رات کے وقت لوگوں کو اکٹھا کرنا حرج کا باعث ہوتا ہے۔

صحیح روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے زمانہ مبارک میں سورج گرہن

کے وقت جو دو رکعت نماز پڑھائی تھی اس میں ایک رکعت میں چار رکوع کئے تھے۔ بعض روایات میں پانچ کا ذکر بھی آتا ہے۔ البتہ سجدے ہر رکعت میں دو ہی کئے تھے۔ ان روایات کے بارے میں محدثین نے مختلف توجیہات کی ہیں۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اس نماز میں تین چار یا پانچ سجدے کئے تھے۔ مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت آپ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی لہٰذا آپ بار بار رکوع اور سجدے کرتے تھے۔ لیکن آپ نے امت کو تعلیم یہی دی ہے کہ جس وقت سورج گرہن ہو اس وقت ایسی نماز پڑھو جو تم نے قریبی زمانہ میں پڑھی تھی۔ ظاہر ہے کہ قریبی زمانہ کی نماز ظہر یا فجر ہو سکتی ہے اور ان نمازوں کی ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہوتے ہیں اسی لیے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ کسوف میں بھی ایک رکوع اور دو سجدے ہی ہونے چاہئیں۔ آپ نے جو زیادہ رکوع و سجود کیا وہ آپ پر طاری ہونے والی خاص کیفیت کی وجہ سے تھا اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ نمازِ کسوف میں بھی ایک رکوع اور دو سجدے ہی تھے۔ البتہ امام شافعیؒ ہر رکعت میں دو دو رکوع کرنے کے قائل ہیں۔ تاہم اس نماز میں لمبی قرأت مثل سورۃ بقرہ کے سبھی قائل ہیں۔ لمبی قرأت اور بعد میں لمبی دعا سب کے نزدیک مستحب ہے بعض امام قرأت بلند آواز سے کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض آہستہ آواز کو زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ تاہم دونوں طریقوں کی گنجائش موجود ہے۔

حضور علیہ السلام نے نمازِ کسوف کے بعد لمبی دعا کی۔ حتیٰ کہ گرہن دور ہو گیا۔ پھر آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں میں یہ وہم پایا جاتا تھا کہ سورج گرہن اس وقت لگتا ہے جب کوئی بڑا آدمی پیدا ہوتا ہے یا کوئی بڑا آدمی فوت ہو جاتا ہے یا کوئی بڑا حادثہ پیش آتا ہے۔ آپ نے اس باطل عقیدہ کا رد فرمایا۔ نیز فرمایا۔ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ۔ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں جب تم ان کو گرہن کی حالت میں دیکھو تو فوراً نماز کی طرف رجوع کرو۔ آپ نے فرمایا اگر ممکن ہو تو اس دوران غلام آزاد

کرو، صدقہ خیرات کرو، توبہ استغفار کرو اور خدا تعالٰی سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔
سورج گرہن کے وقت اس کی فوٹو کھینچنا یا کوئی رسوم ادا کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ ہندوؤں اور مشرکین نے اس ضمن میں غلط عقائد بنا رکھے ہیں۔ غور و فکر کی بات یہ ہے کہ جو اللہ تعالٰی اتنے بڑے بڑے کرّوں میں بھی تغیّر و تبدل پیدا کر دیتا ہے، اس کے سامنے انسان تو ایک حقیر سی چیز ہے۔
اتفاق کی بات یہ ہے کہ جس دن سورج گرہن ہوا اسی روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات واقع ہو گئی۔ ممکن ہے کہ لوگوں کو شبہ ہوا ہو کہ شاید ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج کو گرہن ہوا ہے لہٰذا آپ نے خطبہ ارشاد فرما کر لوگوں کو بات سمجھا دی کہ سورج گرہن کا تعلق کسی کی موت یا پیدائش یا کسی حادثہ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالٰی جب چاہتا ہے اپنی قدرت کی ان نشانیوں میں تغیّر و تبدل کر کے دکھا دیتا ہے۔ انسانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں اور جن نیکی کے کاموں کا حکم دیا گیا ہے ان کو انجام دیں۔
کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نمازِ کسوف پڑھانے کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے جب کہ ہم لوگ بمع حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسجد میں ہی بیٹھے تھے۔ آپ نے ہمیں یہ بات سمجھائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ جب سورج یا چاند کو گرہن لگ جائے تو اس وقت نماز پڑھا کرو کیونکہ یہ وہی چیز ہے جس سے تم ڈرتے ہو یعنی تم خیال کرتے ہو کہ شاید قیامت ہی نہ آجائے یا کوئی دوسرا بڑا حادثہ پیش آجائے جس میں سارے انسان ہلاک ہو جائیں۔ فرمایا اگر تم اس بات سے خوف کھاتے ہو تو پھر نماز پڑھو کہ اس طرح تم غفلت سے بچ جاؤ گے۔ یعنی کھیل کود کی طرف رجوع نہیں کر سکو گے۔ اور اگر تم غفلت پر نہیں ہو یعنی کھیل کود میں مصروف نہیں ہو تو پھر بھی نماز پڑھو تاکہ اس طرح تم بھلائی کو کما سکو گے۔ بہرحال سورج گرہن یا چاند گرہن کے وقت نماز کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

آخری جنتی کے لیے انعام

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اٰخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ وَاٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِّنَ النَّارِ رَجُلٌ يَّخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ اِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۶۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص سب سے آخر میں جنّت میں داخل ہوگا، وہ سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا۔ وہ شخص دوزخ سے گھسٹتا ہوا نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائیگا کہ جاؤ اور جنّت میں داخل ہوجاؤ پھر جب وہ جنت کے قریب جائیگا تو خیال کریگا۔ اَنَّهَا مَلْاٰی۔ کہ یہ تو بھری ہوئی ہے۔ سب جنتی اپنے اپنے مقامات پر بیٹھے ہیں اب میں کہاں جاؤں گا؟ وہ واپس اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کریگا، پروردگار! جنّت تو پُر ہے اللہ تعالےٰ پھر فرمائیگا جاؤ جاکر جنّت میں داخل ہوجاؤ۔ وہ شخص پھر جنّت کے قریب جائیگا اور خیال کریگا کہ یہ تو بھری ہوئی ہے وہ پھر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوکر عرض کریگا کہ پروردگار! جنّت تو بھری ہوئی ہے، اب میں کہاں جاؤں؟ اللہ تعالےٰ پھر ارشاد فرمائیں گے کہ جاؤ جنّت میں چلے جاؤ فَاِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ اَمْثَالِهَا وہاں تمہیں پوری دنیا سے دس گنا وسیع جگہ ملے گی۔ وہ شخص عرض کریگا پروردگار! اَتَضْحَكُ مِنِّيْ وَاَنْتَ الْمَلِكُ کیا تو مجھ سے مذاق کرتا ہے حالانکہ تو بادشاہ ہے اللہ فرمائیگا میں ہنسی مذاق نہیں کرتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر جگہ تجھے جنت میں دی گئی ہے هٰذَا اَدْنٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً۔ یہ تو ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کیلیے مقرر کی گئی ہے لہٰذا تم اسے مذاق نہ سمجھو مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ میرے بندے میں مذاق نہیں کرتا، میں تو

ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہوں۔ تجھے جنّت میں پوری دنیا سے دس گنا وسیع جگہ ملے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے چشمہ کا اجراء

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَیْسَ مَعَنَا مَاءٌ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُطْلُبُوْا مَنْ مَّعَہٗ یَعْنِیْ مَاءً فَفَعَلْنَا فَاُتِیَ بِمَاءٍ فَصَبَّہٗ فِیْ اِنَاءٍ ثُمَّ وَضَعَ کَفَّیْہِ فِیْہِ فَجَعَلَ الْمَاءُ یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِہٖ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۶۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور ہمارے پاس پانی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ انسان کو پانی کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے، خاص طور پر پیاس بجھانے کے لیے تو پانی کی اشد ضرورت ہے مگر راوی بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر ہمارے پاس پانی نہیں تھا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایسے شخص کو بلاؤ جس کے پاس کچھ پانی ہو کہتے ہیں کہ ہم نے حکم کی تعمیل کی اور کچھ پانی حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے وہ پانی برتن میں ڈالا اور پھر اپنا ہاتھ مبارک اس برتن میں ڈال دیا۔ پھر کیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی انگلیوں سے اس طرح پانی نکلنے لگا جیسا کوئی چشمہ پھوٹ پڑتا ہے۔ آپ نے فرمایا لوگو! حَیَّ عَلَی الطَّھُوْرِ الْمُبَارَکِ آؤ پاک اور بابرکت پانی حاصل کر لو۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا وَالْبَرَکَۃُ مِنَ اللّٰہِ اور یاد رکھو کہ برکت تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی ہوتی ہے کیونکہ برکت دینے والی ذات وہی ہے، یہ کسی انسان کا کام نہیں ہے۔ برکت میں اچھائی اور پاکیزگی کا مفہوم پایا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تھوڑی چیز میں برکت دے دے تو وہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس پانی میں اللہ تعالیٰ نے برکت دے دی اور اس میں اس قدر زیادتی ہوئی کہ راوی بیان کرتے ہیں فَمَلَأْتُ بَطْنِیْ کہ میں نے خوب پیٹ بھر کر پیا۔ وَاسْتَسْقَی النَّاسُ اور دوسرے لوگوں نے بھی خوب پیاس بجھائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مزید بیان کرتے ہیں قَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ۔ کہ جب لوگ حضور علیہ السلام کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے تو ہم کھانے میں سے سُبْحَانَ اللّٰهِ کی آواز سنتے تھے۔ یہ بھی اللہ کی طرف سے برکت کی علامت تھی۔ یہ حضور علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ ہر لقمے سے تسبیح کی آواز آتی جسے لوگ اپنے کانوں سے سنتے۔

برہنہ حالت میں لیٹنے کی ممانعت

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَۃُ الْمَرْأَۃَ کَاَنَّہَا تَنْعَتُہَا لِزَوْجِہَا اَوْ تَصِفُہَا لِزَوْجِہَا اَوْ لِلرَّجُلِ کَاَنَّہٗ یَنْظُرُ وَاِذَا کَانَ ثَلَاثَۃٌ فَلَا یَتَنَاجٰی اثْنَانِ دُوْنَ صَاحِبِہِمَا فَاِنَّ ذٰلِکَ یُحْزِنُہٗ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۶۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ برہنہ حالت میں یکجا نہ لیٹے اسی طرح کسی مرد کو بھی دوسرے مرد کے ہمراہ برہنگی کی حالت میں لیٹنے کی ممانعت ہے جب تک کہ درمیان میں کپڑا حائل نہ ہو۔ بعض اوقات ضرورت کے تحت ایک ایک چارپائی پر دو دو عورتوں، مردوں یا بچوں کو سونا پڑتا ہے تو ایسی صورت میں فرمایا کہ کوئی دو عورتیں یا دو مرد برہنگی کی حالت میں اکٹھے نہ سوئیں۔ بچوں کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کے بستر الگ الگ کر دو۔ کیونکہ اکٹھا لیٹنے سے بداخلاقی پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

اسی حدیث مبارکہ میں خاص طور پر دو عورتوں کے اکٹھا سونے کی ممانعت آئی ہے اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یکجا سونے والی عورتوں میں سے کوئی عورت دوسری عورت کی بات اپنے خاوند کے سامنے بیان کرے اور پھر سارا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتے اور یہ بڑی بے حیائی کی بات ہے۔

اس حدیث میں دوسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ جب تین آدمی اکٹھے ہوں تو ان میں سے دو الگ ہو کر کوئی سرگوشی نہ کریں کیونکہ ایسا کرنے سے تیسرا آدمی غم میں مبتلا ہو جائیگا اس کو شبہ پڑ جائیگا کہ شاید یہ میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔

آپ نے تیسری بات یہ فرمائی۔ وَمَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ کَاذِبًا لِیَقْتَطِعَ

بِهَا مَالَ اَخِيۡهِ اور جو شخص اپنے کسی بھائی کا مال ہضم کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھاتا ہے وہ اللہ تعالےٰ سے قیامت والے دن اسی حالت میں ملے گا۔ وَهُوَ عَلَيۡهِ غَضۡبَانُ کہ اللہ تعالےٰ اس پر سخت ناراض ہوگا۔ دوسری حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پاک بھی نہیں کریگا اور وہ عذاب الیم کے مستحق بن جائیں گے۔

امامت کا استحقاق

قَالَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ مَسْعُوْدٍ اَتیٰ اَبَا مُوْسیٰ الْاَشْعَرِیَّ فِیْ مَنْزِلِہٖ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ فَقَالَ اَبُوْ مُوْسیٰ تَقَدَّمْ یَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَاِنَّکَ اَقْدَمُ سِنًّا وَّ اَعْلَمُ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۶۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا تو ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا ابو عبدالرحمٰن! (یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کنیت تھی) آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں کیونکہ آپ ہم میں سے عمر میں بھی زیادہ ہیں اور علم میں بھی فوقیت رکھتے ہیں۔ مسئلہ بھی یہی ہے۔ مسلم شریف میں امامت کے لیے ترجیحات موجود ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امامت وہ شخص کرائے جو قرآن سب سے اچھا پڑھتا ہو۔ اگر قرأت میں برابر ہوں تو پھر سنت کو زیادہ جاننے والا آگے آئے اگر اس میں بھی سب لوگ برابر ہوں تو امامت کا مستحق وہ ہے جس نے ہجرت پہلے کی ہو اور ہجرت میں بھی برابر ہوں تو زیادہ عمر والا امامت کرائے یا جو اسلام پہلے لایا ہو۔ بہرحال حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ چونکہ آپ ہم سے علم میں بھی زیادہ ہیں اور عمر میں بھی زیادہ ہیں لہٰذا آپ نماز پڑھائیں اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا لَا بَلْ تَقَدَّمْ اَنْتَ فَاِنَّمَا اَتَیْتُکَ فِیْ مَنْزِلِکَ وَمَسْجِدِکَ نہیں بلکہ آپ آگے آئیں کیونکہ ہم آپ کے گھر پر اور آپ کی مسجد میں آئے ہیں لہٰذا نماز پڑھانے کا آپ کا زیادہ حق ہے۔ فَتَقَدَّمَ اَبُوْ مُوْسیٰ فَخَلَعَ نَعْلَیْہِ پس ابو موسیٰ اشعری نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی اور اپنا جوتا اتار دیا۔

اس سے یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے کہ جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے پاس جاتا ہے یا کوئی امام دوسرے امام کی عملداری میں جاتا ہے تو مہمان کو میزبان کی اجازت کے بغیر

نماز پڑھانے کی اجازت نہیں ہے۔ کسی بڑے سے بڑے آدمی کو بھی خود بخود مصلّے پر آنے
کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ یہ بدنظمی کی علامت ہے اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی
آدمی کسی دوسرے کے گھر میں جائے تو اسکی اجازت کے بغیر اس کی نشست پر نہ بیٹھے۔ نماز
کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کہ صاحب خانہ یا امام کی اجازت کے بغیر امامت کرنا روا نہیں۔ چنانچہ ان دونوں
حضرات نے مسئلہ کے مطابق بات کی۔ پھر ابوموسیٰ اشعریؓ نے نماز پڑھائی اور ابن مسعودؓ نے ان کے
پیچھے نماز پڑھی۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے اپنا جوتا بھی اتار دیا حالانکہ وہ بالکل پاک صاف تھا۔

بمقام جعرانہ مالِ غنیمت کی تقسیم

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَنَائِمَ حُنَیْنٍ بِالْجِعِرَّانَۃِ ازْدَحَمُوْا عَلَیْہِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ بَعَثَہُ اللّٰہُ اِلٰی قَوْمِہٖ فَضَرَبُوْہُ وَشَجُّوْہُ قَالَ فَجَعَلَ یَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ جَبْہَتِہٖ وَیَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۵۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی جنگ سے موصول ہونے والا مالِ غنیمت جعرانہ کے مقام پر مجاہدین میں تقسیم کیا۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے بیس کلومیٹر کے فاصلہ پر بطرف طائف ایک اڈہ ہے بعض روایات کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے اللہ کے تین سو نبیوں نے احرام باندھ کر بیت اللہ شریف کا طواف کیا ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے بھی اسی مقام سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا تھا اس مقام پر مال کی تقسیم کے وقت لوگوں نے ہجوم کیا۔ بعض نئے نئے مسلمانوں نے آداب رسالت کا خیال نہ کیا اور حضور علیہ السلام کے ساتھ تلخ سلوک روا رکھا۔ مسلم شریف کی روایت کے مطابق بعض لوگوں نے آپ کا کمبل مبارک اِدھر اُدھر کھینچا حتیٰ کہ وہ پھٹ گیا اور آپ کی گردن پر زخم بھی آیا۔ ہر شخص پہلے لینے کی کوشش میں تھا مگر حضور علیہ السلام نے کسی کا برا نہیں منایا۔ اس موقع پر ایک شخص نے یہ بھی کہہ دیا کہ آپ کی یہ تقسیم مبنی برانصاف نہیں ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام کو بڑی کوفت ہوئی اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے کہ ان کو تو اس سے بھی زیادہ تکالیف پہنچائی گئیں مگر انہوں نے صبر کا مظاہرہ ہی کیا۔ تو فرمایا آج میں بھی صبر ہی کروں گا پھر حضور علیہ السلام نے کسی نبی کا واقعہ سنایا جس کی قوم کے لوگوں نے ان کے سر اور پیشانی کو زخمی کر دیا

تھا۔ وہ اپنا خون صاف کرتے تھے اور قوم کے لیے یہی دعا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے کیونکہ یہ بے سمجھ ہیں۔ پھر حضور نے بھی اس مقام پر یہی دعا فرمائی۔ اسی طرح طائف کے مقام پر جب آپ کے جسم کو لہولہان کر دیا گیا تو اس وقت بھی آپ نے ان لوگوں کے حق میں کوئی بددعا نہیں کی بلکہ یہی دعا کی کہ اللہ! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ یہ سمجھ نہیں رکھتے۔

★

حضرت عمر بن خطابؓ کے چار فضائل

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ فَضُلَ النَّاسَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بِاَرْبَعٍ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۵۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کو باقی لوگوں پر چار خصوصی فضائل حاصل تھے جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ یَوْمَ بَدْرٍ اَمَرَ بِقَتْلِھِمْ۔ جنگ بدر کے دوران کافروں کے جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے ان کے متعلق حضرت عمرؓ کا مشورہ یہ تھا کہ ان کو قتل کر دیا جائے جبکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ فدیہ لے کر چھوڑ دینے کے حق میں تھے۔ فدیہ کا حصول اللہ تعالےٰ کے نزدیک پسندیدہ امر نہیں تھا چنانچہ اللہ تعالےٰ نے حضرت عمرؓ کی رائے کے حق میں یہ آیات نازل فرما کر معاملہ کو واضح فرما دیا۔ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ اَسْرٰی ..... الخ (انفال ۶۷) یہ پیغمبر کے شایانِ شان نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک کہ زمین میں کثرت سے (کافروں) کا خون نہ بہایا جائے۔ تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو اور خدا تعالےٰ آخرت کی بھلائی چاہتا ہے اور خدا غالب حکمت والا ہے۔ نیز فرمایا لَوْلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ (انفال۔ ۶۸) اگر خدا کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو حاصل کردہ فدیہ پر تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔ بہر حال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عمرؓ کی اس رائے کو ان کی فضیلت میں شمار کیا ہے۔

۲۔ وَبِذِکْرِہِ الْحِجَابَ اَمَرَ نِسَآءَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّحْتَجِبْنَ۔ چونکہ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے پاس مختلف قسم کے لوگوں کی آمد و رفت تھی اس لیے حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ ازواج مطہرات کو پردہ کا اہتمام کرنا چاہیئے اس بات سے حضرت زینبؓ ناراض ہو گئیں اور کہنے لگیں عمرؓ! وحی تو ہمارے گھروں میں نازل ہوتی ہے مگر تم ایسے

مشورے دیکر ہمارے معاملات میں کیوں دخیل ہوتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کو حضرت عمرؓ کی یہ تجویز پسند آئی چنانچہ قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوگئی۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط۔

(الاحزاب - ۵۳) اے ایمان والو! جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی سامان طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو گویا کہ یہ پردے کا حکم بھی حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق ہوا۔ لہذا یہ بھی آپ کی فضیلت میں شامل ہے۔

۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو شخصیتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی۔ اَللّٰهُمَّ اَيِّدِ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ اے اللہ! اسلام کی تائید عمر بن خطابؓ یا ابو جہل کے ساتھ فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے حق میں یہ دعا قبول فرمائی اور آپ کو اسلام لانے کی توفیق ملی۔ اور پھر آپ کے ذریعے اسلام کو بڑی تائید حاصل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ جس دن حضرت عمرؓ اسلام لائے ہم چالیس آدمی تھے جنہوں نے خانہ کعبہ میں جاکر نماز ادا کی تھی حالانکہ اس سے پہلے کافر ہمیں وہاں نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے۔

۴۔ حضرت عمرؓ کی چوتھی فضیلت یہ ہے۔ وَبِرَأْيِهٖ فِيْ اَبِيْ بَكْرٍ كَانَ اَوَّلُ النَّاسِ تَابَعَهٗ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد آپ ہی کی رائے تھی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین حضرت ابوبکر صدیقؓ ہونے چاہئیں۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ ہی نے حضرت صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔ اگر آپ اس معاملہ میں ذرا تاخیر کر دیتے تو ممکن ہے کہ خلافت کے معاملہ میں جھگڑا طول پکڑ جاتا کیونکہ انصار بھی خلافت کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے ذریعے اس تنازعے کو ختم کر دیا۔ جب آپ نے بیعت کر لی تو پھر تمام مہاجرین اور انصار نے بھی بیعت کر لی اور اس طرح یہ اہم معاملہ طے ہوگیا۔

حضرت عمر بن خطابؓ کی یہ چار نمایاں خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے اللہ نے دوسروں پر آپ کو فضیلت عطا فرمائی ہے ان میں سے ہر خصوصیت امت کے حق میں بہتر ہی ثابت ہوئی۔

قرأت کا اختلاف روا ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا یَقْرَأُ اٰیَۃً وَ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَیْرَھَا فَاَتَیْتُ بِہٖ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَغَیَّرَ وَجْہُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ عَرَفْتُ فِیْ وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْکَرَاھِیَۃَ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۳۹۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا حالانکہ میں نے اس آیت کو خود حضور علیہ السلام سے دوسرے طریقے پر سنا تھا کہتے ہیں کہ میں اس شخص کو پکڑ کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں لے آیا جب آپ نے ہمیں اس حالت میں دیکھا تو آپکا چہرہ متغیر ہوگیا یعنی آپ ناراض ہوگئے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے۔ آپ نے فرمایا کِلَا کُمَا مُحْسِنٌ تم دونوں درست ہو اور اچھا پڑھتے ہو۔ ایسی باتوں میں جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔ قرأتوں کا اختلاف روا ہے، اس میں کوئی فرق نہیں کیونکہ بنیادی حقیقت میں تو کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ چنانچہ امت کے تمام فروعی اختلافات بھی اسی مد میں آتے ہیں لہذا ان میں بلاوجہ جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔

اس موقع پر حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا اِنَّ مَنْ قَبْلَکُمْ اخْتَلَفُوْا فَاَھْلَکَھُمْ۔ تم سے پہلے لوگوں نے بھی ایسے معاملات میں اختلاف کیا تو اسی اختلاف نے انکو ہلاک کیا۔ مطلب یہ کہ پہلی امتیں بھی انہی اختلافات کی وجہ سے ہلاک ہوئیں لہذا فرمایا فَلَا تَخْتَلِفُوْا لوگو! تم آپس میں اختلاف نہ کرنا۔ دوسرے موقع پر آپ نے تقدیر کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے بھی فرمایا کہ آپس میں جھگڑا نہ کرنا کیونکہ پہلی امتیں بھی اسی جھگڑے کی وجہ

ہلاک ہوئیں۔ اسی اصول کی بناء پر ائمہ کرامؒ کے اختلافی مسائل میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ ہر گروہ کو اپنے اپنے طریقہ پر عمل کرنا چاہیئے جو شخص کہتا ہے کہ صرف میرا طریقہ صحیح ہے، باقی سب غلط ہیں، وہ خود صحیح نہیں ہے۔ یہی تعصب اور جھگڑے کا باعث بنتا ہے اور پھر اسکے نتیجے میں تباہی آتی ہے۔ بہر حال اس حدیث میں مذکور قرأت کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ دونوں قرأتیں درست ہیں۔ قرآن کی سات قرأتیں مشہور ہیں جن میں تھوڑا بہت فرق ہے۔ تاہم کوئی شخص کسی طریقے پر بھی پڑھ لے روا ہے۔

مشروط بیع اور سود خوری کی ممانعت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّہٗ قَالَ لَا تَصْلُحُ صَفْقَتَانِ فِیْ صَفْقَۃٍ وَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ اٰکِلَ الرِّبٰا وَ مُؤْکِلَہٗ وَ شَاھِدَہٗ وَ کَاتِبَہٗ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۳۹۳)

اس حدیث مبارک میں دو مسائل بیان ہوتے ہیں. پہلا مسئلہ بیع سے متعلق ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر بیان کیا ہے اور دوسرا مسئلہ خود حضور علیہ السلام کی ایک حدیث کی صورت میں ہے. تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بیع میں دو بیع درست نہیں یعنی کوئی سودا کرتے وقت کوئی شرط لگانی جائز نہیں. دوسری حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں. نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعٍ وَّ شَرْطٍ یعنی کوئی بیع کرتے وقت اسکے ساتھ شرط لگانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ شرط عائد کرنے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے. ترمذی شریف کی روایت میں ہے. نَھٰی عَنْ بَیْعٍ وَّ شَرْطَانِ. بیع اور اسکے ساتھ دو شرائط لگانا منع ہے. مطلب یہ ہے کہ کسی بیع کے ساتھ ایک یا دو شرطیں لگانا منع ہے.

یہ مسئلہ سمجھانے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور علیہ السلام کی یہ حدیث بھی سنائی کہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ اٰکِلَ الرِّبٰا وَ مُؤْکِلَہٗ وَ شَاھِدَہٗ وَ کَاتِبَہٗ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے. سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر، اس کے گواہ بننے پر اور اس کے کاتب پر. اللہ نے سود کو مطلقاً حرام قرار

دیا ہے اور اسی لیے اس میں ملوث ہونے والے چار قسم کے لوگوں کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے. سود فساد کی جڑ ہے. اس سے خود غرضی پیدا ہوتی ہے اور معاشرے میں بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں، لہٰذا اسکو سرے سے حرام قرار دیا گیا ہے۔

جبریل علیہ السلام کا اصلی شکل میں مشاہدہ

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّہٗ قَالَ فِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ جِبْرِیْلَ عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی عَلَیْہِ سِتُّمِائَۃِ جَنَاحٍ یَنْثُرُ مِنْ رِیْشِہِ التَّھَاوِیْلَ الدُّرَّ وَالْیَاقُوْتَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۴۱۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ قرآن پاک کی آیت وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی ۔ (النجم ـ ۱۳) سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے جبریل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہٰی کے پاس دوسری مرتبہ دیکھا۔ گویا نبی علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل میں کل دو دفعہ دیکھا ہے۔ پہلی دفعہ آپ نے جبریل علیہ السلام کو ابتدائے نبوت کے زمانہ میں دیکھا تھا جب کہ دوسری مرتبہ معراج کے موقعہ پر سدرۃ المنتہٰی کے پاس دیکھا جب کہ آپ کے چھ سو پر تھے جن سے موتی اور یاقوت بکھر رہے تھے۔ بخاری شریف میں حدیث موجود ہے کہ جب حضور علیہ السلام پر پہلی دفعہ وحی نازل ہوئی تھی تو آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو اصلی شکل میں دیکھا جب کہ زمین و آسمان کی درمیانی فضا ان سے پُر تھی اور آپ کرسی پر بیٹھے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ پر دہشت بھی طاری ہو گئی تھی۔ بہر حال آپ کے علاوہ کسی نبی نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں نہیں دیکھا۔

ہر بیماری کی دوا موجود ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَہٗ دَوَاءً عَلِمَہٗ مَنْ عَلِمَہٗ وَجَہِلَہٗ مَنْ جَہِلَہٗ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالٰے نے دنیا میں جو بیماری پیدا کی ہے اس کی دوا بھی نازل فرمائی ہے۔ البتہ بات یہ ہے کہ جس شخص نے اس دوا کو جان لیا، اس نے جان لیا اور جو اس سے ناواقف رہا وہ ناواقف رہا مطلب یہ ہے کہ ہر بیماری کی دوا تو موجود ہے مگر اس کو سب لوگ نہیں جانتے کیونکہ علیم کل تو صرف ذاتِ خداوندی ہی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کلونجی میں ہر بیماری کی شفا ہے۔ اس کے متعلق حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ کلونجی کے تلوں جیسے ان چھوٹے چھوٹے دانوں میں اللہ تعالٰے نے موت کے سوا ہر بیماری کا علاج رکھا ہے مگر اس کا طریقہ استعمال تمام ڈاکٹروں اور حکیموں کو معلوم نہیں جس کی وجہ سے یہ بعض اوقات مفید ثابت نہیں ہوتی اطبا اس دوا کے بہت سے خواص نقل کرتے ہیں۔ کبھی ان دانوں کو بھون کر استعمال کرنے سے فائدہ ہوتا ہے اور کبھی باریک پیس کر سفوف کے طور پر استعمال کراتے ہیں بعض اوقات یہ جڑی بوٹی کسی دوسری دوا کے ساتھ ملا کر استعمال کرانے سے مفید ثابت ہوتی ہے۔ بہرحال مختلف بیماریوں میں مختلف طریقہ ہائے استعمال نہ جاننے کی وجہ سے اس سے کماحقہ فائدہ نہیں ہوتا وگرنہ حضور علیہ السلام کی حدیث میں کوئی شک نہیں کہ کلونجی میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفا اللہ نے رکھی ہے۔

اس حدیث میں یہی ارشاد فرمایا کہ اللہ نے دنیا میں جو بھی بیماری پیدا کی ہے اس کے

لیے دوا بھی پیدا کی ہے مگر اس دوا اور طریقِ علاج کو تمام ڈاکٹر حکیم وغیرہ نہیں جانتے۔ جن کی سمجھ میں بات آجاتی ہے ان کا علاج مفید ثابت ہوتا ہے اور جو اطبا اس کو نہیں سمجھ پاتے ان کے علاج سے فائدہ نہیں ہوتا۔

جنّت اور دوزخ کی قربت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْجَنَّةُ اَقْرَبُ اِلٰی اَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! جنت تم میں سے ہر ایک کے تمہارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور اسی طرح دوزخ بھی تم سے اتنی ہی قریب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر انسان اللہ تعالےٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آتا ہے نیکی اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرتا ہے تو بلاشبہ جنّت اسکے اتنے قریب ہے کہ اس کا جوتا بھی اتنا قریب نہیں اور جو شخص کفر، شرک اور نفاق کے راستہ پر چلتا ہے دنیا میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کرتا ہے تو پھر دوزخ بھی اس کے اتنے ہی قریب ہے جتنا خود اس کے جوتے کا تسمہ بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہے لہذا کسی زعم میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ غلط راستے پر چل کر خدا تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائیگا۔ مرنے کی دیر ہے کہ وہ اپنے انجام کو پہنچ جائیگا۔

معجزہ شق القمر

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی رَاَیْتُ الْجَبَلَ مِنْ بَیْنِ فُرْجَتَیِ الْقَمَرِ۔

(مسند احمد طبع بیرت جلد ا صفحہ ۴۱۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں چاند پھٹ گیا تھا اور میں نے خود دیکھا کہ پہاڑ چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان آگیا تھا، یعنی چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا ایک ٹکڑا پہاڑ کی اس طرف چلا گیا جبکہ دوسرا اس طرف ہوگیا۔ یہ حضور علیہ السلام کا معجزہ تھا جو کہ اللہ تعالےٰ نے مشرکینِ مکہ کے مطالبہ پر ظاہر فرمایا تھا۔

اس معجزہ کا ذکر قرآنِ پاک میں بھی موجود ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر۔ ۱) قیامت قریب آپہنچی اور چاند پھٹ گیا نبی آخر الزمان مبعوث ہوچکے، اللہ کی آخری کتاب اور آخری شریعت بھی آگئی۔ اب قیامت تک نہ کوئی نیا نبی آئیگا، نہ کتاب اور نہ شریعت۔ اب قیامت ہی آنے والی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ چاند کا پھٹ جانا قربِ قیامت کی ایک نشانی ہے۔

سونے کا طریقہ اور دعا

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا نَامَ قَالَ اَبُوْ اَحْمَدَ اِذَا اَوٰی اِلٰی فِرَاشِہٖ وَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنٰی تَحْتَ خَدِّہٖ قَالَ اَبُوْ اَحْمَدَ الْاَیْمَنِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَکَ۔

(مسند احمد طبع بیرت جلد اصفحہ ۴۱۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کو سونے کے لیے بستر پر تشریف لے جاتے تو آپ اپنا دایاں ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھ کر دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے پھر آپ یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَكَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ اے اللہ! مجھے اپنی گرفت سے بچانا جس دن تو اپنے بندوں کو اکٹھا کریگا یعنی قیامت والے دن۔ اس میں امت کے لیے بھی تعلیم ہے کہ سوتے وقت ہر شخص کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے اور یہ دعا بھی پڑھنی چاہیئے۔ دوسری روایت میں یہ کلمات بھی آتے ہیں اَللّٰھُمَّ بِكَ اَمُوْتُ وَ اَحْیٰی۔ اے اللہ میں تیرے ہی نام پر مرتا ہوں اور تیرے ہی نام پر زندہ ہوتا ہوں۔ پھر جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو اسے یہ کلمات ادا کرنے چاہئیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَآ اَمَاتَنِیْ وَ اِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔ اس خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے موت کے بعد مجھے دوبارہ زندگی بخشی اور پھر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ نیند کو موت کی بہن کہا گیا ہے جس طرح موت کے وقت انسان کے اعضا معطل ہو جاتے ہیں اسی طرح نیند میں انسانی حواس معطل ہو جاتے ہیں البتہ حیوانی حواس چلتے رہتے ہیں جس سے جسم کا نظام قائم رہتا ہے۔ بہرحال اس حدیث میں سونے کا سنّت طریقہ بتایا گیا ہے۔

ایک بیش قیمت عہد نامہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا اَنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ ...الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی زبان سے ان کلمات کو ادا کریگا، تو اللہ تعالےٰ قیامت والے دن اپنے فرشتوں سے فرمائیگا اِنَّ عَبْدِیْ قَدْ عَھِدَ اِلَیَّ عَھْدًا فَاَوْفُوْہُ اِیَّاہُ میرے بندے نے میرے ساتھ دنیا میں ایک عہد کیا تھا اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دے دو۔ پس اللہ تعالےٰ اس عہد کی بدولت اس بندے کو جنت میں داخل کر دیگا۔ اللہ فرمائیگا تمہارا عہد ہمارے نزدیک مقبول ہے تم نے توحید اور رسالت کا عہد کیا جو بہت بڑا عہد ہے۔ عہد نامہ کے مبارک الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا اَنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَ رَسُوْلُکَ فَاِنَّکَ اِنْ تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ تُقَرِّبْنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِیْ مِنَ الْخَیْرِ وَ اِنِّیْ لَآ اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَکَ عَھْدًا تُوَفِّیْنِیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۔ اے اللہ جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور ظاہر اور پوشیدہ کو جاننے والا ہے۔ میں اس دنیا کی زندگی میں تیرے سامنے عہد کرتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم تیرے بندے اور رسول ہیں اے پروردگار! اگر تو مجھے میرے نفس کی طرف سونپ دیگا تو وہ مجھے برائی کے قریب اور خیر سے دور کردیگا۔ میں صرف تیری رحمت پر ہی بھروسہ کرتا ہوں۔ پس میرے لیے اپنے ہاں عہد بنادے جسے تو مجھے قیامت والے دن دے دے۔ بیشک تو عہد کے خلاف نہیں کرتا۔

اُمّ المومنین اُمِّ حبیبہؓ کی دعاء

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَتْ اُمُّ حَبِيْبَةَ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِىْ بِزَوْجِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِاَبِىْ اَبِىْ سُفْيَانَ وَبِاَخِىْ مُعَاوِيَةَ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ امّ حبیبہؓ نے اس طرح دعا کی جسے خود نبی علیہ السلام نے بھی سنا۔ کہنے لگیں اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِىْ بِزَوْجِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِاَبِىْ اَبِىْ سُفْيَانَ وَبِاَخِىْ مُعَاوِيَةَ۔ اے اللہ! مجھے میرے خاوند اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور باپ ابوسفیانؓ اور بھائی معاویہؓ کے ساتھ فائدہ پہنچا۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تو اللہ تعالےٰ سے طلب کر رہی تھی لِآجَالٍ مَضْرُوْبَةٍ۔ عمریں جو مقرر ہو چکی ہیں وَاَرْزَاقٍ مَقْسُوْمَةٍ۔ اور روزی جو تقسیم ہو چکی ہے۔ وَآثَارٍ مَبْلُوْغَةٍ اور نقش قدم تو اُتنے ہی ہیں جتنے اللہ تعالےٰ کے علم میں ہیں۔ ان میں سے تو کوئی چیز بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ یہ چیزیں تو تقدیر کے مطابق ہی حاصل ہونگی فرمایا لَوْ سَاَلْتِ اللّٰهَ اَنْ يُّعَافِيَكِ مِنْ عَذَابٍ فِى النَّارِ وَعَذَابٍ فِى الْقَبْرِ كَانَ خَيْرًا لَّكِ۔ اس کی بجائے اگر تو اللہ تعالےٰ سے دوزخ اور قبر کے عذاب سے عافیت طلب کرتی تو یہ تیرے لیے بہتر ہوتا۔

راوی بیان کرتا ہے کہ اس موقع پر ایک شخص نے عرض کیا، اللہ کے رسول! اَلْقِرَدَةُ وَالْخَنَازِيْرُ هِىَ مِمَّا مُسِخَ۔ کیا یہ بندر اور خنزیر وہی ہیں جو سابقہ قوموں کی مسخ شدہ شکلیں ہیں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لَمْ يَمْسَخِ اللّٰهُ قَوْمًا اَوْ يُهْلِكْ قَوْمًا فَيَجْعَلَ لَهُمْ نَسْلًا وَلَا عَاقِبَةً۔ اللہ نے دنیا میں جس قوم کی شکل کو بھی مسخ کیا ان کی نسل کو باقی نہیں رکھا بلکہ انہیں

جلدی ہی دنیا سے ناپید کر دیا۔ فرمایا وَاِنَّ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ قَدْ كَانَتْ قَبْلَ ذٰلِكَ اور یہ بندر اور خنزیر تو پہلے بھی تھے اور اب بھی چلے آ رہے ہیں مطلب یہ کہ موجودہ بندر اور خنزیر مسخ شدہ قوموں کے لوگ نہیں ہیں۔ وہ تو شکلیں مسخ ہونے کے بعد تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہے بلکہ اللہ نے انہیں مکمل طور پر ہلاک کر دیا۔ یہ بندر اور خنزیر تو اللہ کی مخلوق ہیں جو شکلیں مسخ ہونے سے پہلے بھی دنیا میں موجود تھے۔ بعض لوگوں کی شکلیں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں مسخ ہوئی تھیں اور ایلہ والوں کی شکلیں حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بگڑیں جو سخت نافرمان لوگ تھے۔

نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مناظرہ

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ الْعَاقِبُ وَالسَّیِّدُ صَاحِبَا نَجْرَانَ قَالَ وَ اَرَادَا اَنْ یُّلَاعِنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقَالَ اَحَدُھُمَا لِصَاحِبِہٖ لَا تُلَاعِنْہُ فَوَاللّٰہِ لَئِنْ کَانَ نَبِیًّا فَلَعَنَّا قَالَ خَلْفٌ فَلَاعَنَّا لَا نُفْلِحُ نَحْنُ وَلَا عَقِبُنَا اَبَدًا ... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نجران کے عاقب اور سید نامی دو عیسائی حضور علیہ السلام کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ آئے۔ حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے یہودی اور عیسائی ہی الہامی مذہب رکھتے تھے۔ جب نبی علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا تو ان لوگوں کو اپنے مذہب پر زد پڑتی ہوئی نظر آئی، لہٰذا یہ بڑے سیخ پا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ اور مباہلہ کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ عیسائی مذہب ہی آخری اور سچا مذہب ہے اور اس کی موجودگی میں نہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہے اور نہ کسی کتاب اور دین کی۔ عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے جب کہ حضور علیہ السلام نے اعلان کر دیا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

جب ان لوگوں کی حضور علیہ السلام کے ساتھ بحث مباحثہ کے بعد نوبت مباہلہ تک پہنچی تو ان عیسائیوں کو تشویش پیدا ہوئی کیونکہ مباہلہ میں جھوٹے پر لعنت بھیجنا پڑتی ہے۔ ان دو میں سے ایک شخص دوسرے سے کہنے لگا کہ بھائی! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مباہلہ نہ کرو کیونکہ اگر یہ اللہ کا سچا نبی ہے تو پھر ہم کبھی فلاح نہیں پائیں گے اور ہماری نسلیں تباہ ہو جائیں گی۔ یہ سوچ کر ان پر دہشت طاری ہو گئی اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں آ کر عرض کیا حضور! لَا نُلَاعِنُکَ ہم آپ سے مباہلہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہم اپنی شکست تسلیم کرتے ہیں وَلٰکِنَّا نُعْطِیْکَ مَا سَاَلْتَ آپ جزیہ یا ٹیکس وغیرہ ہم پر عائد کریں گے۔

وہ ہم ادا کرنے کے لیے تیار ہیں، آپ ہمیں اپنے مذہب پر قائم رہنے دیں۔ فَابْعَثْ مَعَنَا رَجُلاً اَمِیْناً آپ ہمارے ساتھ کوئی امانتدار آدمی بھیج دیں جس کو ہم ٹیکس اکٹھا کر کے دے دیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کی اس پیش کش کو قبول فرمایا، مباہلہ نہ ہوا بلکہ انہیں اپنے مذہب پر قائم رہنے دیا گیا اور جزیہ لینا قبول کر لیا۔ ٹیکس کی وصولی کے لیے آپ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ کو مقرر فرمایا جس کے متعلق فرمایا هٰذَا اَمِیْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ہماری امت کا یہ سب سے بڑا امین آدمی ہے جو تمہارے ساتھ جائیگا۔ حضرت ابو عبیدہؓ قدیم الاسلام عشرہ مبشرہ میں سے اور مہاجرین مکہ میں سے ہیں۔

شکمِ مادر میں تخلیقِ انسانی

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَھُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ یُجْمَعُ خَلْقُ اَحَدِکُمْ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً ثُمَّ یَکُوْنُ عَلَقَۃً مِثْلَ ذَالِکَ ... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا جو کہ صادق اور مصدوق ہیں۔ یعنی آپ اپنی بات میں سچے ہیں اور اللہ کی جانب سے بھی آپ کی بات تصدیق شدہ ہوتی ہے۔ نیز اللہ کی مخلوق بھی آپ کی بات کی تصدیق کرتی ہے۔ آپ کی ہر بات سچّی ہوتی ہے اور اس میں کسی غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔ تو آپ نے فرمایا شکم مادر میں تمہاری ہر ایک کی تخلیق اولین چالیس روز تک ایک حقیر قطرۂ آب ہوتا ہے۔ پھر چالیس دن کے بعد یہ قطرۂ آب منجمد خون کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پھر چالیس دن کے بعد مُضْغَۃً یعنی گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ شکم مادر میں انسان پر یہ تغیّرات پیش آتے ہیں۔ سورۃ المومنون میں ہے کہ اسکے بعد اس لوتھڑے میں انسان کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے یعنی اس کی شکل وصورت بنتی ہے۔ اس کے بعد چوتھے چلّے میں جاکر یَبْعَثُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِلَیْہِ مَلَکًا۔ اللہ تعالےٰ اس کی طرف ایک فرشتے کو بھیجتا ہے۔ اس سے پہلے دوسرے فرشتے تو پہلے ہی اپنا کام کررہے ہوتے ہیں جو انسان کا ایک ایک عضو درست کرتے ہیں، تاہم یہ خصوصی فرشتہ انسان کی سعادت یا شقاوت لکھنے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اسے حکم دیتا ہے۔ اُکْتُبْ عَمَلَہٗ وَ اَجَلَہٗ وَرِزْقَہٗ وَاکْتُبْہُ شَقِیًّا اَوْ سَعِیْدًا۔ اس کا عمل، عمر اور ... لکھ دو کہ دنیا میں جاکر یہ انسان کیا عمل کریگا، کتنی عمر پائیگا اور کتنی روزی کمائیگا۔ نیز یہ بھی لکھ دو۔ پیدا ہونے والا بچہ بدبخت ہوگا یا خوش بخت چنانچہ اللہ کے حکم سے مذکورہ فرشتہ اس پیدا ہونے والے بچے کے متعلق یہ تمام کوائف لکھ دیتا ہے۔

اس کے بعد راوی عبداللہ بن مسعودؓ قسم اٹھا کر بیان کرتے ہیں کہ دنیا میں آکر کوئی شخص اہلِ جنت کے سے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ بھر فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر اچانک اس کو بدبختی لاحق ہو جاتی ہے اور وہ جہنمیوں والے کام کرنے لگتا ہے اور مر کر جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ نیز فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ایک آدمی دوزخیوں والے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اچانک وہ جنتیوں والے کام کرنے لگتا ہے اور فَيَمُوتُ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ۔ مر کر جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی نظر ہمیشہ خاتمہ پر رکھنی چاہیئے۔

تشہد کی خصوصی تعلیم

قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ كَفِّيْ بَيْنَ كَفَّيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے نماز والا تشہد اس طرح سکھایا جیسے قرآن کی کوئی سورۃ سکھائی جاتی ہے۔ آپ نے اس موقع پر میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑا ہوا تھا جیسا کہ کسی کا ہاتھ بیعت یا مصافحے کے وقت پکڑا جاتا ہے۔ مصافحہ تو ایک ہاتھ سے بھی ہو جاتا ہے لیکن بعض فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس کی تکمیل دونوں ہاتھوں سے ہوتی ہے بہرحال راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھے یہ تشہد سکھایا۔ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور جابرؓ سے ان الفاظ میں معمولی سا اختلاف بھی منقول ہے۔ مثلاً ان کی روایت میں التحیات کے بعد مبارکات کا لفظ زیادہ آگیا ہے۔ تاہم یہ سب تشہد درست ہیں اور زیادہ بہتر یہی ہے جو یہاں نقل ہوا ہے اور جس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص اہتمام کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ کا ہاتھ اپنے مبارک ہاتھوں میں پکڑ کر سکھایا۔

نماز میں درمیانہ تشہد کا پڑھنا واجب ہے اور اگر رہ جائے تو سجدۂ سہو لازم آتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز کا آخری قعدہ فرض ہے، اگر وہ رہ جائے تو نماز لوٹانی پڑے گی کیونکہ فرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں نماز نہیں ہوتی۔ تاہم دوسرے فقہائے کرام اس دوسرے تشہد کو بھی واجب قرار دیتے ہیں۔

نماز باجماعت کا اہتمام

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَلْقَی اللّٰہَ غَدًا مُسْلِمًا فَلْیُحَافِظْ عَلٰی ھٰؤُلَآءِ الصَّلَوٰتِ حَیْثُ یُنَادٰی بِھِنَّ فَاِنَّ اللّٰہَ شَرَعَ لِنَبِیِّکُمْ سُنَنَ الْھُدٰی وَاِنَّھُنَّ مِنْ سُنَنِ الْھُدٰی وَلَوْ اَنَّکُمْ صَلَّیْتُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ کَمَا یُصَلِّیْ ھٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِیْ بَیْتِہٖ لَتَرَکْتُمْ سُنَّۃَ نَبِیِّکُمْ ....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۴، ۴۱۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ کل کو اللہ تعالیٰ سے فرمانبرداری کی حالت میں ملاقات کرے، تو اس کو چاہیئے کہ وہ ان نمازوں کی حفاظت کرتا رہے جہاں ان کے بارے میں اذان ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام نمازیں پورے اہتمام کے ساتھ باجماعت پڑھتا رہے تاکہ اللہ تعالیٰ سے قیامت والے دن ملاقات کے وقت اس کا نام نافرمانوں میں نہ ہو۔

بغیر عذر کے نماز اکیلے پڑھنا روا نہیں ہے بلکہ حتی الامکان جماعت میں شامل ہونا چاہیئے بعض ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ بلا عذر بلا جماعت نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں بعض کہتے ہیں کہ ترکِ جماعت سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔ تو فرمایا کہ جہاں اذان ہوتی ہے وہاں نماز باجماعت لازم ہے کیونکہ فَاِنَّ اللّٰہَ شَرَعَ لِنَبِیِّکُمْ سُنَنَ الْھُدٰی اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لیے ہدایت کی سنتیں مقرر فرمائی ہیں وَ اِنَّھُنَّ مِنْ سُنَنِ الْھُدٰی اور یہ نمازیں ہدایت کی سنتوں میں سے ہیں۔ اور اگر تم نمازیں مسجدوں کی بجائے گھروں میں پڑھنے لگ جاؤ جیسا کہ یہ پیچھے رہنے والا شخص اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہے، تو تم نے گویا اپنے نبی کی سنت کو ترک کر دیا۔ یہ پیچھے رہنے والا منافق آدمی تھا جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتا تھا اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر اس شخص کی طرح گھر میں نمازیں پڑھنے لگو گے تو اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ بیٹھو گے

وَلَوْ اَنَّكُمْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ حضرت ابن مسعودؓ ہی سے دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جماعت سے پیچھے وہی رہتا تھا جو منافق ہوتا یا بیمار، معذور وغیرہ۔ فرمایا بیمار لوگ بھی جماعت میں شمولیت کی حتی الامکان کوشش کرتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر گھسیٹتے ہوئے بھی آتا تو اسے لا کر صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

فرمایا وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ يَعْمِدُ اِلٰى مَسْجِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ۔ جو آدمی اچھی طرح طہارت کرتا ہے۔ وضو کرتا ہے۔ یا غسل کرتا ہے پھر وہ ان مسجدوں میں سے کسی مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَخْطُوْهَا حَسَنَةً يَرْفَعُ بِهَا دَرَجَةً وَ يَحُطُّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً تو اللہ تعالیٰ ہر ہر قدم کے بدلے میں اس کی ایک نیکی لکھ دیتا ہے، اس کا ایک درجہ بلند فرما دیتا ہے اور ایک برائی مٹا دیتا ہے۔ ہر ہر قدم کے بدلے میں نمازی کو یہ تین فوائد حاصل ہوتے ہیں لہٰذا نماز باجماعت کا خاص اہتمام کرنا چاہیئے اور اتنے بڑے فوائد سے محروم نہیں رہنا چاہیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ صَلَّیْتُ لَیْلَۃً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَزَلْ قَائِمًا حَتّٰی ھَمَمْتُ بِاَمْرِ سُوْءٍ قُلْنَا وَمَا ھَمَمْتَ بِہٖ قَالَ ھَمَمْتُ اَنْ اَقْعُدَ وَاَدَعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ مجھے ایک رات حضور علیہ السلام کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ میں شریک تو بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ہوا مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قیام کی طوالت کو برداشت نہ کر سکا۔ ترمذی شریف کی روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو سورۃ بقرہ شروع کی۔ میں نے خیال کیا کہ شاید نصف سورۃ تلاوت کر کے رکعت ختم کر دیں گے مگر آپ نے ساری سورۃ پڑھ ڈالی۔ پھر سورۃ آلِ عمران مکمل طور پر پڑھی اور اس کے بعد سورۃ النساء بھی پڑھ لی۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اتنی طوالت کے پیش نظر میں نے دل میں بری بات کا ارادہ کیا شاگردوں نے پوچھا حضرت! وہ بری بات کون سی تھی جس کا آپ نے ارادہ کیا۔ تو آپ کہنے لگے کہ میں نے خیال کیا کہ میں خود بیٹھ جاؤں اور حضور علیہ السلام کو کھڑا چھوڑ دوں کیونکہ اب مجھ میں مزید کھڑا ہونے کی ہمت نہ رہی تھی تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے بیٹھ جانے کو بری بات خیال کیا حالانکہ بڑے شوق کے ساتھ حضور کے ساتھ نماز میں شامل ہوئے تھے۔

حضور علیہ السلام رات کے وقت مختلف طریقوں سے نماز ادا فرماتے تھے کبھی طویل قیام کرتے اور کبھی کم۔ کبھی رات کو اٹھ کر نماز پڑھی پھر سو گئے پھر اٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ آپ نے ایک رات میں سہ بارہ اٹھ کر بھی نماز پڑھی ہے، تاہم عام طور پر تخفیف ہی ہوتی تھی۔ ایک اور روایت میں

آتاہے کہ آپ رات کی نماز کی ہر رکعت میں ساتویں منزل کی دو دو سورتیں تلاوت فرماتے۔ اس طرح آپ دس رکعتوں میں بیس سورتیں تلاوت کر لیتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ ساری رات قرآن پڑھتے رہے ہوں۔ آپکا عام معمول یہ تھا کہ کبھی سو گئے اور کبھی اٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ آپ نے رمضان کے علاوہ کسی ماہ کے مکمل روزے بھی نہیں رکھے، بلکہ روزہ بھی رکھتے تھے اور کبھی افطار بھی کرتے تھے۔

خوش اخلاق آدمی دوزخ سے مامون ہو گا

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ حُرِّمَ عَلَی النَّارِ کُلُّ ھَیِّنٍ لَیِّنٍ سَھْلٍ قَرِیْبٍ مِنَ النَّاسِ۔

(مسند احمد طبع بیرت جلد ا صفحہ ۴۱۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! یاد رکھو! ہر اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام ہے جو نرم مزاج اور اچھے اخلاق والا ہونے کی وجہ سے لوگوں کے قریب ہے۔ خوش خلق آدمی ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں جگہ پاتا ہے اور اپنی نیکی کی وجہ سے ہر دلعزیز ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالےٰ دوزخ کی آگ سے مامون رکھیگا۔ تاہم اس کے لیے ایمان شرط ہے کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہے۔ اگر ایسے شخص کی نیکیاں غالب ہیں تو اللہ تعالےٰ اس کو ابتداء میں ہی جنت میں داخل فرما دیگا اور اگر بعض کوتاہیوں کی سزا کے طور پر جہنم میں جانا بھی پڑا تو سزا کاٹ کر بہر حال وہاں سے نکل آئیگا۔ عام طور پر ایسے آدمی کو دوزخ میں داخل نہیں کیا جائیگا۔

جنازے کیساتھ چلنے کے آداب

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ سَاَلْنَا نَبِیَّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّیْرِ بِالْجَنَازَۃِ فَقَالَ السَّیْرُ مَا دُوْنَ الْخَبَبِ فَاِنْ یَکُ خَیْرًا یُعَجَّلُ اَوْ یُعَجِّلُ اِلَیْہِ وَاِنْ یَکُ سِوٰی ذٰلِکَ فَبُعْدًا لِاَھْلِ النَّارِ اَلْجَنَازَۃُ مَتْبُوْعَۃٌ وَلَا تَتْبَعُ لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَقَدَّمَھَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جنازے کے ساتھ چلنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جنازے کو اچھالتے ہوئے تیزی کے ساتھ نہیں لے جانا چاہیئے۔ البتہ تیز رفتار کے ساتھ ضرور لیجانا چاہیئے۔ اگر مرنے والا اچھا آدمی ہے تو اسے جلدی آگے پہنچانا چاہیئے تاکہ وہ آگے کی نعمتوں سے محروم نہ رہے اور اگر وہ بُرا آدمی ہے تو اس کا بوجھ اپنی گردن سے جتنی جلدی اتار دو گے تمہارے حق میں اتنا ہی بہتر ہے جیسا کہ مسلم شریف اور موطا امام مالکؒ میں موجود ہے۔ بہرحال میّت کو جلد از جلد دفن کر دینا چاہیئے مگر لیجاتے وقت اچھالتے ہوئے نہ لیجائیں۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جنازے کے پیچھے پیچھے چلنا افضل ہے اگرچہ ضرورت کے تحت آگے اور دائیں بائیں بھی چل سکتے ہیں۔ بعض ائمہ آگے چلنے کو افضل کہتے ہیں لیکن دوسری روایتوں سے پیچھے چلنا افضل ثابت ہوتا ہے کیونکہ صحیح روایات میں مَنْ اتَّبَعَ کے الفاظ آتے ہیں یعنی جو شخص جنازے کے پیچھے پیچھے چلا۔

دوسری روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرامؓ جنازے کے ساتھ جاتے تھے تو نہایت خاموشی کے ساتھ دل میں ذکر کرتے ہوئے چلتے تھے۔ آج کل لوگ بڑے نعرے لگاتے ہوئے چلتے ہیں۔ بعض بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں اور

بعض کندھا دیتے وقت کہتے ہیں "کلمہ شہادت" یہ چیزیں خلاف سنت ہیں۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ جنازے کے پیچھے پیچھے باوقار طریقے سے دل میں ذکر کرتے ہوئے چلے۔

ناحق مدد کرنے کی ممانعت

قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَثَلُ الَّذِيْ يُعِيْنُ عَشِيْرَتَهٗ عَلٰى غَيْرِ الْحَقِّ مَثَلُ بَعِيْرٍ رَدَى فِيْ بِئْرٍ فَهُوَ يُمَدُّ بِذَنَبِهٖ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۳)

عبدالرحمان اپنے باپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے خاندان کی ناحق مدد کرتا ہے اس کی مثال اس اونٹ جیسی ہے جو کنویں میں گر گیا ہو اور اسے دم سے پکڑ کر باہر نکالنے کی کوشش کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اونٹ کی دم پکڑ کر کھینچنے سے وہ کبھی بھی کنویں سے باہر نہیں نکالا جا سکتا۔ اسی طرح جو شخص اپنے خاندان، برادری، قبیلہ یا پارٹی اور گروہ کی ناحق مدد کرتا ہے وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا مراد یہ ہے کہ اپنا ہو یا بیگانہ حق طریقے سے ہی کسی کی مدد کرنی چاہیئے۔ گروہ بندی اور خویش پروری ناکامی کی علامت ہے مگر آج دنیا میں ہر غلط کام ہو رہا ہے۔ ووٹ کا معاملہ ہو، لڑائی جھگڑا ہو جائے یا لین دین کا مسئلہ ہو، حق و باطل کی تمیز کئے بغیر تعلق وار کی مدد کی جاتی ہے جو کہ سراسر ناکامی کی علامت ہے۔

سچائی اور جھوٹ کی حقیقت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہُ قَالَ لَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَصْدُقُ وَ یَتَحَرَّی الصِّدْقَ حَتّٰی یُکْتَبَ صِدِّیْقًا وَلَا یَزَالُ یَکْذِبُ وَ یَتَحَرَّی الْکَذِبَ حَتّٰی یُکْتَبَ کَذَّابًا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق یعنی راست باز اور راست گو لکھ دیا جاتا ہے۔ ایک دوسرا آدمی ہے جو ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ ہی کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب یعنی بڑا جھوٹا آدمی لکھ دیا جاتا ہے۔

اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے صدق اور کذب کی حقیقت بیان فرمائی ہے بعض آدمی سچائی کو پسند کرتے ہیں اور ہمیشہ سچی بات کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسکے برخلاف بعض لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹی بات کی فکر میں لگے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دو شخص دو مختلف فہرستوں میں درج کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آمدورفت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَذِنْتُ لَكَ اَنْ تَرْفَعَ الْحِجَابَ وَ تَسْمَعَ سَوَادِيْ حَتّٰى اَنْهَاكَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۳۹۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ میں نے تجھے اجازت دی ہوئی ہے کہ پردہ اٹھا کر دیکھو میری آواز سنائی دیتی ہے تو تم بلا جھجک اندر چلے آیا کرو۔ حتّٰی کہ میں خود تمہیں اندر آنے سے منع کر دوں۔ یہ حضرت عبداللہؓ کو خصوصیت حاصل تھی جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی حاصل نہیں تھی۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جب بہت افراد کے قافلے کے ساتھ یمن سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی والدہ کو حضور علیہ السلام کے گھر میں کثرت سے آتے جاتے دیکھتے تھے اور ہم سمجھتے تھے کہ یہ بھی آپ ہی کے گھر کے افراد ہیں مگر بعد میں پتہ چلا کہ حضرت عبداللہؓ حضورؐ کے خاص خادم ہیں اور انکو گھر میں آنے جانے کی عام اجازت ہے۔

بکری کے پائے کے ذریعے زہر

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ کَانَ اَحَبُّ الْعَرَاقِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلذِّرَاعُ ذِرَاعُ الشَّاۃِ وَکَانَ قَدْ سُمَّ فِی الذِّرَاعِ وَکَانَ یَرٰی اَنَّ الْیَھُوْدَ ھُمْ سَمُّوْہُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گوشت میں سے بکری کے پائے زیادہ پسندیدہ تھے اور آپ انہیں شوق سے تناول فرماتے تھے۔ شمائل کی روایت میں آیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی گوشت کی نسبت پائے جلدی تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر انہیں آگ پر بھی بھون لیا جائے تو کھانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو زہر بھی بکری کے پائے میں دیا گیا تھا اور یہ زہر خیبر میں ایک یہودی عورت نے دیا تھا۔ آپ نے ایک لقمہ کھایا تھا جس کی وجہ سے زہر کا اثر آپ کے حلق میں ہو گیا تھا جو آخر وقت تک قائم رہا۔

جنازے کیساتھ چلنے کے آداب

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَأَلْنَا نَبِیَّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّیْرِ بِالْجَنَازَۃِ فَقَالَ السَّیْرُ مَا دُوْنَ الْخَبَبِ فَاِنْ یَّکُ خَیْرًا تَعَجَّلَ اِلَیْہِ وَ اِنْ یَّکُ سِوٰی ذَاکَ فَبُعْدًا لِاَھْلِ النَّارِ اَلْجَنَازَۃُ مَتْبُوْعَۃٌ وَلَا تَتْبَعُ لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَقَدَّمَھَا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنازے کے ساتھ چلنے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جنازے کو تیزی سے لیجانا چاہیئے مگر اچھالتے ہوئے نہیں وجہ یہ ہے کہ اگر مرنے والا نیک آدمی ہے تو وہ آگے بہتری کی طرف جارہا ہے اور اگر وہ برا ہے تو تم اس شر کو اپنے کندھوں سے جلد اتار دو۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ لوگ جنازہ کے پیچھے پیچھے چلیں اور اسکے آگے نہ چلیں۔ فرمایا جو شخص جنازے کے آگے چلتا ہے۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ البتہ دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جنازے کے آگے چلنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح جنازے کے دائیں بائیں بھی چل سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ افضل صورت یہ ہے کہ جنازہ آگے ہو اور لوگ پیچھے پیچھے چلیں۔

قیامت بُرے لوگوں پر قائم ہوگی

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۳۹۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو! قیامت شریر لوگوں پر قائم ہوگی۔ یعنی قیامت اس وقت برپا ہو گی جب سارے اچھے لوگ ختم ہو جائیں گے۔ صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے قریب ایسی ہوا بھیجے گا جو بڑی نرم اور خوشگوار ہو گی۔ یہ ہوا جس مومن تک پہنچے گی اس کی جان قبض ہو جائیگی اور پھر پیچھے شرار الخلق یعنی برے لوگ ہی رہ جائیں گے۔ وہ کچھ عرصہ تک دنیا میں رہیں گے اور اسکے بعد قیامت کا بگل بج جائیگا۔ اسی لیے فرمایا کہ قیامت برے لوگوں پر ہی قائم ہوگی کیونکہ اس وقت تک اچھے لوگ ختم ہو چکے ہونگے۔

تشہد کی اہمیت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَلِّمُنَا التَّشَھُّدَ کَمَا یُعَلِّمُنَا السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز کا تشہد اس اہتمام کے ساتھ سکھاتے تھے جس طرح قرآن پاک کی کوئی سورۃ سکھائی جاتی ہے۔

نماز میں تشہد واجب ہے اور دوسری روایت میں اسکے یہ الفاظ آتے ہیں۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔

سب بدنی، قولی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں بھی۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں۔

حج وعمرہ کے موقع پر تلبیہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ لَبّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حج کے موقع پر حضور علیہ السلام احرام باندھ کر تلبیہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ نے جمرہ عقبہ کی رمی کی۔ یعنی بڑے شیطان کو کنکر مارتے وقت تلبیہ پڑھنا موقوف کر دیا۔ ایام حج میں دسویں تاریخ کو سب سے پہلے جمرہ عقبہ پر رمی کی جاتی ہے اور رمی شروع کرنے سے پہلے تلبیہ پڑھنا بند کر دیا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص عمرہ کا احرام باندھ کر تلبیہ پکارنا شروع کرتا ہے تو وہ طواف کے لیے حجر اسود پر پہنچ کر تلبیہ بند کر دیتا ہے اور آگے طواف کی دعائیں شروع کر دیتا ہے۔ تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ

اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ بیشک تمام تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لیے ہیں اور بادشاہی بھی۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

بستر پر لیٹتے وقت دعا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا وَضَعَ جَنْبَهٗ عَلٰی فِرَاشِهٖ قَالَ رَبِّ قِنِیْ عَذَابَكَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۳۹۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سونے کے لیے بستر پر تشریف لاتے تو اپنی زبان سے یہ کلمات ادا فرماتے۔ رَبِّ قِنِیْ عَذَابَكَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ۔ اے اللہ! مجھے اپنی گرفت سے بچانا جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کریگا یعنی قیامت والے دن۔ اس میں تعلیم بھی ہے۔ لیٹتے وقت ہر شخص یہ دعا پڑھ سکتا ہے جو یقیناً فائدہ مند ثابت ہوگی

نماز باجماعت کی تاکید

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلًا فَیُصَلِّیَ بِالنَّاسِ ثُمَّ اٰمُرَ بِاُنَاسٍ لَا یُصَلُّوْنَ مَعَنَا فَتُحَرَّقَ عَلَیْھِمْ بُیُوْتُھُمْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، میں ارادہ کرتا ہوں کہ کسی شخص کو نماز پڑھانے کے لیے کہوں اور لوگوں کو حکم دوں کہ ان لوگوں کے گھروں کو جلا ڈالو جو ہمارے ساتھ نماز میں شامل نہیں ہوتے یعنی نماز باجماعت ادا نہیں کرتے گھروں کو جلانے کا مقصد یہ ہے کہ بے نماز خود بھی ان گھروں کے اندر جل کر راکھ ہو جائیں۔ یہ نماز باجماعت کے لیے سخت ترین تاکید ہے۔ بلا عذر جماعت سے غیر حاضری مکروہ تحریمی ہے بعض آئمہ کے نزدیک نماز باجماعت واجب ہے تاہم سنتِ مؤکدہ تو قطعی طور پر ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اگر حضور علیہ السلام کی اس سنت کو ترک کردو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں جماعت سے وہی شخص غیر حاضر ہوتا تھا جس کا نفاق معلوم ہوتا تھا یا پھر اسکو کوئی عذر ہوتا تھا۔ بایں ہمہ عورت، معذور یا بیمار کے لیے جماعت کی حاضری ضروری نہیں ہے۔

سانپ کو ہر صورت میں مارنے کا حکم

عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ الْجُشَمِیِّ قَالَ بَیْنَمَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ یَخْطُبُ ذَاتَ یَوْمٍ فَاِذَا هُوَ بِحَیَّةٍ تَمْشِیْ عَلَی الْجِدَارِ فَقَطَعَ خُطْبَتَهٗ ثُمَّ ضَرَبَهَا بِقَضِیْبَةٍ اَوْ بِقَصَبَةٍ حَتّٰی قَتَلَهَا....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۳۹۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد ابوالاحوص بیان کرتے ہیں کہ آپ کسی مقام پر خطبہ دے رہے تھے کہ انہوں نے ایک سانپ کو دیوار کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے خطبہ موقوف کر کے اس سانپ کو اپنی لاٹھی کے ساتھ ہلاک کر دیا اور پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے۔ مَنْ قَتَلَ حَیَّةً فَکَاَنَّمَا قَتَلَ رَجُلًا مُشْرِکًا قَدْ حَلَّ دَمُهٗ۔ کہ جس شخص نے سانپ کو مارا اس نے گویا ایک مشرک آدمی کو قتل کیا جس کا خون حلال تھا۔ سانپ ایک موذی جانور ہے۔ اگر تم اسکو نہیں مارو گے تو وہ موقع پا کر تم پر حملہ کر دیگا اور نقصان پہنچائے گا۔ موذی جانوروں کو احرام کی حالت میں حرم شریف میں مسجد میں غرضیکہ ہر جگہ اور ہر حالت میں مارنے کا حکم ہے۔ جس طرح کسی مشرک کو قتل کرنے پر بڑا اجر ملتا ہے۔ اسی طرح سانپ کو مارنے پر ثواب حاصل ہوتا ہے۔

دنیا کی آرام طلبی سے اجتناب

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ اضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی حَصِیْرٍ فَاَثَّرَ فِیْ جَنْبِہٖ فَلَمَّا اسْتَیْقَظَ جَعَلْتُ اَمْسَحُ جَنْبَہٗ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا اٰذَنْتَنَا حَتّٰی نَبْسُطَ لَکَ عَلَی الْحَصِیْرِ شَیْئًا ....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھجور کی بنی ہوئی چٹائی پر دراز ہوئے تو آپ کے پہلو اطہر پر چٹائی کے نشانات پڑ گئے۔ کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے تو میں نے آپ کے پہلو سے چٹائی کے نشانات کو صاف کیا اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا، اللہ کے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس چٹائی پر کوئی کپڑا، گدا، بستر وغیرہ بچھا دیا کریں تاکہ آرام کرتے وقت چٹائی کے نشانات آپ کے جسم پر نہ پڑیں اسکے جواب میں آپ نے فرمایا۔ مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا مَا اَنَا وَالدُّنْیَا۔ مجھے اس دنیا کے آرام و راحت سے کیا غرض۔ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَ مَثَلُ الدُّنْیَا کَرَاکِبٍ ظِلٍّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَ تَرَکَھَا۔ میری اور دنیا کی مثال تو اس سوار کی ہے جو تھوڑی دیر کے لیے کسی درخت کے سائے میں آرام کرتا ہے اور پھر آگے کوچ کر جاتا ہے مطلب یہ تھا کہ مجھے آرام طلبی سے کوئی زیادہ تعلق نہیں ہے۔

ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ کسی پوچھنے والے نے آپ سے پوچھا کہ جب حضور علیہ السلام آپ کے گھر ہوتے تو آپ ان کے آرام کے لیے کیا چیز بچھایا کرتی تھیں آپ نے بتایا کہ ہمارے پاس ایک ٹاٹ ہوتا تھا جو ہم حضور علیہ السلام کے آرام کے لیے بچھا دیتے تھے۔ کہتی ہیں کہ ایک روز میں نے یہ سوچ کر کہ اکہرے ٹاٹ پر آپ کو زیادہ آرام نہیں ملتا ہو گا، اس ٹاٹ کو دوہرا کر کے بچھا دیا مگر جب نبی علیہ السلام رات کے وقت اس ٹاٹ پر

سوئے تو آپکی رات کی نماز میں خلل واقع ہوگیا۔ صبح ہوئی تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے رات کو میرے لیے کیا چیز بچھائی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ وہی ٹاٹ تھا جو بالعموم آپ کے لیے بچھایا جاتا ہے، تاہم میں نے اسکو دوہرا کر دیا تھا تاکہ آپکو زیادہ آرام میسر آسکے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اسکو اسی حالت میں رہنے دو کیونکہ اسکی ہئیت بدلنے سے رات کو میری نماز میں خلل واقع ہوگیا ہے۔

اس واقعہ میں امت کے لیے یہ تعلیم ہے کہ دنیا میں آرام و راحت طلب کرنے والے مادیت پرست لوگ ہوتے ہیں اور اس مادیت پرستی نے امت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ امرا کی آرام پرستی نے ہی لوگوں کو حقوق سے محروم کیا ہے۔ انبیاء کا مشن تو یہ تھا کہ ذاتی آرام و راحت کو دنیا میں زیادہ سے زیادہ قربان کر دیا جائے اور اسے آخرت کے لیے باقی رکھا جائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عمرؓ کے واقعہ میں موجود ہے کہ جب حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کو کوئی نعمت میسر آتی تو اس سے استفادہ کرتے وقت خوفزدہ ہو جاتے کہ کہیں اللہ تعالیٰ قیامت والے دن یوں نہ کہہ دے اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا۔ تم نے تو اپنی طیبات کو دنیا کی زندگی میں ہی استعمال کر لیا، لہٰذا آج تمہارے لیے کچھ نہیں ہے اور اس طرح آخرت میں محرومی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ غرضیکہ ایک مومن آدمی کے لیے دنیا کا عیش و آرام کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

غزوہ حدیبیہ میں واپسی کا سفر

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا انْصَرَفْنَا مِنْ غَزْوَۃِ الْحُدَیْبِیَۃِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَحْرُسُنَا اللَّیْلَۃَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ فَقُلْتُ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ..... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۱)

اس حدیث میں سفر حدیبیہ سے واپسی کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے جو کہ ۶ھ میں پیش آیا تھا۔ حضور علیہ السلام چودہ یا پندرہ سو صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوئے مگر مشرکین نے حدیبیہ کے مقام سے آگے نہ جانے دیا پھر گفت وشنید کے بعد ایک معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے مسلمان بغیر عمرہ ادا کئے مدینہ کی طرف واپس روانہ ہو گئے یہ واقعہ اسی سفر کے دوران پیش آیا تھا۔ راستے میں حضور علیہ السلام نے ایک مقام پر قیام کیا آپ نے فرمایا آج رات پہرہ کون دیگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بار بار پوچھنے پر ہر بار میں نے ہی یہ کام انجام دینے کی پیش کش کی۔ آخر کار آپ نے فرمایا کہ اچھا تم پہرہ دو مگر میرا خیال ہے کہ تم سو جاؤ گے۔

حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ اس پہرے کا مقصد یہ تھا کہ پہریدار خود بیدار رہ کر صبح کی نماز کے لیے سب کو جگا دے۔ چنانچہ میں پہرہ دیتا رہا مگر جب صبح کا وقت قریب ہوا تو حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق میری آنکھ بھی لگ گئی اور ہم بیدار اس وقت ہوئے جب سورج اوپر نکل آیا یعنی ہم سورج کی تپش سے بیدار ہوئے۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اٹھے تو انہوں نے روزمرہ معمول کے مطابق پہلے طہارت کی، پھر وضو کیا۔ اسکے بعد صبح کی دو سنتیں ادا کیں اور پھر ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ اگرچہ یہ نماز بعد از وقت یعنی قضا تھی مگر آپ نے سنتیں بھی حسب معمول ادا کیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ کو

اَرَادَ اَنْ لَّا تَنَامُوْا لَكُمْ تَنَامُوْا۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں نہ سلانا چاہتے تو تم نہ سوتے مگر اس کی مشیت یہی تھی کہ یہ لوگ سو ہی جائیں تاکہ آئندہ پیش آنے والے مسائل کا حل بھی نکل سکے یعنی بعد والے لوگوں کو ایسا مسئلہ پیش آجائے تو انہیں کیا کرنا چاہیئے تو پھر جو آدمی سو جائے یا بھول کر اس کی نماز رہ جائے تو اسے اسی طرح کرنا چاہیئے کہ جب موقع ملے نماز ادا کر لے، اس سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی۔

اس مقام پر ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔ جب صحابہ کرامؓ سو گئے تو ان کی سواریوں کے اونٹ اور اونٹنیاں بھی اِدھر اُدھر چلی گئیں لوگ اپنے اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکلے اور انہیں پکڑ کر لے آئے مگر حضور علیہ السلام کی اونٹنی واپس نہ آئی۔ آپ نے حضرت عبداللہ سے فرمایا کہ فلاں جگہ پر جا کر میری اونٹنی کو تلاش کرو۔ جب آپ وہاں پہنچے تو اونٹنی واقعی اس جگہ پر موجود تھی۔ اس کی رسی کسی درخت میں الجھ کر رہ گئی تھی اور اونٹنی وہیں پھنسی ہوئی تھی۔ حضرت عبداللہ نے اونٹنی کی رسی درخت سے آزاد کی اور اونٹنی کو لیکر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر عرض کیا، حضور! آپکے ارشاد کیمطابق اونٹنی فلاں جگہ پر درخت کے ساتھ الجھی ہوئی تھی۔ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ نَبِیًّا لَقَدْ وَجَدْتُ زِمَامَهَا مُلْتَوِیًا عَلٰی شَجَرَةٍ اس ذات کی قسم جس نے آپکو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے، اونٹنی کی مہار درخت کیساتھ الجھی ہوئی تھی اور جب تک کوئی انسانی ہاتھ اس کو نہ کھولتا اونٹنی کا آزاد ہونا ممکن نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت حضور علیہ السلام پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝۔

بیشک ہم نے آپکو واضح فتح عطا فرمائی ہے گویا یہ سورۃ سفر حدیبیہ سے واپسی پر راستے میں نازل ہوئی جس میں بشارت دی گئی کہ معاہدہ حدیبیہ اگرچہ بظاہر مسلمانوں کے حق میں نہیں ہے مگر حقیقت میں یہ اسلام کی فتح مبین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں ان اہل ایمان کی تعریف بھی فرمائی ہے جو غزوہ حدیبیہ میں شامل تھے اللہ نے ان صحابہؓ کے عمل کو آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے نمونہ قرار دیا اگر بعد میں آنے والے لوگ بھی ان لوگوں کے نمونہ پر کام کریں گے، اللہ

کی رضا اور رسول کی اطاعت کو شعار بنائیں گے اور اپنے اندر ان صحابہؓ جیسی تنظیم پیدا کر لیں گے تو ان کی کامیابی یقینی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں یہ سہارا پروگرام تبلا دیا گیا ہے۔

مجرم پر حد کا اجرا

عَنْ اَبِیْ مَاجِدٍ قَالَ اَتٰی رَجُلٌ ابْنَ مَسْعُوْدٍ بِابْنِ اَخٍ لَّہٗ فَقَالَ اِنَّ ھٰذَا ابْنُ اَخِیْ وَ قَدْ شَرِبَ فَقَالَ عَبْدُاللّٰہِ لَقَدْ عَلِمْتُ اَوَّلَ حَدٍّ فِی الْاِسْلَامِ اِمْرَاَۃٌ سَرَقَتْ فَقُطِعَتْ یَدُھَا......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۳۹۱)

ابو ماجد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے بھتیجے کو ساتھ لیکر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے اور اس نے شراب پی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہنے لگے کہ میں جانتا ہوں کہ اسلام میں سب سے پہلی حد ایک عورت پر لگی تھی جس نے چوری کی تھی اور اسکا ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا۔ اس کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑی تکلیف ہوئی تھی اور آپ نے فرمایا تھا۔ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ کہ مدعیان کو معاف کردینا چاہیئے تھا اور درگزر کرنا چاہیئے تھا۔ کیا یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ انکے گناہ معاف کردے۔ اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ آپکا مطلب یہ تھا کہ چوری کے مقدمہ کو حتی الوسع عدالت تک نہیں لے جانا چاہیئے۔ بلکہ فریقین کو آپس میں کوئی تصفیہ کرلینا چاہیئے کیونکہ چوری کا مقدمہ جب عدالت میں پیش ہوجاتے تو پھر نہ تصفیہ ہوسکتا ہے اور نہ سزا میں رعایت دی جاسکتی ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں ایک شخص نے دوسرے کی چادر چوری کرلی۔ لوگوں نے چور کو پکڑ کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کردیا اس سے باز پرس کی گئی تو اس شخص نے چوری کا اقرار کرلیا حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس شخص کا ہاتھ کاٹ دیا جائے یہ سخت سزا سن کر چادر کا مالک کہنے لگا حضرت! میں اس شخص کو سزا دلوانے کے حق میں تو نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا ایسی بات پہلے کرنا چاہیئے تھی۔ اب تو مقدمہ پیش ہوکر فیصلہ ہوچکا ہے لہٰذا اب کوئی رعایت نہیں ہوسکتی۔ باقی

مقدمات میں تو کسی مرحلہ پر بھی رعایت کی گنجائش ہوتی ہے، مگر چوری کے کیس میں مقدمہ عدالت میں پیش ہو جانے کے بعد رعایت کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

شراب کا جو مقدمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نوٹس میں لایا گیا، آپ نے اس کے متعلق بھی یہی کہا کہ اس کو آگے نہ لیجاؤ بلکہ یہیں رفع دفع کر لو۔ آپکا مقصد یہی تھا کہ یہ شخص توبہ کر لے تو درگزر کر جاؤ۔

غم سے نجات دلانے والی دعا

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَصَابَ اَحَدًا قَطُّ ھَمٌّ وَّلَا حُزْنٌ فَقَالَ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَ ابْنُ عَبْدِكَ وَ ابْنُ اَمَتِكَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَآؤُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ ھُوَ لَكَ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَكَ اَوْ عَلَّمْتَہٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوْ اَنْزَلْتَہٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَ نُوْرَ صَدْرِیْ وَجِلَاءَ حُزْنِیْ وَ ذَھَابَ ھَمِّیْ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو کوئی غم و فکر لاحق ہو جائے۔ وہ ان الفاظ کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں دعا کرے تو اللہ تعالےٰ اسکے تمام غم و فکر کو دور فرما دیگا دعا کے الفاظ یہ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ... وَذَھَابَ ھَمِّیْ۔ اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور بندی کا فرزند ہوں۔ میری پیشانی تیرے قبضہ قدرت میں ہے میرے اندر تیرا فیصلہ عدل و انصاف ہے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہر اس نام کے واسطے سے جس کے ساتھ تو نے اپنا نام رکھا ہے یا وہ نام تو نے اپنی کسی کتاب میں نازل فرمایا ہے۔ یا اس نام کو تو نے اپنے پاس ہی علم غیب میں رکھا ہے اور کسی کو بتلایا نہیں۔ میں تجھ سے اس نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ قرآن کو میرے دل کی بہار بنا دے، میرے سینے کا نور بنا دے اور میرے غموں اور فکروں کو دور کرنے والا بنا دے۔

فرمایا جو ان الفاظ کے ساتھ دعا کریگا، اللہ تعالےٰ اس کے غم و اندیشے کو دور فرما دیگا اور اس کے لیے کشادگی پیدا کر دیگا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور! یہ دعا سیکھ کر کیا ہم آگے دوسرے

لوگوں کو نہ بتلائیں؟ فرمایا بَلٰی یَنۡبَغِیۡ لِمَنۡ سَمِعَهَا اَنۡ یَتَعَلَّمَهَا کیوں نہیں؟ جو شخص بھی اس کو سنے اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ اسے سیکھ لے دوسروں تک بھی پہنچائے یہ ایسی بابرکت دعا ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اسکو عام کیا جائے۔

بنی اسرائیل کے کردار سے عبرت حاصل کرو

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَقَعَتْ بَنُوْا اِسْرَائِیْلَ فِی الْمَعَاصِیْ نَھَتْھُمْ عُلَمَاءُ ھُمْ فَلَمْ یَنْتَھُوْا فَجَالَسُوْھُمْ فِیْ مَجَالِسِھِمْ وَ اَسْوَاقِھِمْ وَ وَاکَلُوْھُمْ وَ شَارَبُوْھُمْ فَضَرَبَ اللّٰہُ قُلُوْبَ بَعْضِھِمْ بِبَعْضٍ وَ لَعَنَھُمْ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو ابتدا میں انکے علماء نے انہیں گناہ کی زندگی گزارنے سے منع کیا۔ مگر جب وہ لوگ معاصی سے باز نہ آئے تو علماء بھی ان کی مجلسوں اور انکے بازاروں میں بیٹھنے لگے اور انہی کے ساتھ کھانا پینا شروع کر دیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے بعض کے دلوں کو بعض کے ساتھ خلط ملط کر دیا اور اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسٰی ابن مریم علیہما السلام کی زبانوں سے ان پر لعنت بھیجی۔ مطلب یہ ہے کہ عوام الناس تو گناہوں میں ملوث تھے ہی۔ انکے علماء بھی ایک آدھ دفعہ ـــــ کے بعد انہی کے ہم نوالہ اور ہم پیالا بن گئے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دیا اور عوام کو راہ راست پر لانے کی بجائے خود بھی انہی کے راستے پر چل نکلے۔ جب حالت یہ ہو گئی کہ برائی سے روکنے والا ہی کوئی نہ رہا تو اللہ تعالےٰ نے اس قوم پر اپنے جلیل القدر انبیاء کے ذریعے لعنت بھیجی۔ اللہ نے قرآن پاک میں علمائے بنی اسرائیل کی بھی مذمت بیان کی ہے کہ ان کے علماء اور بزرگ انکو برائی سے منع کیوں نہیں کرتے اور خود ان کے ساتھ برائی میں کیوں شریک ہو گئے ہیں؟ فرمایا ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ (البقرہ - ۶۱) یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ نافرمانی کرنے لگے تھے۔

اور حد سے بڑھ گئے تھے۔ اس لعنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل کو دنیا میں بھی حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے زمانہ میں سزا ملی اللہ نے ان کی شکلیں تبدیل کر دیں اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

جب حضور علیہ السلام یہ بات بیان کر رہے تھے تو آپ نے تکیہ لگا رکھا تھا پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اے لوگو! تمہارا بھی فرض ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ بنی اسرائیل کی طرح تم بھی انہی کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اگر ایسا ہوا تو تمہارا حشر بھی بنی اسرائیل کے لوگوں سے مختلف نہیں ہوگا۔

طلوعِ فجر سے قبل اور بعد کی اذان

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّ اَحَدَكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ مِنْ سُحُوْرِهٖ فَاِنَّهٗ اِنَّمَا يُنَادِىْ اَوْ قَالَ يُؤَذِّنُ لِيَرْجِعَ قَائِمُكُمْ وَيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ ... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے لوگو! بلالؓ کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روک دے کیونکہ وہ تو محض اس لیے پکارتا ہے یا اذان دیتا ہے کہ تم میں سے جو قیام کرنے والے یعنی نماز پڑھنے والے ہیں وہ نماز ختم کر کے سحری کھا لیں اور جو سوئے ہوئے ہیں وہ بھی بیدار ہو کر سحری کے کھانے کا انتظام کرلیں اس اعلان کی ضرورت ماہ رمضان میں خاص طور پر محسوس ہوئی تھی۔ حضور علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ لوگ بلالؓ کی اذان کو فجر کی اذان سمجھ کر سحری کھانا ترک نہ کردیں بلکہ یہ اذان فجر کی اذان سے پہلے ہوتی تھی۔ تاکہ لوگ نوافل وغیرہ کو ختم کردیں یا جو ابھی تک سوئے ہوئے ہیں وہ بیدار ہو جائیں اور روزہ رکھنے کی تیاری کرلیں۔ تاہم یہ عام دستور نہیں تھا۔

طلوع فجر سے پہلے اذان دینے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ کوئی خلل واقع ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ مثلاً لوگ اسکو فجر کی اذان سمجھ کر اگر نماز پڑھ لیں گے تو وہ تو قبل از وقت ہوگا اور نماز ادا نہیں ہوگی۔ ہاں اگر لوگوں کو پہلے سمجھا دیا جائے کہ اس اذان کا یہ مقصد ہے تو پھر یہ اذان کہی جا سکتی ہے۔

پھر حضور علیہ السلام نے دونوں اذانوں کے اوقات کا ذکر ہاتھ کے اشارہ سے کیا۔ فرمایا

یعنی ھٰکَذَا آسمان پر ایک سفیدی فجر سے عموداً نظر آتی ہے یہ طلوع فجر کی علامت نہیں بلکہ اسکے بعد ھٰکَذَا دوسری سفیدی افق پر پھیلتی ہے، اصل میں یہ صبح صادق ہوتی ہے۔ جو آذان اس پر دی جاتی ہے، وہ نماز فجر کی آذان ہوتی ہے۔ اور اسکے بعد فجر کی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

آخرت کی رفاقت کا دارومدار

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
قَالَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس کے ساتھ اس کی محبت ہو گی اس سے مراد آخرت کی رفاقت ہے کہ دنیا میں جس قسم کے لوگوں کے ساتھ کوئی شخص محبت رکھتا تھا، آخرت میں اسکا حشر انہی لوگوں کے ساتھ ہو گا۔ اب ہر شخص کو اپنا جائزہ خود لے لینا چاہیئے کہ اس دنیا کی زندگی میں اسکا میل ملاپ دینداروں کے ساتھ ہے یا بے دینوں، کافروں، مشرکوں، فاسقوں اور یہودیوں کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ اگر دنیا میں اس کی محبت اہل اللہ کے ساتھ ہے تو آخرت میں وہ انہی کے ساتھ جنت میں ہو گا اور اگر اس دنیا کی زندگی اس نے خرافات میں بسر کردی ہے اور اس کی نشست و برخاست بُرے لوگوں کے ساتھ رہی ہے تو آخرت میں انہی کیساتھ سزا پائیگا۔

* * *

کلمات استغفار کی کثرت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ کَانَ مِمَّا یُکْثِرُ اَنْ یَّقُوْلَ سُبْحَانَکَ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ..........الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اکثر اپنی زبان مبارک سے یہ کلمات ادا فرماتے تھے سُبْحَانَکَ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ تیری ذات پاک ہے اے ہمارے پروردگار اور تیرے لیے تعریف ہے اے اللہ ہماری لغزشوں کو معاف فرما دے۔ کہتے ہیں کہ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ۔ (سورۃ النصر) تو آپ نے مذکورہ کلمات میں ان الفاظ کا اضافہ فرمالیا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ بیشک تو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سورۃ نصر کا نزول حضور علیہ السلام کے دنیا سے رخصت ہونے کا اعلان تھا۔ یعنی آپ کی بعثت کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ اللہ کی مدد آگئی ہے اور اب فتح بھی حاصل ہو گی۔ اسلام کا نظام قائم ہو گیا ہے، لہٰذا آپ عنقریب اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔ چنانچہ آپ استغفار کے کلمات کثرت سے اپنی زبان سے ادا فرماتے تھے۔

حضور علیہ السلام کا تعلیم کردہ خطبہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَّمَنَا خُطْبَةَ الْحَاجَةِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا.....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۹۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ضرورت کا خطبہ سکھایا یعنی جب نکاح کرنا ہو یا کوئی اور ضرورت پیش آجائے تو اس وقت یہ خطبہ پڑھنا چاہیئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

سب تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لیے ہیں۔ ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور جسے وہ راہ سے دور کر دے اسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی اس طریقے سے حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام يَقْرَأُ ثَلَاثَ اٰيَاتٍ یہ تین آیات تلاوت فرماتے۔

۱۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے

اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ۝	سوائے اسکے کہ تم فرمانبردار ہو۔
۲۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ	اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اس سے اسکا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و زن پھیلا دیئے۔
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝ (النساء - ۱)	اور خدا تعالےٰ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم سوال کرتے ہو۔ اور قرابتوں سے (خبردار رہو) بیشک اللہ تعالےٰ تمہارے اوپر نگہبان ہے۔
۳۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۙ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝ (الاحزاب ۷۱،۷۰)	اے ایمان والو! خدا تعالےٰ سے ڈرو، اور سیدھی بات کہا کرو۔ وہ تمہارے سب اعمال درست کر دیگا، اور تمہارے گناہ بخش دیگا۔ اور جو شخص خدا اور اسکے رسول کی اطاعت کرے گا تو بیشک وہ بڑی مراد پائیگا۔

فرمایا یہ خطبہ پڑھنے کے بعد ثُمَّ تَذْكُرُ حَاجَتَكَ پھر متعلقہ بات چیت کرو۔ یعنی نکاح کا موقع ہے تو اسکے متعلق یا کوئی اور ضرورت ہے تو اسکے متعلق بات چیت کرو۔

حضور علیہ السلام کیساتھ قریش کی بدسلوکی

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ بَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ وَحَوْلَہٗ نَاسٌ مِنْ قُرَیْشٍ اِذْ جَاءَ عُقْبَۃُ بْنُ اَبِیْ مُعَیْطٍ بِسَلَاجَزُوْرٍ فَقَذَفَہٗ عَلٰی ظَہْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔۔۔۔الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۳۹۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ مکی دور میں حضور علیہ السلام خانہ کعبہ کے پاس نماز ادا کر رہے تھے اور قریش کے لوگ آپکے ارد گرد جمع تھے۔ آپ سجدے کی حالت میں تھے کہ اتنے میں سرداران قریش میں سے عقبہ ابن ابی معیط آیا۔ یہ بڑا موذی قسم کا آدمی تھا اسکے ہاتھ میں اونٹ کی الائش تھی۔ سلاجزور دراصل اس جھلی کو کہتے ہیں جس میں دوران حمل بچہ پرورش پاتا ہے اور پھر مقررہ مدت کے بعد یہ جھلی پھٹ جاتی ہے تو بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آجاتا ہے اور یہ جھلی بعد میں پیٹ سے خارج ہو جاتی ہے۔ عقبہ بن ابی معیط اونٹ کی یہی جھلی لیکر آیا اور سجدے کی حالت میں نبی علیہ السلام کی پشت پر رکھ دی۔ فَلَمْ یَرْفَعْ رَاْسَہٗ۔ آپ نے اپنا سر مبارک ابھی سجدے سے نہیں اٹھایا تھا کہ فَجَاءَتْ فَاطِمَۃُ آپکی بیٹی فاطمہؓ آگئیں۔ اس وقت یہ ابھی چھوٹی بچی تھیں۔ فَاَخَذَتْہُ مِنْ ظَہْرِہٖ آپ نے وہ الائش حضور علیہ السلام کی پشت مبارک سے اٹھائی وَدَعَتْ عَلٰی مَنْ صَنَعَ ذٰلِکَ اور اس بدبخت کیخلاف بددعا کی جس نے یہ قبیح حرکت کی تھی۔ اے اللہ! اس قسم کی فضول حرکت کرنیوالوں کو ذلیل و خوار کر۔ یہ بدبخت نماز کی حالت میں بھی آپ کو اذیت پہنچانے سے باز نہیں آتے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو آپنے ان مشرکین کے حق میں فرمایا اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ الْمَلَاَ مِنْ قُرَیْشٍ قریش کے ان بڑے بڑے

سرداران ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط، امیہ بن خلف یا ابی بن خلف پر گرفت فرما۔ یہ مجھے نماز بھی سکون کیساتھ نہیں پڑھنے دیتے۔ دوسری روایت میں عمارہ ابن ولید کا نام بھی آتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں یہ تمام سرداران قریش جنگ بدر میں مارے گئے اور ان کی لاشیں پرانے کنویں میں پھینک دی گئیں۔ امیہ یا ابی ابن خلف کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے، انکو کنویں میں نہیں پھینکا گیا تھا اللہ نے انکو اسی دنیا میں سزا دے دی۔

حمد کے بعض پاکیزہ کلمات

عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عُبَیْدَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُکْثِرُ اَنْ یَّقُوْلَ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ۔۔۔۔۔ الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہ کلمات کثرت سے اپنی زبان مبارک سے ادا فرماتے تھے۔ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ۔ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ساتھ تیری تعریفوں کے۔ اے اللہ! مجھے معاف کر دے کہتے ہیں کہ پھر جب سورۃ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ۔ نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام کثرت سے یوں پڑھنے لگے۔ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ۔ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ساتھ تیری تعریفوں کے۔ اے اللہ مجھے معاف کر دے بیشک تو توبہ قبول کرنے والا ہے۔

وقوف عرفہ اور مزدلفہ

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ حَجَجْنَا مَعَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فِيْ خِلَافَةِ عُثْمَانَ قَالَ فَلَمَّا وَقَفْنَا بِعَرَفَةَ قَالَ فَلَمَّا غَابَتِ الشَّمْسُ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لَوْ اَنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَفَاضَ الْاٰنَ كَانَ قَدْ اَصَابَ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت ا جلد صفحہ ۴۱۰)

حضرت عبدالرحمٰن ابن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں حج کیا۔ کہتے ہیں کہ جب ہم نے نویں تاریخ کو وقوفِ عرفہ کیا اور پھر وہیں سورج غروب ہو گیا تو ابن مسعودؓ کہنے لگے کہ اگر امیر المومنین اس وقت یہاں سے افاضہ کرتے یعنی مزدلفہ کی طرف چل پڑتے تو بہتر ہوتا۔ کہتے ہیں کہ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے اسی وقت وہاں سے افاضہ شروع کر دیا۔ مسئلہ بھی یہی ہے کہ جب میدان عرفات میں سورج غروب ہو جاتے تو وہاں مغرب کی نماز نہ پڑھو بلکہ فوراً مزدلفہ کی طرف چل پڑو۔

راوی بیان کرتا ہے کہ پھر لوگوں نے اپنی اپنی سواریاں دوڑائیں مگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی سواری کو درمیانی چال پر ہی رکھا۔ جب مزدلفہ پہنچے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی۔ پھر متصلاً کہنے لگے کہ رات کا کھانا لاؤ۔ کھانا پیش کیا گیا جو آپ نے تناول فرمایا۔ پھر فوراً کھڑے ہو کر آپ نے عشاء کی نماز پڑھی اور درمیان میں سنن، نوافل وغیرہ نہیں پڑھے صرف کھانا کھایا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھی جاتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے درمیان میں جو کھانا کھایا، وہ بھی شدید بھوک کی وجہ سے ہو سکتا ہے، ورنہ عام طور پر کھانا بھی نہیں کھایا جاتا۔

کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد لیٹ گئے۔ پھر طلوع فجر کے وقت اٹھے اور فجر کی نماز اولین وقت میں ادا کی۔ شاگردوں نے عرض کیا کہ آپ عام

طور پر تو اتنی سویرے صبح کی نماز نہیں پڑھتے تو کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقام پر اسی طرح جلدی نماز پڑھتے دیکھا ہے نماز کے بعد مزدلفہ میں وقوف کرنا بھی واجب ہے اور حتی الامکان اسکو ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ نماز کے بعد وہاں دعا کریں اور پھر طلوعِ شمس سے قبل ہی وہاں سے منیٰ کی طرف چل پڑنا چاہیئے کہ سنت یہی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔

نمازِ عشاء کے بعد قصّہ گوئی کی مذمت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَدَبَ اِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ السَّمَرَ بَعْدَ الْعِشَاءِ قَالَ خَالِدٌ مَعْنٰی جَدَبَ اِلَیْنَا یَقُوْلُ عَابَہٗ وَ ذَمَّہٗ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۴۱۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کے بعد قصّہ گوئی کو برا منایا ہے اور اس کی مذمت بیان کی ہے۔ عشاء کی نماز کے بعد لیٹ جانا چاہیئے تاکہ جس شخص نے رات کو تہجد کی نماز کے لیے اٹھنا ہے اسے آرام کا موقع مل جائے یا کوئی شخص کم از کم فجر کی نماز سے تو نہ رہ جائے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد عام گفتگو کرنے کی اجازت نہیں۔ ہاں اگر کسی نے نماز پڑھنی ہے تو اسکے لیے گفتگو کر سکتا ہے یا کوئی مسافر ہے یا مہمان ہے اور اسے اپنی بعض ضروریات کے لیے بات چیت کرنا ہے تو وہ بھی کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ خاوند کو اپنی بیوی کے ساتھ بھی اشتغالیہ گفتگو کرنے کی اجازت ہے اہل علم علمی مذاکرہ میں حصّہ لے سکتے ہیں۔ البتہ داروں اور تکیوں میں بیٹھ کر فضول گفتگو کرنا یا سینما میں چلے جانا، ریڈیو اور ٹی وی کے سامنے آدھی آدھی رات تک بیٹھ کر فضول گفتگو سننا ہرگز پسندیدہ نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے بالعموم فجر کی نماز میں کوتاہی آتی ہے۔ اور تہجد گزار تو لازماً تہجد سے محروم رہ جائیگا۔ بہرحال حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد قصّہ گوئی کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

دوسرے سجدہ کے بعد سیدھا کھڑا ہو جانا

قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عُبَيْدَةَ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ كَاَنَّهُ عَلَى الرَّضْفِ قُلْتُ حَتّٰى يَقُوْمَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فرزند ابو عبیدہ روایت کرتے ہیں کہ انکے والد گرامی نے بیان کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں میں تیزی سے اٹھ جاتے تھے جیسا کہ کسی آدمی کا پاؤں گرم پتھر پر آجائے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے نہیں تھے بلکہ فوراً کھڑے ہو جاتے تھے۔ دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ کرتے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کے لیے جلسہ استراحت کر کے پھر اٹھتے۔ امام ابو حنیفہؒ جلسہ استراحت والی احادیث کو ان معنی پر محمول کرتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام کا جسم مبارک بھاری ہو گیا تھا تو آپ جلسہ استراحت بھی کرتے تھے اور یہ عذر کی بنا پر تھا۔ چنانچہ آپ کثرت سے بیٹھ کر بھی نماز پڑھتے تھے خاص طور پر عمر کے آخری دو سال حضور صلے اللہ علیہ وسلم نوافل بیٹھ کر ہی پڑھتے رہے۔ تاہم عام قانون یہی ہے کہ دوسرا سجدہ کیا اور فوراً اٹھ کھڑے ہوں جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

جھوٹ کسی صورت روا نہیں

عَنْ اَبِی اَحْوَصَ قَالَ کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ یَقُوْلُ اِنَّ اَلْکَذِبَ لَا یَصْلُحُ مِنْہُ جِدٌّ وَلَا ھَزْلٌ وَ قَالَ عَفَّانُ مَرَّۃً جِدٌّ وَلَا یَعِدُ الرَّجُلُ صَبِیًّا ثُمَّ لَا یُنْجِزُ لَہٗ قَالَ وَ اِنَّ مُحَمَّدًا قَالَ لَنَا لَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَصْدُقُ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ صِدِّیْقًا وَلَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَکْذِبُ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ کَذَّابًا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۴۱۰)

ابو احوص بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ جھوٹ نہ تو سنجیدگی میں روا ہے اور نہ ٹھٹھے مخول میں۔ جھوٹے آدمی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ ایک آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اسکو سچا اور راست باز لکھ دیا جاتا ہے۔ اور ایک آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اسکو کذّاب لکھ دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ سچ بولنے کی عادت ڈالنی چاہیئے اور جھوٹ سے گریز کرنا چاہیئے۔ سنجیدگی ہو یا مذاق ہمیشہ سچ ہی کو اختیار کرنا چاہیئے۔

روح کی حقیقت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ بَیْنَمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَرْثٍ مُتَوَکِّئًا عَلٰی عَسِیْبٍ فَقَامَ اِلَیْہِ نَفَرٌ مِنَ الْیَھُوْدِ فَسَأَلُوْہُ عَنِ الرُّوْحِ فَسَکَتَ ثُمَّ تَلَا ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ عَلَیْھِمْ یَسْاَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ مدینہ کی سرزمین میں ایک کھیت میں تھا جبکہ آپ نے کھجور کی ایک لاٹھی کے ساتھ ٹیک لگا رکھی تھی۔ اس دوران میں کچھ یہودی آپ کے پاس آکھڑے ہو گئے اور انہوں نے روح کی حقیقت کے متعلق سوال کیا۔

آپ تھوڑی دیر کے لیے خاموش رہے اور پھر سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (آیت - ۸۵) یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمہیں اس بارے میں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

غدار کی پشت میں جھنڈا

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت والے دن ہر غدار آدمی کی پشت میں جھنڈا گڑھا ہو گا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ کوئی شخص جتنا بڑا غدار ہو گا اس کا جھنڈا بھی اتنا ہی اونچا ہو گا اور اتنی ہی زیادہ اس کی رسوائی ہو گی۔

حضور علیہ السلام کا اخلاق عالیہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کُنَّا یَوْمَ بَدْرٍ ثَلَاثَۃً عَلٰی بَعِیْرٍ کَانَ اَبُوْ لُبَابَۃَ وَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ زَمِیْلَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.......الخ

(مسند احمد طبع بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر ہمارے پاس سواریاں کم تھیں یہاں تک کہ ہم تین تین آدمی ایک ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ حضرت ابو لبابہؓ اور علیؓ ابن ابی طالب ایک اونٹ پر حضور علیہ السلام کے ساتھی تھے۔ ان دونوں صحابیوں نے عرض کیا حضور! آپ ہماری باری بھی لے لیں اور مسلسل اونٹ پر سوار رہیں، ہم آپ کے ساتھ پیدل چلیں گے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تم دونوں سے اجر وثواب میں مستغنی نہیں ہوں یعنی مجھے بھی ثواب کی ضرورت ہے لہذا میں اکیلے سوار نہیں ہونگا بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح ہم بھی باری باری سوار ہونگے۔

اس میں امت کے لیے بہت بڑی تعلیم بھی ہے اور حضور علیہ السلام کا اخلاق مبارک بھی واضح ہوتا ہے۔ یہ اسلام کی اعلیٰ قدروں کا نتیجہ ہے کہ امیر لشکر اور اللہ کے آخری نبی بھی دیگر مجاہدین کی طرح اونٹ پر اپنی باری کے مطابق سوار ہوتے ہیں اور باقی عرصہ پیدل چلتے ہیں۔

مسلمان کو گالی دینے اور قتل کرنے کی مذمت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُہٗ کُفْرٌ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو گالی دینا اللہ تعالےٰ کی نافرمانی ہے اور کبیرہ گناہ میں داخل ہے۔ نیز ایک مسلمان سے لڑنا یا اسے قتل کرنا کفر کی بات ہے ایک مسلمان تو دوسرے مسلمان کی جان کا محافظ ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ خود اسکی جان کے درپے ہو۔ یہ مسلمان کا نہیں بلکہ کافر کا شیوہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیش قیمت دعا

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ التُّقٰی وَالْھُدٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ التُّقٰی وَالْھُدٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی اے اللہ! میں تجھ سے تقویٰ، ہدایت، پاکدامنی اور غنیٰ کا سوال کرتا ہوں۔ مولا کریم! تو جس طریقے سے چاہے مجھے مستغنی بنا دے۔

✱

گائے بیل کی زکوٰۃ

عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ صَدَقَۃِ الْبَقَرِ اِذَا بَلَغَ الْبَقَرُ ثَلَاثِیْنَ فِیْھَا تَبِیْعٌ مِنَ الْبَقَرِ جَذَعٌ اَوْ جَذَعَۃٌ حَتّٰی تَبْلُغَ اَرْبَعِیْنَ فَاِذَا بَلَغَتْ اَرْبَعِیْنَ فَفِیْھَا بَقَرَۃٌ مُسِنَّۃٌ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۴۱۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے گائے بیل کی زکوٰۃ کے متعلق مکتوب لکھوایا جس میں فرمایا کہ گائے بیل کی زکوٰۃ کا نصاب تیس ہے یعنی اس سے کم تعداد میں زکوٰۃ نہیں۔ جب یہ تعداد تیس تک پہنچ جائے اور جانوروں نے سال کا اکثر حصّہ چر کر گزارہ کیا ہو تو ان پر ایک بچھڑا زکوٰۃ لازم ہے اور جب یہ تعداد چالیس تک پہنچ جائے تو پھر دو دانت والا (دو یا تین سال کا بچھڑا) زکوٰۃ کے طور پر ادا کیا جائے۔

حضور علیہ السلام سے قرآن کی براہِ راست تعلیم

عَنْ شَقِيْقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ خَطَبَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ لَقَدْ اَخَذْتُ مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضْعًا وَّسَبْعِيْنَ سُوْرَةً۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۱)

حضرت شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ہمیں خطاب کیا جس میں فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ستر؁ سورتیں سن کر یاد کی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کی کل ایک سو چودہ سورتوں میں سے ستر سورتیں حضور علیہ السلام نے خود مجھے پڑھائی ہیں۔ بلاشبہ یہ بہت بڑی فضیلت کی بات ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اتنی سورتیں حضور علیہ السلام سے براہِ راست سیکھیں۔

قرآن کی تیز قرأت ناپسندیدہ ہے

حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ زِرٍّ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِابْنِ مَسْعُوْدٍ كَيْفَ تَعْرِفُ هٰذَا الْحَرْفَ مَاءٍ غَيْرِ يَاسِنٍ اَمْ اٰسِنٍ فَقَالَ كُلَّ الْقُرْاٰنِ قَدْ قَرَأْتَ قَالَ اِنِّيْ لَاَقْرَأُ الْمُفَصَّلَ اَجْمَعَ فِيْ رَكْعَةٍ وَاحِدَةٍ فَقَالَ اَهٰذَا الشِّعْرُ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۴۱۲)

حضرت عاصم زرؒ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے دریافت کیا کہ قرآن پاک کا یہ لفظ کیسے پڑھا جاتا ہے۔ مَاءٍ غَيْرِ يَاسِنٍ یا غَيْرِ اٰسِنٍ۔ آپ اس شخص کی ذہنیت کو جانتے تھے۔ فرمایا کیا تو نے سارا قرآن کریم پڑھا ہے۔ کہنے لگا ہاں! میں تو ایک رکعت میں ساتویں منزل ساری پڑھ جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر تم قرآن کو شعر گوئی کی طرح پڑھتے ہو گے۔ اسکو سمجھتے سمجھاتے نہیں ہو گے۔ قرآن کا اس طرح پڑھنا چنداں مفید نہیں ہے۔ میں نے خود حضور علیہ السلام کو دیکھا ہے کہ آپ ایک ایک رکعت میں ساتویں منزل کی دو سورتیں تلاوت فرماتے تھے اگر دس رکعت نماز پڑھی ہے تو کُل بیس سورتیں پڑھ لیں۔ مگر تم تو تیزی کے ساتھ اشعار کی طرح قرآن پڑھتے ہو۔ یہاں آمدہ لفظ مَاءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ سے مراد جنت کی نہروں کا وہ پانی ہے جو کبھی بدبودار نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ تروتازہ اور پاکیزہ رہے گا۔

فعل زنا میں اعضاء و جوارح کی شرکت

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اَلْعَیْنَانِ تَزْنِیَانِ وَالْیَدَانِ تَزْنِیَانِ وَالرِّجْلَانِ تَزْنِیَانِ وَالْفَرْجُ یَزْنِیْ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۱۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگو! بیشک آدمی کی آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور اسکے ہاتھ اور پاؤں بھی اس قبیح فعل میں ملوث ہوتے ہیں۔ اور اسکے اعضائے مستورہ تو بہرحال زنا کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اعضاء و جوارح کو برائی کے کاموں میں استعمال کرتا ہے تو ان میں بھی وہی برائی پائی جاتی ہے آنکھوں سے غلط چیز پر نگاہ ڈالتا ہے۔ ہاتھوں سے غلط کام کرتا ہے پاؤں سے چل کر برائی کیلیے جاتا ہے تو یہ سب اعضاء برائی میں ملوث سمجھے جائیں گے اور یہ بھی کسی حد تک زنا کے مرتکب ہونگے جبکہ انسان کی شرمگاہ تو براہ راست اس شنیع فعل کی مرتکب ہوتی ہے۔ موطا شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آنکھیں ہاتھ اور پاؤں بھی زنا کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن یہ صغیرہ گناہ ہے جس کا قانون یہ ہے کہ انسان کے نیکی کے کام کرنے سے یہ خود بخود معاف ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے فرمایا کہ جب انسان وضو کرتا ہے تو اسکے منہ ہاتھوں اور پاؤں کے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں تاہم اعضائے مستورہ نے جو زنا کا ارتکاب کیا ہے وہ کبیرہ گناہ ہے جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا۔ بہرحال اعضائے مستورہ کے علاوہ انسان کے دیگر اعضاء و جوارح بھی عمل زنا میں شریک سمجھے جاتے ہیں۔ اگرچہ انکا درجہ کم ہوتا ہے۔

تارکین جمعہ کیلئے سزا کی تجویز

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ یَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَۃِ لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلًا یُّصَلِّیْ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُحَرِّقَ عَلٰی رِجَالٍ یَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَۃِ بُیُوْتَھُمْ

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۴۶۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں کسی شخص کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر دوں اور اُن لوگوں کے گھروں کو جاکر جلا ڈالوں جو بلا عذر نماز جمعہ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تارکین جمعہ خود بھی گھروں کے اندر ہی جل کر بھسم ہو جائیں گے۔ جمعہ کے تارکین کے لیے حضور علیہ السلام کی یہ سخت ترین وعید ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس آدمی نے تین جمعے بلا عذر ترک کر دیئے اس کا نام منافقوں کے رجسٹر میں درج کر دیا جاتا ہے اس کو مخلص مومنوں کی فہرست سے ہی خارج کر دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جمعہ کا اہتمام دیگر فرض نمازوں سے زیادہ ہے اور اس کے تارکین کے لیے وعید بھی اتنی ہی زیادہ ہے۔

مزدلفہ کے مقام پر نمازِ فجر کا وقت

قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ قَالَ حَجَّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَاَمَرَنِيْ عَلْقَمَةُ اَنْ اَلْزَمَهُ فَلَزِمْتُهُ فَكُنْتُ مَعَهُ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ فَلَمَّا كَانَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ قَالَ اَقِمْ فَقُلْتُ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اِنَّ هٰذِهِ لَسَاعَةٌ مَا رَاَيْتُكَ صَلَّيْتَ فِيْهَا قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُصَلِّيْ هٰذِهِ السَّاعَةَ اِلَّا هٰذِهِ الصَّلٰوةَ فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ مِنْ هٰذَا الْيَوْمِ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۶۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد بیان کرتے ہیں کہ وہ حج کے موقع پر ان کے ساتھ تھے۔ مزدلفہ کے مقام پر جب فجر طلوع ہوئی تو حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ اٹھو نماز پڑھیں۔ شاگرد نے عرض کیا حضور! آپ تو عموماً اتنی جلدی یہ نماز نہیں پڑھا کرتے بلکہ ذرا روشنی ہو جانے پر ادا کرتے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس دن، اس مقام (مزدلفہ) میں یہ نماز اسی وقت ادا فرمایا کرتے تھے۔ گویا یہاں نماز پڑھنے کا یہی وقت ہے۔ حج کے موقعہ پر ایک تو مغرب کی نماز میدانِ عرفات یا مزدلفہ آتے ہوئے راستہ میں پڑھنے کا حکم نہیں بلکہ مزدلفہ پہنچ کر عشاء کی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھنے کا حکم ہے اور دوسرے یہ فجر کی نماز طلوعِ فجر کے ساتھ ہی پڑھنے کا حکم ہے تاکہ اس کے بعد وقوفِ مزدلفہ کر کے منیٰ کی طرف طلوعِ شمس سے پہلے روانہ ہو سکیں۔ یہ وقوف واجباتِ حج میں سے ہے۔ لہٰذا یہ نماز جلدی پڑھنے کا حکم ہے۔

مسلمان اور کفار مکہ دربار نجاشی میں

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی النَّجَاشِیِّ وَنَحْنُ نَحْوٌ مِّنْ ثَمَانِیْنَ رَجُلًا ..... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۶۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس روایت میں ہجرت حبشہ کا واقعہ بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ جب مکہ میں مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور کفار نے ان کا جینا دوبھر کر دیا تو حضور علیہ السلام نے ہمیں حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔ کہتے ہیں کہ ہم اسی آدمی مہاجرین کی اس جماعت میں شامل تھے۔ اس سے قبل ایک چھوٹا گروہ بھی حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جا چکا تھا جس میں حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضور علیہ السلام کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ بھی شامل تھیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس دوسرے گروہ میں میرے علاوہ اکابر صحابہؓ میں سے حضرت جعفرؓ (حضرت علی کے بڑے بھائی) عبداللہ بن عرفطہؓ، عثمان بن مظعونؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ بھی شامل تھے۔ دراصل ابوموسیٰ اشعریؓ اس گروہ مہاجرین کے ساتھ مکہ سے روانہ نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ اپنے علاقہ یمن سے سیدھے حبشہ پہنچ کر اس مکی گروہ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ یہ بھی حادثاتی طور پر ہوا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اپنے علاقہ میں ایمان قبول کر چکے تھے۔ پھر یہ پچاس افراد کے گروہ کے ساتھ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بحری سفر تھا طوفان نے انکی کشتی کو جدہ کی طرف لانے کی بجائے حبشہ کے ساحل پر پہنچا دیا اور پھر ان کو مجبوراً وہیں اترنا پڑا۔ وہاں پر مکے کے مسلمان مہاجرین پہلے سے موجود تھے۔ ان کے ساتھ ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس گروہ کو بھی وہیں ٹھہرنے کی پیش کش کر دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ پھر جب حضور علیہ علیہ السلام مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے تو یہ لوگ بھی حبشہ سے سیدھے مدینہ پہنچ گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم حبشہ کی سرزمین میں پہنچے تو مکہ والوں نے وہاں بھی ہمارا پیچھا کیا۔ انہوں نے عمروؓ بن العاص اور عمارہ بن ولید پر مشتمل ایک وفد تحفے تحائف دیکر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ مسلمانوں پر حبشہ کی سرزمین بھی تنگ کردیں اور اس مقصد کے لیے نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا سکیں۔ کہتے ہیں کہ کفارِ مکہ کا یہ وفد جب دربارِ نجاشی میں پہنچا سَجَدَا لَہٗ تو دونوں نے اس کے سامنے سجدہ کیا۔ آگے بڑھ کر اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے اور پھر انہوں نے اپنا مقصد اس طرح بیان کرنا شروع کیا۔ اِنَّ نَفَرًا مِّنْ بَنِیْ عَمِّنَا نَزَلُوْا اَرْضَکَ وَ رَغِبُوْا عَنَّا وَعَنْ مِلَّتِنَا۔ ہماری برادری کے کچھ لوگ آپ کی سرزمین میں آگئے ہیں اور انہوں نے ہمارے دین و ملت سے روگردانی اختیار کرلی ہے۔ نجاشی نے پوچھا کہ وہ لوگ کہاں ہیں، تو وہ کہنے لگے کہ وہ آپ کی سرزمین میں ہی ہیں آپ اپنے آدمی بھیج کر ان کو منگوا سکتے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلالیا۔ اہلِ ایمان کے لیے یہ بڑی ذہنی پریشانی تھی کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ نجاشی ان کے بارے میں کیا فیصلہ کریگا۔ چنانچہ نجاشی کے دربار میں جانے سے پہلے مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ حضرت جعفرؓ کہنے لگے اَنَا خَطِیْبُکُمُ الْیَوْمَ نجاشی کے دربار میں تمہاری طرف سے میں خطاب کرونگا، تم کوئی بات نہ کرنا۔ مسلمانوں کا وفد حضرت جعفرؓ کی قیادت میں نجاشی کے دربار میں پہنچا۔ انہوں نے جاکر بادشاہ کو سجدہ کرنے کی بجائے صرف سلام کیا۔ دربار میں موجود لوگوں نے کہا مَالَكَ لَا تَسْجُدُ لِلْمَلِكِ تم نے بادشاہ کے سامنے سجدہ کیوں نہیں کیا تو حضرت جعفرؓ نے جواب دیا اِنَّا لَا نَسْجُدُ اِلَّا لِلّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ ہم اللہ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوتے نجاشی نے پوچھا تمہارا کیا مذہب اور عقیدہ ہے؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا۔ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ بَعَثَ اِلَیْنَا رَسُوْلَہٗ۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف اپنا رسول بھیجا ہے جس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ نہ کریں۔ چنانچہ ہم اپنے نبی کے حکم کی تعمیل میں نہ کسی بادشاہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، نہ کسی بڑے نہ چھوٹے، نہ زندہ، نہ مردہ اور نہ کسی قبر کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ نیز اللہ کے نبی نے ہمیں حکم دیا ہے بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ کہ ہم نماز پڑھتے رہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لیے اس نے ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور اپنے مال کا ایک حصہ بطور زکوٰۃ غرباء و مساکین پر خرچ کرنے کے لیے کہا ہے۔ یہ وضاحت سن

کر نجاشی کے دل میں اسلام کی بات گھر کر گئی اور اس نے مسلمانوں کے خلاف کوئی ایکشن نہ لیا۔

اب عمرو بن العاص نے نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کا ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ کہنے لگا بادشاہ سلامت فَاِنَّهُمْ يُخَالِفُوْنَكَ یہ مسلمان تو آپ کے بھی مخالف ہیں یعنی آپ کے عیسائی مذہب کو بھی اچھا نہیں جانتے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق غلط عقیدہ رکھتے ہیں۔ نجاشی نے پھر مسلمانوں سے پوچھا کہ تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا۔ نَقُوْلُ كَمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ہم تو انکے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے یعنی هُوَ كَلِمَةُ اللّٰهِ وَرُوْحُهٗ اَلْقَاهَا اِلَى الْعَذْرَاءِ الْبَتُوْلِ الَّتِيْ لَمْ يَمَسَّهَا بَشَرٌ وَلَمْ يَفْرِضْهَا وَلَدٌ۔ مسیح علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی پیدا کردہ خاص روح ہیں جس کو اللہ نے اپنے فرشتے کے ذریعے اس دوشیزہ مریم کے گریبان میں پھونکا جس کو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ اسی خاص کلمہ کے نتیجہ میں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوتے۔ اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہنے لگا، اے حبشہ کے رہنے والو! عالمو اور راہبو! وَاللّٰهِ مَا يَزِيْدُوْنَ عَلَى الَّذِيْ نَقُوْلُ فِيْهِ مَا يَسْوِيْ هٰذَا یہ لوگ جو کچھ بیان کر رہے ہیں عیسیٰ علیہ السلام اس سے ایک تنکا کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔ پھر نجاشی کہنے لگا مَرْحَبًا بِكُمْ وَبِمَنْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِهٖ میں تمہیں بھی خوش آمدید کہتا ہوں اور جو دین تم لیکر آئے ہو اس کو بھی خوش آمدید کہتا ہوں اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں جس کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں کہ آخری دور میں ایک نبی ظاہر ہوگا یہ وہی رسول ہیں جس کی بشارت حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے سنائی تھی۔ وہ ہر مجلس میں بشارت دیتے تھے کہ اے لوگو! میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا اس کا دین اور شریعت ہمیشہ قائم رہے گی۔ پھر مسلمانوں سے کہنے لگا اِنْزِلُوْا حَيْثُ شِئْتُمْ۔ تم میری سلطنت میں جہاں چاہو رہو۔ اللہ کی قسم اگر یہ بادشاہی کا سلسلہ نہ ہوتا تو میں

خود اس پاک ہستی کی خدمت میں حاضر ہوتا حتّٰی اَکُوْنَ اَنَا اَحْمِلُ نَعْلَیْہِ وَ اُوَضِّئُہُ۔ یہاں تک کہ میں اس کے جوتے اٹھاتا اور اس کو اپنے ہاتھ سے وضو کراتا۔ پھر نجاشی نے مشرکین سے کہا کہ اپنے تحفے واپس لے جاؤ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے غرضیکہ نجاشی جس کا اصل نام اصحمہ تھا، ایمان لا چکا تھا مگر شرفِ صحابیت حاصل نہ کر سکا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے کچھ ساتھی حضور علیہ السلام کے مدینہ پہنچنے کے بعد جلدی ہی مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے یہاں تک کہ وہ بدر کی لڑائی میں بھی شریک ہوئے البتہ ان لوگوں کی زیادہ تعداد حبشہ میں مقیم رہی اور پھر وہ خیبر کی لڑائی کے موقعہ پر مدینہ پہنچے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ جس دن نجاشی والیِ حبشہ کی وفات ہوئی تھی حضور علیہ السلام نے اس کے لیے مغفرت کی دعا کی تھی اور غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھی۔ فرمایا کہ مجھے وحی الٰہی آئی ہے کہ تمہارا بھائی اصحمہ نجاشی فوت ہو گیا ہے، چلو عید گاہ چل کر اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ وہاں پر دو صفیں بنیں۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہمیں یوں محسوس ہوتا تھا گویا کہ نجاشی کی میت حضور علیہ السلام کے سامنے رکھی ہوئی ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ لوگ عرصہ دراز تک نجاشی کی قبر سے نور اٹھتا ہوا دیکھتے رہے یہ شخص مقبولین الٰہی میں سے تھا۔ غائبانہ ایمان قبول کیا۔ اسلام کی ابتدائی تعلیم حضرت جعفرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے حاصل کی۔ قرآن حضرت جعفرؓ سے سیکھا تھا۔ اس وقت جتنا قرآن آپ کو یاد تھا وہ نجاشی کو بھی سکھلا دیا۔ یہ راسخ العقیدہ مسلمان اور اللہ کا مقبول و منظور بندہ تھا۔ حضور علیہ السلام نے اس کے لیے بخشش کی دعا کی تھی۔

تلفظ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

حَدَّثَنَا اَبُوْ اِسْحٰقَ قَالَ رَاَيْتُ رَجُلًا سَاَلَ الْاَسْوَدَ بْنَ يَزِيْدَ وَ هُوَ يُعَلِّمُ الْقُرْاٰنَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ كَيْفَ تَقْرَاُ هٰذَا الْحَرْفَ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ۝ اَذَالًا اَمْ دَالًا فَقَالَ لَا بَلْ دَالًا ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۴۶۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد حضرت اسود بن یزید تابعیؒ مسجد میں قرآن پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے ان سے دریافت کیا کہ سورۃ القمر میں آمدہ لفظ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ۔ میں مُدَّکِر دال کے ساتھ ہے یا ذال کے ساتھ۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے خود سنا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دال کے ساتھ مُدَّكِرٍ پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ ویسے قانون یہ ہے کہ جب ایک جنس کے دو حروف اکٹھے آجائیں تو انہیں ایک دوسرے میں مدغم کر دیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام دال کے ساتھ پڑھتے تھے، ویسے ذال کے ساتھ مُذَّكِر۔ پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے جملے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا، ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے اور عمل کرنے کے لیے آسان بنا دیا ہے، پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا جو اس نصیحت کو حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہو جائے۔

مخلص اوّلین اور نالائق آخرین

قَالَ اَخْبَرَنِیْ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّہٗ لَمْ یَکُنْ نَبِیٌّ قَطُّ اِلَّا وَلَہٗ مِنْ اَصْحَابِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَ اَصْحَابٌ یَتَّبِعُوْنَ اَثَرَہٗ وَیَقْتَدُوْنَ بِھَدْیِہٖ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۴۶۱، ۴۶۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے جتنے نبی گزرے ہیں انکے مخلص ساتھی ہوتے تھے جو انکا اتباع کرتے تھے اور ان کی سیرت کے مطابق چلتے تھے۔ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ خَوَالِفُ اُمَرَاءُ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ۔ پھر ان کے بعد ایسے نالائق امراء آگئے جو زبان سے وہ کچھ کہتے تھے جو کرتے نہیں تھے۔ اور کرتے وہ کچھ تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کے لوگوں کے بارے میں بھی یہی بات بتلائی۔ ابتدائی دور کے لوگ مخلص اور متبع تھے۔ پھر بعد میں ایسے نالائق لوگ آئیں گے جو صاحبِ اقتدار ہوں گے مگر ان کے قول اور فعل میں تضاد ہوگا۔ ان کو خوالف کہا گیا ہے جیسا کہ سورۃ مریم آیت ۔ ۹۵ میں آیا ہے فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ، بعد میں نالائق لوگ آئے جو کتاب کے وارث بنے اور جنہوں نے خواہشات کا اتباع کیا اور نماز جیسی اہم چیز کو بھی برباد کردیا۔

بعض ملعون لوگ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَاصِلَةَ وَالْمَوْصُوْلَةَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمَوْشُوْمَةَ وَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَ مُطْعِمَهُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۴۶۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس عورت پر جو دوسری عورت کے بال اپنے بالوں کے ساتھ جوڑتی ہے اور جڑوانے والی پر بھی۔ بعض عورتیں جن کے بال چھوٹے ہوتے ہیں وہ ان کو لمبا کرنے کے لیے دوسری عورتوں کے بال لیکر اپنے بالوں کے ساتھ جوڑ لیتی ہیں۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو وگ لگانا کہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایسی عورت پر اور جو اس مقصد کے لیے اپنے بال دوسری کو دیتی ہے دونوں پر لعنت فرمائی ہے!

نیز حضور علیہ السلام نے حلالہ نکالنے والے اور جس کے لیے حلالہ نکالا گیا ہے، دونوں پر لعنت کی ہے اگرچہ ایسا کرنے پر عورت پہلے خاوند پر حلال ہو جاتی ہے لیکن آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ یہ کام درست نہیں ہے بلکہ لعنتیوں کا کام ہے۔ شریعت نے صحیح حلالہ کو جائز قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ طلاق کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کرے۔ پھر اگر اسے دوبارہ طلاق ہو جائے یا وہ بیوہ ہو جائے تو پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ مگر مروجہ حلالہ جس میں مشروط نکاح کیا جاتا ہے۔ درست نہیں ہے۔

مصنوعی حسن پیدا کرنے کے لیے عورت کا مسوڑھوں، پیشانی یا جسم کے کسی دیگر حصے کو گدوا کر اس میں نیل بھرنے والی اور بھروانے والی عورت پر بھی لعنت کی گئی ہے علاوہ ازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے اور سود دینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔ سودی کاروبار اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہے۔

سورۃ النجم کی تلاوت پر سجدہ ریزی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَاَ سُوْرَةَ النَّجْمِ فَسَجَدَ وَمَا بَقِيَ اَحَدٌ مِّنَ الْقَوْمِ اِلَّا سَجَدَ اِلَّا رَجُلًا رَفَعَ كَفًّا مِّنْ حَصًى فَوَضَعَهُ عَلٰى وَجْهِهٖ وَقَالَ يَكْفِيْنِيْ هٰذَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ لَقَدْ رَاَيْتُهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ قُتِلَ كَافِرًا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۶۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ایک مجلس میں موجود تھے وہاں مسلمان اور مشرک بھی تھے آپ نے سورۃ النجم کی تلاوت فرمائی۔ جب آخری آیت پڑھی تو سجدہ کیا۔ مجلس میں موجود مسلمانوں نے بھی آپ کے اتباع میں سجدہ کیا۔ اسی طرح جو مشرک وہاں پر تھے، انہوں نے بھی سجدہ کیا سوائے ایک شخص کے جس نے زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی پر لگائی اور کہنے لگا کہ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ یہ سیّدی امیہ بن خلف یا ابی ابن خلف تھا۔ پرانا بڈھا کافر تھا۔ ابن مسعودؓ نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں جنگ بدر میں مارا گیا۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضور علیہ السلام نے سورہ نجم تلاوت فرمائی تھی اس وقت خدا تعالیٰ کی جانب سے قہری تجلی کا نزول ہو رہا تھا جس کی وجہ سے سب لوگ سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔

دوزخ یا جنت میں داخلے کی بنیاد

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَةً وَ اَنَا اَقُوْلُ اُخْرٰى مَنْ مَّاتَ وَهُوَ يَجْعَلُ لِلّٰهِ نِدًّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ وَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَ اَنَا اَقُوْلُ مَنْ مَّاتَ وَ هُوَ لَا يَجْعَلُ لِلّٰهِ نِدًّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۶۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات فرمائی ہے کہ جو شخص ایسی حالت میں مرگیا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا ہے تو اللہ تعالیٰ اس آدمی کو جہنم میں داخل کریگا۔ حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں یہ دوسری بات کہتا ہوں کہ جو شخص ایسی حالت میں فوت ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنایا یعنی اس کا ایمان اور عقیدہ توحید صحیح رہا تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کریگا۔ اگر وہ شخص گنہگار ہے تو اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر بہر حال جنت میں داخل ہو جائیگا یہ بھی حضور علیہ السلام کے فرمان سے ثابت ہے۔

☆

وعظ و نصیحت کا طریقہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّہٗ قَالَ لَاُخْبَرُ بِجَمَاعَتِکُمْ فَیَمْنَعُنِی الْخُرُوْجُ اِلَیْکُمْ خَشْیَۃَ اَنْ اُمِلَّکُمْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَخَوَّلُنَا فِی الْاَیَّامِ بِالْمَوْعِظَۃِ خَشْیَۃَ السَّاٰمَۃِ عَلَیْنَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۴۶۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے ساتھیوں اور ہم نشینوں سے فرمایا کہ مجھے تبلایا جاتا ہے تمہاری جماعت کے بارے میں یعنی یہ کہ تم آتے ہوتے ہو اور میرے منتظر ہو، مگر میں اس وجہ سے باہر نہیں نکلتا کہ کہیں تم تنگ دل نہ ہو جاؤ۔ چنانچہ آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ لوگوں کو وعظ و نصیحت ہفتہ میں ایک روز جمعرات کے دن کیا کرتے تھے۔ آپ نے وضاحت فرمائی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہمیں گاہے بگاہے وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ کہیں زیادہ وعظ و نصیحت سے ہم تنگ دل ہی نہ ہو جائیں وعظ و نصیحت اگر وقفے وقفے سے کیا جائے تو رغبت اور نشاط قائم رہتی ہے اور لوگ اس سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ ہر وقت کے وعظ و نصیحت سے لوگ بعض اوقات اکتا جاتے ہیں جس کا خاطر خواہ اثر مرتب نہیں ہوتا۔

سب سے بڑا گناہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاِثْمِ اَعْظَمُ قَالَ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَھُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ثُمَّ مَاذَا قَالَ اَنْ تُزَانِیَ حَلِیْلَۃَ جَارِكَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۶۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے،

تو آپ نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اللہ کے ساتھ شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تجھے پیدا کرنے والی ذات تو وحدہٗ لاشریک ہے مگر تم اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناؤ، یہی تو سب سے بڑا گناہ ہے۔

کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضور! انسان کے اخلاقی گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ ہے کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرو۔ پڑوسی کو اپنے پڑوسی پر بڑا اعتماد ہوتا ہے اور وہ اسے اپنی غیر حاضری میں عزت و ناموس کا محافظ سمجھتا ہے۔ لیکن اگر پڑوسی ہی پڑوسی کی عزت پر ڈاکہ ڈال دے تو یہ گناہ عام گناہوں سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔ اگرچہ فعل بدکاری مطلقاً حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ اس حدیث کی رو سے یہ شرک کے بعد دوسرے نمبر پر آتا ہے۔

غیر حاملہ بکری سے دودھ دوہنے کا معجزہ

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا يَافِعًا اَرْعٰى غَنَمًا لِعُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَ قَدْ فَرَّا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَا يَا غُلَامُ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ لَبَنٍ تَسْقِيْنَا قُلْتُ اِنِّيْ مُؤْتَمَنٌ وَلَسْتُ سَاقِيَكُمَا...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۴۶۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مالی طور پر کمزور آدمی تھے، مکے میں رہتے تھے اور محنت مزدوری کر کے گزر اوقات کرتے تھے۔ البتہ اسلام لانے میں انکا پانچواں یا ساتواں نمبر ہے۔ یہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں قریش کے خاندان کے ایک سردار عقبہ ابن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو سخت تکلیف پہنچائی جس کی وجہ سے حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیقؓ ان سے بھاگ کر شہر سے باہر چلے گئے۔ اتفاق سے انکا گزر اس مقام سے ہوا جہاں میں بکریاں چرا رہا تھا۔ ان دونوں حضرات نے مجھ سے کہا نوجوان! کیا ہمیں پلانے کے لیے تمہارے پاس دودھ ہے؟ اس زمانے میں دودھ پلانے کا عام دستور یہ تھا کہ اکثر مالکان ریوڑ اپنے چرواہوں کو اجازت دے دیتے تھے کہ کوئی مسافر یا سائل طلب کرے تو اس کو جانور کا دودھ پلا دیا کرو۔ تاہم بعض مالکان اپنے کسی جانور کا دودھ کسی شخص کو دینے سے منع بھی کر دیتے تھے حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جب ان حضرات نے مجھ سے دودھ کے متعلق پوچھا تو میں نے کہا کہ میں تو امین ہوں اور مجھے ان بکریوں کا دودھ کسی غیر شخص کو دینے سے منع کر دیا گیا ہے، لہذا میں مجبور ہوں اور آپ کی خدمت نہیں کر سکتا۔

کہتے ہیں کہ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اچھا یہ بتلاؤ کہ تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے لَمْ يَنْزُ عَلَيْهَا الْفَحْلُ۔ جس سے ابھی تک کوئی نر نہ ملا ہو یعنی وہ حاملہ نہ ہوئی ہو

نے عرض کیا، ہاں ایسی بکری تو ہے پھر میں ایسی ہی ایک بکری پکڑ کر آپ کے پاس لے آیا حضور علیہ السلام نے اس کو باندھ دیا، پھر اس کے تھنوں پر ہاتھ لگایا اور دعا کی جو اللہ نے قبول فرمائی اور اس بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ حضرت ابوبکرؓ ایک پتھر سا لاتے جس میں اس بکری کا دودھ دوہا اور پھر ان دونوں حضرات نے نوش فرمایا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر میں نے وہ دودھ پیا اس کے بعد حضور علیہ السلام نے بکری کے تھنوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اب تم سکڑ جاؤ۔ پس وہ فوراً سکڑ گئے اور اپنی پہلی حالت پر آ گئے۔

یہ سارا واقعہ دیکھ کر حضرت ابن مسعودؓ نے عرض کیا کہ حضور! مجھے بھی کچھ سکھلائیں۔ آپ نے فرمایا اِنَّكَ غُلَامٌ مُعَلَّمٌ۔ تم ایک نوجوان ہو اور تم کو سکھلایا جائیگا یعنی تمہیں خدا تعالےٰ کی جانب سے بہت سا علم دیا جائیگا مطلب یہ ہے کہ تمہارے حصے میں علم کا وافر حصہ دیا گیا ہے پھر حضرت ابن مسعودؓ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ستر سورتیں حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے براہ راست سیکھیں ہیں اور اس تعلیم میں میرے ساتھ کوئی دوسرا شخص شریک نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ حضور علیہ السلام نے مجھے قرآن کا اس قدر علم سکھایا۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام مکہ سے باہر بھی تبلیغ دین کے لیے مختلف آبادیوں میں جاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ متواتر پندرہ دن تک مکہ سے باہر رہے اور آپ کے ہمراہ صرف حضرت بلالؓ تھے جن کی بغل میں تھوڑی سی کھجوریں تھیں اس کے علاوہ آپ کے پاس کھانے کے لیے کوئی چیز نہ تھی مگر آپ نے بلالؓ کے ساتھ پندرہ دن تک انہی کھجوروں پر گزارہ کیا۔

جنگ احد میں مسلمانوں پر افتاد

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النِّسَآءَ کُنَّ یَوْمَ اُحُدٍ خَلْفَ الْمُسْلِمِیْنَ یُجْهِزْنَ عَلٰی جَرْحَی الْمُشْرِکِیْنَ فَلَوْ حَلَفْتُ یَوْمَئِذٍ رَجَوْتُ اَنْ اَبَرَّ اَنَّهٗ لَیْسَ اَحَدٌ مِّنَّا یُرِیْدُ الدُّنْیَا حَتّٰی اَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۴۶۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ احد کی لڑائی کے دن عورتیں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور ان کو پانی لا کر پلاتی تھیں نیز وہ مشرکوں کے مجروحین کو بھی ٹھکانے لگاتی تھیں کہتے ہیں کہ اگر میں قسم اٹھالوں تو مجھے امید ہے کہ میں حانث نہیں ہونگا۔ ہمارا یہی خیال تھا کہ ہم مسلمانوں میں سے کوئی بھی صرف دنیا کا طالب نہیں ہے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے آل عمران کی یہ آیت نازل فرمادی مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ تم میں سے بعض دنیا کے طالب ہیں اور بعض آخرت کے طلبگار ہیں۔ ثُمَّ صَرَفَکُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَکُمْ پھر اللہ نے تمہیں کافروں کی طرف سے پھیر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔

کہتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے میں نے اندازہ لگایا کہ ہم میں سے بعض دنیا کے طالب بھی ہیں جو کہ منافق قسم کے لوگ ہی ہوسکتے ہیں۔ البتہ جو مخلص صحابہؓ تھے ان میں سے صرف دنیا کا طالب کوئی نہیں تھا۔ اور اگر ان میں سے کسی سے کوئی معمولی سی لغزش ہو جاتی تو ان پر سخت گرفت آتی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان مخلص مسلمانوں سے غلطی ہوئی جنہوں نے حضور علیہ السلام کے حکم کے خلاف پہاڑی مورچہ کو چھوڑ دیا اور نیچے اتر کر مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ اسی چیز کو دنیا کی طلب سے تعبیر کیا گیا ہے اور پھر اس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ کفار کو پیچھے سے حملہ کرنے کا موقع مل گیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب مشرکین پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تو ایک ایسا موقع بھی آیا کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کفار کے درمیان گھر گئے اور آپ کے دفاع کے لیے سات انصاری اور صرف دو قریش کے آدمی رہ گئے۔ نو آدمی یہ اور دسویں خود حضور علیہ السلام تھے جب کہ ارد گرد مشرکوں نے گھیرا ڈال لیا تھا۔ اس موقع پر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اس شخص پر رحم کرے جو ان مشرکوں کو ہم سے پیچھے ہٹائے یہ سن کر ایک انصاری نے مشرکین کا مقابلہ کیا اور وہ شہید ہو گیا۔ پھر دوسرے انصاری نے دفاع کا فریضہ سنبھالا مگر وہ بھی شہید ہو گیا، حتیٰ کہ ایک ایک کر کے ساتوں انصاری صحابہؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہم نے اپنے انصاری بھائیوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اس کٹھن وقت میں قریش کو بھی پیش قدمی کرنا چاہیئے تھی۔

اس وقت مشرکین کے لشکر کی قیادت ابو سفیان کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے مسلمانوں کی حالت زار کو دیکھ کر کہا اُعْلُ ہُبَلْ یعنی ھُبَل معبود کی جے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم اس کے جواب میں کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ اللہ سب سے بلند اور بزرگی والا ہے چنانچہ صحابہ نے یہ نعرہ لگا دیا۔ پھر ابو سفیان نے دوسرا نعرہ بلند کیا لَنَا عُزّٰی وَ لَا عُزّٰی لَکُمْ ہمارا حامی ہمارا عزیٰ معبود ہے جب کہ تمہارا کوئی عزیٰ نہیں ہے۔ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے یہ نعرہ دیا اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَالْکٰفِرُوْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ۔ ہمارا کارساز اور حامی اللہ تعالےٰ ہے جبکہ کافروں کا کوئی کارساز، سرپرست، مالک یا مربی نہیں ہے۔ ابو سفیان پھر پکارا۔ یَوْمٌ بِیَوْمِ بَدْرٍ یَوْمٌ لَنَا وَ یَوْمٌ عَلَیْنَا۔ بدر کا دن ہمارے خلاف گیا تھا مگر آج احد کا دن ہمارے حق میں ہو چکا ہے۔ ایک دن ہمیں دکھ پہنچایا گیا اور ایک دن ہم خوش ہو گئے۔ بدر اور احد کا نتیجہ ایسا ہی ہوا تھا کہ بدر میں ستر کفار مارے گئے اور ستر قیدی بنے جبکہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔

ابو سفیان کا مشرک بیٹا حنظلہ جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ ادھر احد کے میدان میں مشہور انصاری صحابی حنظلہؓ شہید ہوئے جن کو فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ ابو سفیان نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نعرہ مارا حَنْظَلَۃُ بِحَنْظَلَۃَ وَ فُلَانٌ بِفُلَانٍ۔

حنظلہ کا بدلہ ہم نے حنظلہ کو قتل کر کے لے لیا اور فلاں کے بدلے میں فلاں کو مار دیا۔ گویا ہم نے بدر کا پورا پورا انتقام لے لیا ہے۔ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے یہ اعلان کروایا لَا سَوَاءَ أَمَّا قَتْلَانَا فَأَحْيَاءٌ يُرْزَقُونَ وَقَتْلَاكُمْ فِي النَّارِ يُعَذَّبُونَ۔ مسلمانوں اور کفار کے مقتولین برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ہمارے مقتول تو اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں باعزت روزی دی جارہی ہے اور تمہارے مقتولین کو دوزخ میں سزا مل رہی ہے۔

ابوسفیان نے پھر کہا قَدْ كَانَتْ فِي الْقَوْمِ مُثْلَةٌ۔ لوگوں نے بعض مقتولین کا مثلہ کیا ہے یعنی ان کے ناک، کان، ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹ دیئے ہیں، مگر ہم ان کو ملامت بھی نہیں کرتے۔ نہ میں نے اس کام کا حکم دیا ہے اور نہ منع کیا ہے نہ تو میں اس چیز کو پسند کرتا ہوں اور نہ ہی ناپسند کرتا ہوں۔ یہ کام نہ تو مجھے ناگوار گزرا ہے اور نہ ہی اس سے مجھے خوشی ہوئی ہے۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا گیا ہے ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے آپ کا جگر چبانے کی کوشش بھی کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکی یعنی وہ آپ کا جگر نگل نہ سکی۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا ہندہ حضرت حمزہؓ کے جسم سے کوئی چیز کھا گئی ہے تو لوگوں نے بتایا کہ وہ ایسا نہیں کر سکی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت حمزہؓ کے جسم کے کسی حصہ کو جہنم میں نہیں جلنے دیگا۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت حمزہؓ کی میت کو سامنے رکھا اور اسکا جنازہ پڑھا۔ پھر حضرت حنظلہؓ کی میت کو انکے پہلو میں رکھ کر انکا جنازہ پڑھا غرضیکہ ایک ایک شہید کو لا کر حضرت حمزہؓ کی میت کے ساتھ رکھا گیا اور اُن کا جنازہ پڑھا گیا۔ اس طرح باقی ہر شہید کا جنازہ تو ایک دفعہ پڑھا گیا جب کہ حضرت حمزہؓ کا جنازہ ستر دفعہ پڑھا گیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر میت کا الگ الگ جنازہ پڑھنا بہتر ہے البتہ دوسرے مواقع پر اجتماعی جنازہ بھی ثابت ہے حضور نے فرمایا کہ میری امت کے تمام شہیدوں کا سردار حمزہؓ ہو گا۔ اللہ نے ان کو بہت بڑی فضیلت عطاء فرمائی ہے۔

افضل صدقہ کون سا ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ اَیُّ الصَّدَقَۃِ اَفْضَلُ قَالُوْا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ اَلْمَنِیْحَۃُ اَنْ یَّمْنَحَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ الدِّرْھَمَ اَوْ ظَھْرَ الدَّآبَّۃِ اَوْ لَبَنَ الشَّاۃِ اَوْ لَبَنَ الْبَقَرَۃِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۴۶۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ کون سا صدقہ افضل ہے لوگوں نے عرض کیا حضور! اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ افضل صدقہ منیحہ ہے یعنی صدقہ میں ایسی چیز دی جائے جو محتاج کی زیادہ سے زیادہ ضرورت کو پورا کرے۔ اگر محتاج کو اس کی ضرورت کی چیز دی جائے گی تو ایسے صدقہ پر زیادہ اجر نصیب ہوگا۔

حضور علیہ السلام نے افضل صدقہ کی یہ تعریف بھی بیان کی کہ کوئی شخص اپنے محتاج بھائی کو درہم یعنی نقد رقم دے دے خواہ وہ صدقہ کے طور پر یا قرضہ کے طور پر۔ یا ضرورت مند کو سواری مہیا کر دی جاتے یا کسی غریب کو دودھ پینے کے لیے بکری یا گائے دے دے کہ یہ بھی افضل صدقہ شمار ہوتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں تو کسی محتاج بھائی کی اعانت کا تصور بہت حد تک ختم ہو چکا ہے۔ بنکاری کے اس دور میں قرضہ حسنہ کا تصور کہاں کیا جا سکتا ہے؟ غرضیکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ افضل صدقہ اپنے کسی ضرورت مند بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے کا نام ہے۔

حضورؐ کی نماز میں پڑھنے کی ایک دعا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ اَعُوْذُ بِعِزَّتِکَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِیْ اَنْتَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا تَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ یَمُوْتُوْنَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۳۰۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جب رات کو نفل شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے۔ بعض دیگر مواقع پر بھی آپ سے یہ دعا منقول ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ۔۔۔ ۔۔۔یَمُوْتُوْنَ۔ اے اللہ میں تیری فرمانبرداری کرتا ہوں اور تجھی پر یقین رکھتا ہوں اور میں تجھی پر توکل کرتا ہوں۔ میں تیری عزت کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے گمراہی میں مبتلا کردے۔ تو ہی زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں طاری ہوگی جب کہ جنات اور انسان تو سب مرنے والے ہیں۔ بسا اوقات حضور صلے اللہ علیہ وسلم یہ دعا نماز میں ثناء کے مقام پر یا آگے پیچھے بھی پڑھ لیتے تھے۔

نماز باجماعت کا ایک طریقہ

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ صَلَّيْتُ اِلٰى جَنْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَائِشَةُ خَلْفَنَا تُصَلِّيْ مَعَنَا وَ اَنَا اِلٰى جَنْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اُصَلِّيْ مَعَهٗ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نماز پڑھی۔ یہ نماز تہجد کا بیان ہے جو حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ کے گھر میں ادا فرمائی۔ کہتے ہیں کہ میں تو آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا جب کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ہمارے پیچھے کھڑے ہو کر نماز میں شمولیت اختیار کی۔

نماز باجماعت کا یہی طریقہ ہے کہ اگر دو مقتدی ہوں تو امام آگے کھڑا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے اور اگر عورتیں بھی ہیں تو وہ پیچھے اپنی علیحدہ صف بنائیں۔ اس موقع پر صرف ایک مقتدی مرد اور امام تھا لہذا حضرت عبداللہ بن عباسؓ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دائیں پہلو میں کھڑے ہو گئے جب کہ حضرت عائشہ مردوں سے الگ پیچھے اکیلی کھڑی ہو گئیں۔ اگر عورتیں زیادہ ہوتیں تو سب کی الگ صف بن جاتی۔

ضماد ازدیؓ کے ایمان لانے کا واقعہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ ضِمَادُنِ الْاَزْدِیُّ مَکَّۃَ فَرَأَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ غِلْمَانٌ يَتْبَعُوْنَهٗ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اُعَالِجُ مِنَ الْجُنُوْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ........الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۳۰۲)

ضماد ایک طبیب کاہن اور سردار تھے یہ جنون وغیرہ کے علاج کے لیے جھاڑ پھونک بھی کرتے تھے جب مکہ آئے تو انھوں نے بعض بیوقوفوں سے سنا کہ یہاں کے ایک آدمی کا دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا علاج بھی کرو۔ یہ اشارہ حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ کی طرف تھا۔ آگے ضماد خود بیان کرتے ہیں کہ کچھ بچے حضور علیہ السلام کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور آپ کو مختلف طریقوں سے تنگ کر رہے ہیں جیسا کہ لوگ عام طور پر پاگلوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ ضماد کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا، اے محمد! میں جنات کا علاج کرتا ہوں اگر آپ چاہیں تو آپ کا علاج بھی کروں شاید آپ شفا پا جائیں حضور علیہ السلام نے اسکی بات کے جواب میں کلام کیا اور خطبہ پڑھا۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی اہم بات کرنا مقصود ہوتی پہلے خطبہ پڑھتے یعنی اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے اور اس کے بعد مطلوبہ بات کرتے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے ضمادؓ کی بات کا جواب اس طرح دیا۔ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ بے شک سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ ہم اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی سے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ ہم اپنے نفسوں کے شر سے پناہ چاہتے ہیں جس کو اللہ ہدایت دے دے اس کو کوئی گمراہ

نہیں کرسکتا اور جس کو وہ بھٹکا دے اس کو کوئی راہِ راست پر نہیں لاسکتا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اسکے بندے اور رسول ہیں۔

راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ضمادؓ کہنے لگے کہ حضور! یہ کلمات ایک دفعہ دہرا دیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا تو ضماد کہنے لگے لَقَدْ سَمِعْتُ الشِّعْرَ وَالْعِيَافَةَ وَالْكَهَانَةَ فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ۔ میں نے شاعروں، رمل جفر والوں اور کاہنوں کا کلام بھی سنا ہے مگر ایسے مؤثر کلمات میں نے کسی سے نہیں سنے۔ یہ تو سمندر کی گہرائیوں تک اترنے والے کلمات ہیں۔ ضمادؓ کی فطرت سلیم تھی مشرکین مکہ نے تو اسے حضور علیہ السلام کے علاج کے لیے بھیجا تھا مگر جب آپ کی بات سنی تو پکار اٹھا وَاِنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَاَسْلَمَ بیشک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور اس طرح حضرت ضمادؓ نے اسلام قبول کر لیا۔

پھر حضور علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ تم نے اپنی طرف سے تو اسلام قبول کر لیا ہے، اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کرو کہ انکو بھی تبلیغ کر کے اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کروگے۔ ضمادؓ نے وعدہ کیا کہ میں خود بھی اسلام پر قائم رہوں گا اور اپنی قوم کو بھی اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کروں گا۔ ان کو یقین تھا کہ قوم ان کی مخالفت نہیں کرے گی۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد حضور علیہ السلام نے کافروں سے مقابلہ کے لیے ایک لشکر بھیجا۔ وہ لشکر ضمادؓ کے علاقہ سے گزرا تو کسی مسلمان نے ان لوگوں کو دشمن سمجھ کر مالِ غنیمت کے طور پر ان کا کوئی برتن لے لیا۔ پھر واقف حال لوگوں نے لشکر کے آدمیوں کو بتایا کہ یہ ضمادؓ کا علاقہ ہے وہ خود بھی اسلام لائے تھے اور اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کی تھی۔ لہذا یہاں کے کسی شخص کی کوئی چیز نہیں لینی۔ چنانچہ جو برتن (لوٹا وغیرہ) وہاں سے لیا گیا تھا وہ بھی واپس کر دیا گیا حالانکہ دشمن کے علاقہ سے گزرتے وقت کوئی چیز ان سے لے لی جائے تو وہ مالِ غنیمت ہوتا ہے اور مسلمانوں کے لیے روا ہوتا ہے مگر اس موقع پر حضرت ضمادؓ کی قوم کا لحاظ رکھا گیا یہ ایمان اور اسلام کی برکت تھی۔

دھوکے کی بیع

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ دھوکے کی بیع کی تفسیر راوی اس طرح بیان کرتے ہیں اِنَّ مِنَ الْغَرَرِ ضَرْبَةَ الْغَائِصِ اگر کوئی شخص دریا میں جال پھینکنے سے پہلے یا جال پھینک کر نکالنے سے پہلے کسی دوسرے آدمی کے ساتھ سودا کر لیتا ہے کہ اس جال میں آمدہ مچھلیاں اتنے میں دے دوں گا تو یہ دھوکے کی بیع ہے کیونکہ پتہ نہیں کہ جال میں کتنا مال آتا ہے یا کچھ بھی نہیں آتا۔ تو ایسی حالت میں یہ خرید و فروخت درست نہیں ہوگی۔ دھوکے کی بیع میں اَلْعَبْدُ الْاٰبِقُ بھی آجاتا ہے۔ کوئی شخص اپنا بھاگا ہوا غلام دوسرے کے ہاتھ مقررہ قیمت پر فروخت کر دیتا ہے حالانکہ اس کو علم نہیں کہ وہ غلام واپس ملے گا بھی یا نہیں۔ وہ غلام زندہ بھی ہے یا مر چکا ہے یہ بیع بھی باطل ہے۔ دھوکے کی بیع کی ایک مثال اَلْبَعِيْرُ الشَّارِدُ یعنی بھاگا ہوا اونٹ ہے۔ مالک نہیں جانتا کہ وہ اونٹ مر چکا ہے ذبح کیا جا چکا ہے یا اس کو کبھی واپس ملے گا بھی یا نہیں۔ تو ایسے اونٹ کو کسی مقررہ قیمت پر بیچنا بھی جائز نہیں ہے۔ فرمایا جانور کے پیٹ میں ابھی جو بچہ ہے مَا فِيْ بُطُوْنِ الْاَنْعَامِ۔ اس کی خرید و فروخت بھی اسی زمرہ میں آئیگی کیونکہ بیچنے والا نہیں جانتا کہ پیٹ والا بچہ صحیح سلامت ہے یا معذور، زندہ پیدا ہوگا یا مردہ، لہذا یہ بیع بھی درست نہیں۔ نیز فرمایا تُرَابُ الْمَعَادِنِ کان کی مٹی بیچنا بھی دھوکے کی بیع ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کان کی مٹی میں سونا، چاندی، پیتل، تانبہ وغیرہ ہے بھی یا نہیں۔ یا ہے تو کتنی مقدار میں۔ ایسی چیز کی خرید و فروخت بھی روا نہیں۔ پھر فرمایا مَا فِيْ ضُرُوْعِ الْاَنْعَامِ اِلَّا بِكَيْلٍ جانوروں کے تھنوں میں پائے جانے والے دودھ کو

نکالنے سے پہلے بیچ دینا بھی دھوکے کی خرید و فروخت ہے کیونکہ کسی کو علم نہیں کہ جانور کتنا دودھ دیگا اور پھر وہ صحیح بھی ہوگا یا اس میں بیماری کے جراثیم پائے جائیں گے یا وہ خون آلود نکلے گا لہذا اس قسم کی بیع بھی دھوکے کی بیع شمار ہوتی ہے اور حضور نے اس سے منع فرمایا ہے۔ البتہ دودھ تھنوں سے نکال کر بیچنا درست ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ الْمَلَأَ مِنْ قُرَيْشٍ اجْتَمَعُوْا فِى الْحِجْرِ فَتَعَاقَدُوْا بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى وَ مَنَاتَ الثَّالِثَةِ الْاُخْرٰى وَنَائِلَةَ وَاِسَافٍ لَوْ قَدْ رَاَيْنَا مُحَمَّدًا لَقَدْ قُمْنَا اِلَيْهِ قِيَامَ رَجُلٍ وَاحِدٍ فَلَمْ نُفَارِقْهُ حَتّٰى نَقْتُلَهٗ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ مکی زندگی میں قریش کے کچھ لوگ حجر (بیت اللہ شریف) میں اکٹھے ہوئے اور انہوں نے لات، منات، عزیٰ، نائلہ اور اساف بتوں کی قسمیں اٹھا کر یہ پختہ عہد کیا کہ اگر ہم نے آئندہ کبھی یہاں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یعنی اگر وہ بیت اللہ میں نماز پڑھنے یا کسی دیگر عبادت کے لیے آئیں گے تو ہم سارے کے سارے مل کر ان کی طرف اٹھ کھڑے ہوں گے اور انہیں قتل کئے بغیر نہیں چھوڑیں گے یعنی اکٹھے حملہ کر کے انکو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔

حضرت فاطمہؓ نے قریش کا یہ منصوبہ کسی ذریعہ سے سن لیا اور وہ روتی ہوئی حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا کہ قریش کے ایک گروہ نے یہ پختہ عہد کیا ہے کہ اگر وہ آئندہ آپ کو بیت اللہ میں دیکھیں گے تو آپ کو قتل کر دیں گے اور ان میں سے ہر شخص آپ کے خون کا پیاسا ہے یہ سن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا بیٹی! اَرِيْنِىْ وَضُوْءًا فَتَوَضَّأَ ثُمَّ دَخَلَ عَلَيْهِمُ الْمَسْجِدَ۔ وضو کے لیے پانی لاؤ وہ پانی لائیں جس سے آپ نے وضو کیا اور پھر آپ سیدھے مسجد حرام میں تشریف لے گئے۔

جب قریش نے آپ کو آتے دیکھا تو کہنے لگے هَا هُوَ ذَا۔ کہ وہ تو یہ آرہا ہے جس کے قتل کا ہم نے منصوبہ بنایا ہے۔ اتنا کہنا تھا وَخَفَضُوْا اَبْصَارَهُمْ۔ کہ انکی آنکھیں پست ہو گئیں وَ سَقَطَتْ اَذْقَانُهُمْ فِىْ صُدُوْرِهِمْ۔ اور انکی ٹھوڑیاں انکے سینوں کے ساتھ جا لگیں وَ عَقِرُوْا فِىْ مَجَالِسِهِمْ۔ وہ اپنی مجلسوں میں بکے بکے ہو کر رہ گئے کہ کیا

کریں اور کیا نہ کریں۔ فَلَمْ یَرْفَعُوْا اِلَیْہِ بَصَرًا۔ وہ آپکی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے وَلَمْ یَقُوْمُوْا اِلَیْہِ۔ اور نہ آپ کے قتل کے لیے کھڑے ہو سکے۔ حضور علیہ السلام ان کی طرف مڑے اور انکے سامنے آکر کھڑے ہو گئے آپ نے اپنی مٹھی میں سنگریزے لیے اور کہا شَاھَتِ الْوُجُوْہُ کہ یہ چہرے ذلیل ہو جائیں پھر آپ نے وہ کنکر ان کی طرف پھینکے اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ چھوٹے چھوٹے پتھر جس کافر کو لگے وہ جنگ بدر میں مارا گیا۔

دوسری روایت میں ابو جہل کے متعلق آتا ہے کہ وہ بھی اس گروہ میں شامل تھا۔ اس نے بھی حضور علیہ السلام کو اذیت پہنچانے کی قسم اٹھا رکھی تھی اور اس نے کچھ پیش قدمی بھی کی مگر پھر پیچھے بھاگ گیا لوگوں نے پوچھا کہ تم تو بڑے پختہ ارادے سے گئے تھے مگر اب پیچھے بھاگ رہے ہو اس کی کیا وجہ ہے ؟ کہنے لگا کہ مجھے اپنے سامنے آگ کی خندق اور پروں والی مخلوق نظر آ رہی ہے اس موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر ابو جہل مجھ پر حملہ آور ہوتا تو فرشتے اس کو پکڑ کر اس کی تکہ بوٹی کر دیتے اور اس طرح اس پر اللہ کا قہر نازل ہو جاتا مگر اس نے پیچھے بھاگ کر جان بچا لی۔

مسئلہ توحید کی وضاحت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي يَا غُلَامُ إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيْثًا اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَ إِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر میں حضور علیہ السلام کے پیچھے سواری پر سوار تھا کہ آپ نے مجھ سے خطاب کر کے فرمایا اے بچے سنو! میں تمہارے سامنے ایک بات بیان کرنا چاہتا ہوں جو بڑی اہم ہے لہذا اس کو خوب ذہن نشین کرو۔ فرمایا۔ اِحْفَظِ اللّٰہَ تم خدا تعالیٰ کی حفاظت کرو یعنی اس کی طرف متوجہ رہو اور غفلت اختیار نہ کرو بلکہ اس کا حق ادا کرتے رہو۔ اگر تم اللہ کی حفاظت اس طریقے سے کرو گے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی تمہاری حفاظت کریگا اور تم جہاں کہیں بھی ہو گے اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت، مشیت، علم اور ارادے کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے وہ ضرور تمہاری مدد کریگا۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے دوسری بات یہ فرمائی اِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰہَ۔ تم جب بھی کسی چیز کا سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو۔ کسی مخلوق سے کچھ نہ مانگو کیونکہ ہر چیز کا خالق، مالک اور متصرف تو اللہ کی ذات ہے وہی تمہارا سوال پورا کرنے پر قادر ہے کسی مخلوق کے اختیار میں کچھ نہیں ہے نیز فرمایا وَ اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ اور جب تم مدد چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ مطلب یہ ہے کہ ما فوق الاسباب مدد دینے والی صرف اللہ کی ذات ہے اور کوئی نہیں اسباب کے اندر تو ہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں مگر جہاں اسباب کی دنیا ختم ہو جاتی ہے، وہاں غائبانہ طور پر مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ میں سے ہے۔ اسی لئے ہر مومن نماز کی ہر رکعت میں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

کہتا ہے یعنی اے اللہ! ہم صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا فَقَدْ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الْکُتُبُ قلمیں اٹھ چکی ہیں اور کتابیں خشک ہوگئی ہیں اور اللہ کے علم میں جو بات ہے وہ طے ہوچکی ہے۔ فَلَوْ جَاءَتِ الْاُمَّةُ یَنْفَعُوْنَكَ بِشَیْئٍ لَمْ یَکْتُبْهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَكَ لَمَا اسْتَطَاعَتْ۔ پھر اگر ساری امت اکٹھی ہو کر بھی تمہیں کسی چیز کا فائدہ پہنچانا چاہے جو اللہ نے تمہارے مقدر میں نہیں لکھا تو وہ ساری امت بھی نفع پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتی پھر فرمایا وَلَوْ اَرَادَتْ اَنْ تَضُرَّكَ بِشَیْئٍ لَمْ یَکْتُبْهُ اللّٰهُ لَكَ مَا اسْتَطَاعَتْ اگر سارے لوگ مل کر تجھے کسی ایسی چیز میں نقصان پہنچانا چاہیں جو اللہ نے تمہارے مقدر میں نہیں کی تو وہ سارے بھی ایسا کرنے کی طاقت اور اختیار نہیں رکھتے۔ اسی لیے فرمایا کہ جب بھی مدد مانگو تو صرف اللہ سے مانگو کیونکہ مافوق الاسباب مدد کرنے والی صرف وہی ذات ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی تمہاری تکلیف کو نہیں جانتا اور نہ ہی تمہاری ضروریات سے واقف ہے وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ تمہارے لیے کوئی چیز کتنی مقدار میں نفع بخش ہے اور کتنی نقصان دہ۔ یہ سب کچھ خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اپنے بندوں کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ اپنی حاجات میں یا علی مدد پکارنا یا غوثِ اعظم کا نعرہ لگانا، کسی بت، پتھر، درخت یا قبر کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی حاجات پیش کرنا، خواجہ معین الدین چشتیؒ کو مشکل میں آواز دینا یا کسی جن، فرشتے وغیرہ کو پکارنا سب شرکیہ افعال ہیں لہٰذا اپنا دامن ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ وابستہ رکھو۔

طہارت کی اہمیت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَخْرُجُ فَیُہَرِیْقُ الْمَاءَ فَیَتَمَسَّحُ بِالتُّرَابِ فَاَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ الْمَاءَ مِنْکَ قَرِیْبٌ قَالَ مَا اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَا اَبْلُغُہٗ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب کبھی پیشاب کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلتے تو فارغ ہو کر مٹی کے ساتھ تیمم کر لیتے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے عرض کیا! حضور پانی تو قریب ہی ہے مگر آپ تیمم کرنے میں جلدی کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ کیا معلوم کہ میں پانی تک پہنچ بھی سکوں گا یا نہیں۔ مطلب یہ کہ زندگی کا کیا اعتماد ہے ہو سکتا ہے کہ اللہ کی طرف سے فوراً پیغام آجائے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ زندگی کے آخری سانس تک طہارت میں ہی رہوں۔ ایک مسلمان کو طہارت کا اس قدر خیال رکھنا چاہیئے اور دوسری بات یہ کہ اس عارضی زندگی پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے

شریعت نے مسلمانوں کے لیے یہ آسانی پیدا کر دی ہے کہ اگر پانی میسّر نہ ہو یا آدمی کو پانی پر قدرت حاصل نہ ہو تو وہ طہارت حاصل کرنے کے لیے پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کر سکتا ہے یا دیگر عبادات کے کام انجام دے سکتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے۔ اَلتُّرَابُ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ مٹی مسلمان کے لیے طہارت کا ذریعہ ہے چاہے دس سال تک پانی میسّر نہ ہو۔ تیمم کا طریقہ اس امت محمدیہ کے لیے روا ہے اس سے پہلے یہ کسی امت میں مباح نہیں تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت کے لیے اللہ نے یہ خاص مہربانی فرمائی ہے۔

منیٰ میں پانچ نمازیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی خَمْسَ صَلَوَاتٍ بِمِنٰی۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کے مقام پر پانچ نمازیں ادا فرمائیں یہ نمازیں آٹھ ذی الحج کو پڑھی جاتی ہیں. حجتہ الوداع کے موقع پر حضور علیہ السلام آٹھ تاریخ کو مکہ سے منیٰ پہنچے اور ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں تاریخ کو فجر کی نماز اس مقام پر ادا فرمائی۔ آج بھی ہر سال تمام حاجی آٹھ تاریخ کو مکہ سے منیٰ پہنچتے ہیں اور پھر یہ پانچ نمازیں وہاں ادا کر کے نویں تاریخ کو میدان عرفات کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

آٹھ ذی الحج کو یوم ترویہ یعنی سیرابی کا دن بھی کہا جاتا ہے. قدیم زمانے میں لوگ اس دن اپنے جانوروں کو پانی پلاتے تھے۔ آج کل بھی منیٰ میں حاجیوں کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے پانی کا وسیع انتظام ہوتا ہے اور وہ یہاں پر قیام کے دوران سیراب ہوتے رہتے ہیں۔

حرام اور حلال جانور

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِىْ نَابٍ مِنَ السَّبُعِ وَعَنْ كُلِّ ذِىْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۳۲۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دانتوں سے شکار کرنے والے درندوں اور پنجہ مار کر شکار کرنے والے پرندوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ دانتوں سے شکار کرنے والے جانوروں میں کتا، بلی، گیدڑ، شیر، چیتا، لومڑی وغیرہ آجاتے ہیں جو ہماری شریعت میں حرام ہیں۔ البتہ شریعت نے ان جانوروں کو حلال قرار دیا ہے جو گھاس چرتے ہیں اور ان کا مزاج انسانی مزاج کے قریب ہے۔ ان کو بہیمۃ الانعام کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ان میں اونٹ، گائے بیل، بھیڑ بکری وغیرہ شامل ہیں اور ان کا گوشت انسانی صحت کے لیے مضر نہیں بلکہ مفید ہوتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی خوراک کا اس کے اخلاق پر بڑا اثر پڑتا ہے جو شخص جیسی خوراک کھائیگا اس کے اخلاق بھی ویسے ہی مرتب ہوں گے۔ درندہ جانوروں کا گوشت کھانے سے انسان میں درندوں جیسی خصلتیں پیدا ہوں گی۔ پنجہ مار کر شکار کرنے والے پرندوں میں چیل، کوا، شکرا، باز وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی خصلت نوچنا، چھیننا، جھپٹنا ہے۔ تو ایسے پرندوں کا گوشت کھانے والے لوگوں میں بھی ایسے ہی خصائل پیدا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اخلاق کو پاک رکھنا چاہتا ہے لہٰذا اس نے انسان کیلئے اپنی ان چیزوں کا گوشت حلال قرار دیا ہے جو اس کی فطرت کے مطابق ہیں۔ ہماری شریعت نے گندی چیزوں کے کھانے سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ ایسی چیزیں کھانے سے انسان میں گندگی ہی پیدا ہوگی۔ چنانچہ اللہ نے ہر ایسی چیز کو حرام قرار دیا ہے جس میں روحانی یا جسمانی خباثت ہو۔ اللہ نے مردار کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اس کے کھانے سے روحانیت میں فساد پیدا ہوتا ہے دمِ مسفوح کے استعمال سے بھی انسان

میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ خنزیر تو ویسے ہی خبیث جانور ہے جس میں بے حیائی اور بے غیرتی پائی جاتی ہے، اس لیے وہ بھی حرام ہے۔ اور نذر لغیر اللہ کی وجہ سے بھی روح میں خباثت پیدا ہوتی ہے، لہٰذا اللہ نے ان چار چیزوں یعنی مردار، بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور نذر لغیر اللہ کو خاص طور پر حرام قرار دیا ہے۔ بہر حال اس حدیث میں درندہ جانوروں اور پنجہ مار کر شکار کرنے والے پرندوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

فجر کی سنتوں کی قرأت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِيْ رَكْعَتَيْهِ قَبْلَ الْفَجْرِ بِفَاتِحَةِ الْقُرْاٰنِ وَالْاٰيَتَيْنِ مِنْ خَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ وَفِي الرَّكْعَةِ الْاُخْرٰى بِفَاتِحَةِ الْقُرْاٰنِ وَ بِالْاٰيَةِ مِنْ اٰلِ عِمْرَانَ قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ حَتّٰى يَخْتِمَ الْاٰيَةَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۲۶۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات فجر کی سنتوں کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات تلاوت فرماتے اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ آل عمران کی آیت قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ...الخ پڑھتے تھے۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ......الخ اور دوسری رکعت میں یَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ .....الخ تیسری روایت کے مطابق آپ پہلی رکعت میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ان سورتوں کی تلاوت فرماتے۔ اسکے علاوہ آخری دو سورتوں معوذتین کا ذکر بھی ملتا ہے۔

کعب بن اشرف کی ہلاکت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَشٰى مَعَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ ثُمَّ وَجَّهَهُمْ وَ قَالَ انْطَلِقُوْا عَلَى اسْمِ اللّٰهِ وَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَعِنْهُمْ يَعْنِي النَّفَرَ الَّذِيْنَ وَجَّهَهُمْ اِلٰى كَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کعب بن اشرف یہودی کے قتل کے لیے ایک جماعت کو رخصت کیا اور ان کے ساتھ جنت البقیع تک تشریف لے گئے۔ پھر آپ نے مجاہدین کے حق میں دعا کی کہ اے اللہ! دشمن کے مقابلے میں ان کی مدد فرما۔

اللہ نے مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی۔ دشمن مغلوب ہوا، کعب بن اشرف ہلاک ہوا۔ یہ بڑا موذی دشمن اسلام اور دشمن انسانیت تھا۔ سود خور تھا اور لوگوں کی بہو بیٹیوں تک کو رہن رکھا کرتا تھا۔ اللہ نے اسکو ہلاک کیا تو یہ فتنہ فرو ہوا۔ یہ شخص غدار بھی تھا۔ میثاق مدینہ پر اس نے بھی دستخط کئے تھے اس کے باوجود کفار کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے آمادہ کرتا رہتا تھا۔

شہید کے لیے اخروی انعامات

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا اُصِیْبَ اِخْوَانُکُمْ بِاُحُدٍ جَعَلَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اَرْوَاحَھُمْ فِیْ اَجْوَافِ طَیْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ اَنْھَارَ الْجَنَّۃِ تَاْکُلُ مِنْ ثِمَارِھَا......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے جو بھائی جنگِ اُحد میں شہید ہوتے اللہ تعالےٰ نے اُن کی روحوں کو سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں بمنزلہ پالکیوں کے رکھ دیا ہے۔ وہ جنت کی نہروں پر جاتے ہیں اور وہاں کے پھل کھاتے ہیں۔ وَتَاْوِیْ اِلٰی قَنَادِیْلَ مِنْ ذَھَبٍ فِیْ ظِلِّ الْعَرْشِ۔ پھر وہ سونے کی بنی ہوئی ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ جو عرشِ الٰہی کے نیچے لٹک رہی ہیں۔ فَلَمَّا وَجَدُوْا طِیْبَ مَشْرَبِھِمْ وَمَاْکَلِھِمْ وَحُسْنَ مُنْقَلَبِھِمْ پھر جب انہوں نے خورد ونوش کی اچھی چیزیں اور اچھا ٹھکانا پایا تو خواہش ظاہر کی۔ یَا لَیْتَ اِخْوَانَنَا یَعْلَمُوْنَ بِمَا صَنَعَ اللّٰہُ لَنَا۔ کاش کہ ہمارے پیچھے رہنے والے بھائی جان سکتے کہ اللہ نے ہمارے لیے کیا کچھ انعامات مقرر کئے ہیں تاکہ وہ بھی جہاد میں سستی نہ دکھائیں اور نہ دورانِ جنگ دشمن کے سامنے بزدلی دکھائیں بلکہ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور شہید ہو کر ہم سے ان نعمتوں کے باغوں میں آملیں۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اَنَا اُبَلِّغُھُمْ عَنْکُمْ۔ میں تمہارے ان حالات کو تمہارے بھائیوں تک پہنچاتا ہوں چنانچہ اللہ تعالےٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ (آل عمران ۱۶۹)

جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں ان کے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔ ان کو اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل ہے اور انہیں اپنے پروردگار کے ہاں نعمتیں مل رہی ہیں۔

وہ خوش بخت ہیں اور اگر پچھلے بھی انہی کی روش پر چلیں گے تو وہ ان سے آملیں گے۔ اس طرح اللہ نے پچھلے لوگوں کو شہداء کی اچھی حالت سے آگاہ کر دیا۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ شہداء جنت کی نہر کے دروازے پر واقع قبے میں سے نکلتے ہیں اور انہیں صبح و شام خدا تعالیٰ کی طرف سے نہایت ہی عزت والی روزی نصیب ہوتی ہے اور وہ بہت ہی خوش ہوتے ہیں۔

دس ہزار قدسیوں کی جماعت

عن عبد اللہ بن عباس قال ثم مضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لسفرہ واستخلف علی المدینۃ ابارھم کلثوم بن حصین بن عتبۃ بن خلف الغفاری و خرج لعشر مضین من رمضان و صام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صام الناس معہ ......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام سفر پر تشریف لے گئے جو کہ "فتح مکہ" کا سفر تھا اور پیچھے ابارھم کلثوم بن حصین بن عتبہ بن خلف الغفاریؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ رمضان کے دس دن گزر چکے تھے۔ حضور علیہ السلام نے روزہ رکھا ہوا تھا اور باقی لوگ بھی روزے سے تھے۔ راستے میں جب کدید کے مقام پر پہنچے جو کہ عسفان اور امج کے درمیان ایک جگہ ہے تو حضور علیہ السلام نے روزہ افطار کر لیا مرالظہران پر جاکر پڑاؤ ڈالا جو مکے کے قریب ایک جگہ ہے کان فی عشرۃ الاف من المسلمین۔ اس سفر میں نبی علیہ السلام کے ساتھ دس ہزار مسلمانوں کی جماعت تھی۔ یہ وہی دس ہزار ہیں جن کا ذکر اللہ نے توراۃ میں کیا کہ وہ فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کی جماعت میں افسوس کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے یہ لفظ تبدیل کر دیا ہے اور اس کی بجائے لاکھوں قدسی لکھ دیا ہے اور اس طرح تورات کی سچی پیشین گوئی کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے۔ پیشین گوئی میں یہ بھی تھا کہ اس کے دائیں ہاتھ پر آتشین شریعت ہوگی، وہ دنیا کی قوموں سے محبت کرنے والا ہوگا اور اقوامِ عالم اسکے قدموں میں جمع ہوں گی۔

حضور علیہ السلام مرالظہران کے مقام پر ٹھہرے پھر لشکر کو ترتیب دیکر تین طرف سے مکہ پر چڑھائی کرنیکا حکم دیا۔ صرف خالد بن ولیدؓ کی کمانڈ والی طرف مکے کے کچھ لوگوں نے مقابلہ کیا

تھا مگر وہ بھی مارے گئے اور اس طرح حضور علیہ السلام اور آپکے جاں نثار پر امن طریقے سے مکے میں داخل ہو گئے کسی خاص لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور مکہ دار الکفر کی بجائے ہمیشہ کے لیے دار الاسلام بن گیا۔ ترمذی شریف کی روایت کے مطابق فرمایا آج کے بعد مکے پر چڑھائی نہیں کی جاتے گی بلکہ اہلِ مکہ ہی دوسرے ملکوں پر چڑھائی کریں گے۔ اللہ نے مکہ کو ہمیشہ کے لیے مرکزِ اسلام بنا دیا۔

حضرت میمونہ بنت الحرث رض سے نکاح

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَیْمُوْنَۃَ بِنْتَ الْحَرِثِ فِیْ سَفَرِہٖ وَ ھُوَ حَرَامٌ

(مسند احمد طبع بیروت جلد صفحہ ۲۶۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے میمونہ بنت الحرثؓ کے ساتھ دورانِ سفر نکاح کیا جبکہ آپ احرام کی حالت میں تھے دوسری روایت میں تفصیل بھی موجود ہے کہ یہ نکاح سرف کے مقام پر دوران قیام ہوا تھا ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ام المؤمنین میمونہؓ کی وفات بھی اسی مقام پر سفر کے دوران قیام کرنے پر ہوئی۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ا[illegible] حالت میں نکاح کرنا روا ہے آپ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں بعض روایات [illegible]م ہوتا ہے کہ احرام کی حالت میں نکاح نہیں کرنا چاہیئے جس کا مطلب یہ [illegible] ایسا [illegible] بہتر نہیں ہے تاکہ آدمی کسی خطرے میں مبتلا نہ ہو جائے۔ وگرنہ نکاح کرنا روا ہے۔

احرام کی حالت میں وفات

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ ذُكِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ وَ قَصَتْهُ رَاحِلَتُهٗ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَقَالَ كَفِّنُوْهُ وَلَا تُغَطُّوْا رَأْسَهٗ وَلَا تُمِسُّوْهُ طِيْبًا فَاِنَّهٗ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ هُوَ يُلَبِّىْ اَوْ وَهُوَ يُهِلُّ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۲۶۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حج کے موقعہ پر حضور علیہ السلام کے ایک صحابی منیٰ کے مقام پر اونٹنی سے گر کر وفات پا گئے۔ یہ حضرت سعد بن خولہؓ تھے جو احرام کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے اس پر افسوس کا اظہار کیا اور دعا فرمائی، اے اللہ مکہ سے ہجرت کرنے والے میرے صحابہؓ کی ہجرت کو جاری فرما یعنی ان کی ہجرت کسی طریقے سے باطل نہ ہو۔ فرمایا سعد ابن خولہؓ اس لحاظ سے مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہے کہ اس نے جہاں سے ہجرت کی تھی اس کی موت اسے وہیں لے آئی۔ اس لیئے مہاجر کو ہجرت والی جگہ پر ٹھہرنے کی اجازت نہیں کہ اسی مقام پر موت آجانے سے اسکی ہجرت باطل ہو جاتی ہے۔ اس واقعہ میں مجبوری تھی کہ حضرت سعد حج کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے ان کی ہجرت باطل تو نہیں ہوئی تھی مگر پھر بھی ہجرت والے مقام پر دفن ہونا کوئی اچھی بات معلوم نہیں ہوتی۔ مہاجرین کو حج کے بعد تین دن سے زیادہ مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں تھی۔ مقصد یہی تھا کہ کسی طریقے سے ان کی ہجرت باطل نہ ہو جائے۔

جب یہ صحابیؓ احرام کی حالت میں فوت ہو گئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، اسکو کفن پہنا دو، اسکے سر کو نہ ڈھانپو اور خوشبو بھی نہ لگاؤ۔ یہ شخص قیامت والے دن لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ پکارتا ہوا اٹھے گا۔ اس بارے میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے کہ کیا ہر محرم کے لیے یہی حکم ہے کہ اس کا سر نہ ڈھانپا جائے؟ امام ابو حنیفہؒ اور بعض دوسرے آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ وفات ہوتے

ہی کسی شخص کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔ لہذا اب اسکے احرام کی حالت باقی نہیں رہی، ایسے شخص کو غسل دیا جائیگا کفن پہنایا جائیگا اور سر بھی ڈھانپا جائیگا حضرت سعدؓ کے متعلق حضور علیہ السلام نے جو حکم دیا وہ ان کے ساتھ خاص ہے یہ عام قانون نہیں ہے۔ چنانچہ موطا امام محمد میں یہ روایت موجود ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ اپنے بیٹے سمیت احرام کی حالت میں سفر پر تھے۔ بیٹا اسی حالت میں فوت ہو گیا تو عام اموات کی طرح اس کو کفن پہنایا گیا اور جنازہ پڑھا گیا۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اگر ہم احرام میں نہ ہوتے تو اسکو خوشبو بھی لگاتے۔ آپ نے تین کپڑوں کا کفن دیا اور سر بھی ڈھانپا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ حکم اس صحابی کی خصوصیت تھی۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّۃَ لَا ھِجْرَۃَ یَقُوْلُ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰکِنْ جِھَادٌ وَّنِیَّۃٌ وَّاِنِ اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۶)

حضرت عبد اللہ عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ آج کے بعد ہجرت نہیں ہے جب مکہ دار الکفر تھا تو اس وقت اہل ایمان کے لیے وہاں سے ہجرت کر جانا ضروری ہو گیا مگر اب جبکہ یہ شہر دار الاسلام میں تبدیل ہو چکا ہے یہاں سے ہجرت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی فائدہ ہے۔ ہجرت تو اس وقت فرض ہوتی ہے جب کسی جگہ مسلمان اس قدر مغلوب ہو جائیں کہ دینی شعار بھی ادا نہ کر سکیں۔ ایسے حالات میں جو ہجرت نہیں کرتا وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کے لیے جہنمی ہونے کی وعید سنائی گئی ہے۔ مسلمانوں پر کئی ایک ایسے مواقع آئے ہیں جب انہیں ہجرت پر مجبور ہونا پڑا۔ جب اندلس میں عیسائیوں کا اس قدر غلبہ ہو گیا کہ اکثر مسلمان مارے گئے کچھ تو عیسائی بنا لیے گئے اور دو کروڑ میں سے صرف گیارہ ہزار باقی رہ گئے ۱۹۱۷ء کے انقلاب میں روس کے علاقہ بخارا میں بھی ایسا ہی ہوا اور لوگوں کو وہاں سے ہجرت کرنا پڑی، بعض مکے چلے گئے اور بہت سے لوگ ہندوستان آ گئے بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے دن ہجرت نہیں ہے مگر جہاد اور نیت ہے جہاد ہمیشہ رہے گا تم اپنی نیت درست رکھو کہ جب بھی اللہ کا حکم آئیگا اس کی تعمیل کرنے پر ہر وقت تیار ہونگے۔ جب بھی جہاد کے لیے کہا جائے تو پس و پیش نہ کرو بلکہ فوراً تیار ہو جاؤ کہ اللہ نے اسی میں بہتری رکھی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کیلئے خصوصی دعا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَعَ یَدَہٗ عَلٰی کَتِفِیْ اَوْ عَلٰی مَنْکِبِیْ شَکَّ سَعِیْدٌ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاْوِیْلَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دعا کی، اے اللہ! اس کو دین میں سمجھ عطا فرما اور اس کو قرآن پاک کی تفسیر سکھلا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت ابن عباسؓ کو تفسیر میں وہ ملکہ عطا کیا جو کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہیں ہوا۔ جب تک آپ اس دنیا میں زندہ رہے لوگوں کو تفسیر پڑھاتے رہے بڑے بڑے صحابہ کرامؓ اس مقصد کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ تابعین میں سے حضرت مجاہدؒ جیسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے آپ سے تیس تیس مرتبہ قرآن پاک کی تفسیر پڑھی۔ آپ سید المفسرین ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ آپ نعم ترجمان القرآن یعنی آپ قرآن کی بہترین ترجمانی کرنے والے ہیں حالانکہ آپ خود بھی صاحب علم صحابی ہیں اور قرآن کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ حضرت ابن عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ان کی عمر صرف دس سال تھی۔

*

حجر اسود کی گواہی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِهٰذَا الْحَجَرِ لِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ يَشْهَدُ لِمَنِ اسْتَلَمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِحَقٍّ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت والے دن حجر اسود کی زبان ہوگی اور دو ہونٹ ہوں گے۔ جس شخص نے دنیا میں سچائی کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا یا بوسہ دیا ہوگا اسکے حق میں بارگاہِ الٰہی میں گواہی دیگا۔

بیت اللہ شریف کا طواف حجر اسود سے شروع کر کے یہیں ختم کیا جاتا ہے ہر چکر کے آغاز میں اس کا استلام ضروری ہے اس کو بوسہ دیا جائے یا ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چوم لیا جائے یا کسی چھڑی وغیرہ سے چھو کر چھڑی کو چوم لیا جائے یہ پتھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے اس مقام پر نصب ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ یہ پتھر آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی جنت سے آیا تھا اس وقت یہ سفید تھا مگر انسانوں کے گناہوں کا اثر اس پر بھی پڑا اور یہ سیاہی مائل ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی مثال

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَاہُ فِیْمَا یَرَی النَّائِمُ مَلَکَانِ فَقَعَدَ اَحَدُھُمَا عِنْدَ رِجْلَیْہِ وَالْاٰخَرُ عِنْدَ رَأْسِہٖ فَقَالَ الَّذِیْ عِنْدَ رِجْلَیْہِ لِلَّذِیْ عِنْدَ رَأْسِہٖ اِضْرِبْ مَثَلَ ھٰذَا وَ مَثَلَ اُمَّتِہٖ.....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دو فرشتے دیکھے جو آپ کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک آپکے پاؤں کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا سر کی طرف۔ پھر ان فرشتوں نے آپس میں گفتگو شروع کی۔ پاؤں کی طرف بیٹھنے والے فرشتے نے سر کی طرف بیٹھنے والے فرشتے سے کہا کہ حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کی مثال بیان کرو۔ تو سرہانے والے فرشتے نے کہا کہ آپ کی اور آپ کی امت کی مثال کَمَثَلِ قَوْمٍ سَفْرٍ اِنْتَھَوْا اِلٰی رَأْسِ مَفَازَۃٍ فَلَمْ یَکُنْ مَعَھُمْ مِنَ الزَّادِ یَقْطَعُوْنَ بِہِ الْمَفَازَۃَ۔ سفر کرنے والے کچھ لوگوں کی سی ہے جو دوران سفر ایک بیابان کے کنارے پہنچے ہوں اور ان کے پاس توشہ (کھانے پینے کا سامان) بھی نہ ہو کہ جس کے سہارے وہ اس بیابان کو عبور کر سکیں۔ یا واپس اپنے ٹھکانے تک ہی پہنچ سکیں۔ اتنے میں ایک شخص دھاریدار سوٹ پہنے پہنے آیا اور آکر ان لوگوں سے کہنے لگا۔ اَرَاَیْتُمْ اِنْ اَرَدْتُّ بِکُمْ رِیَاضًا مُعْشِبَۃً وَحِیَاضًا رِوَاءً اَنْ تَتَّبِعُوْنِیْ۔ دیکھو! تم یہاں پریشانی کے عالم میں ہو۔ اگر میں تمہیں گھاس والے باغوں اور حوضوں اور سرسبز جگہ کی طرف لے جاؤں تو کیا تم میری پیروی کروگے؟ انہوں نے جواب دیا ہم یقیناً ایسی جگہ کی طرف تمہارا اتباع کریں گے۔ فَانْطَلَقَ بِہِمْ۔ چنانچہ وہ شخص انہیں گھاس والے باغات، حوضوں اور سرسبز جگہ پر لے گیا۔ وہاں ضرورت کی ہر چیز مہیا تھی۔ مسافروں نے وہاں سے حسب ضرورت کھایا پیا اور خوب فربہ ہوگئے حتیٰ کہ ان کے جانوروں کی ضروریات

بھی پوری ہوگئیں۔

پھر وہ شخص کہنے لگا اَلَمْ اَلْقَکُمْ عَلٰی تِلْکَ الْحَالِ۔ کیا میں تمہیں ایک ایسی جگہ پر نہیں ملا تھا جو بہت ہی خطرناک تھی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ تو سچ کہتا ہے ہم واقعی بہت بری حالت میں تھے پھر وہ کہنے لگا، کیا میں نے تم سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تمہیں ایسی جگہ لے جاتا ہوں جہاں تمہارے لیے ہر چیز میسر ہوگی؟ انہوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ پھر میں تمہیں اس مقام تک لے آیا، کیا یہ درست نہیں ہے؟ وہ کہنے لگے، بالکل صحیح بات ہے۔ پھر وہ شخص کہنے لگا کہ اب میں تمہیں اس سے بھی اچھی جگہ پر لے جانا چاہتا ہوں کیا تم میری بات مانو گے؟ وہ ایسی جگہ ہے جہاں ان باغوں سے اچھے باغ اچھے حوض اور اچھا سبز مقام ہے۔ اس پر یہ لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ نے کہا کہ ہم اس شخص کی بات مان کر اچھی جگہ پر جانے کے لیے تیار ہیں کیونکہ اس نے پہلے بھی صحیح بات کی ہے اور اب بھی یہ غلط نہیں کہتا۔ اسکے برخلاف دوسرا گروہ کہنے لگا کہ ہماری ضرورت کی تمام چیزیں یہاں موجود ہیں لہذا ہمیں اس شخص کے ساتھ آگے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم یہیں رہیں گے۔

حضور علیہ السلام نے اپنی اور اپنی امت کی یہ مثال فرشتوں کی زبانی خواب میں سنی۔ پہلا مقام دنیا ہے جہاں پر تمام اشیائے ضرورت میسر ہیں اور ایک گروہ اسی کو اپنا مستقل ٹھکانا بنانا چاہتا ہے اور دوسرا مقام جہاں وہ شخص مزید آگے لیجانا چاہتا ہے آخرت کا مقام ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپکے اتباع سے حاصل ہوتا ہے مگر لوگوں کے ایک گروہ نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ جنہوں نے بات مان لی وہ یقیناً کامیابی کے مقام تک پہنچ جائیں گے۔ اس طرح اللہ نے فرشتوں کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی حیثیت سمجھا دی۔

حج اور عمرہ کا تلبیہ

عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ مُزَاحِمٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِذَا لَبَّى يَقُولُ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ وَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنْتَهِ إِلَيْهَا فَإِنَّهَا تَلْبِيَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۷)

حضرت ضحاک بن مزاحمؒ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ حج یا عمرہ کا احرام باندھتے تو اس طرح تلبیہ پکارتے لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ۔ حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے میں حاضر ہوں۔ بیشک تمام تعریفیں اور نعمتیں اور بادشاہی تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ خود حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر یہی تلبیہ پڑھا کرتے تھے۔

تلبیہ احرام باندھ کر شروع کیا جاتا ہے اور عمرہ کی صورت میں حجر اسود پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اگر احرام حج کے لیے ہو تو یہ تلبیہ دس تاریخ کو جمرہ عقبیٰ پر پہنچ کر ختم کر دیا جاتا ہے اس دوران چلتے پھرتے، چڑھائی چڑھتے، نیچے اترتے، نمازوں کے بعد ایک دوسرے سے ملتے وقت یہ تلبیہ بلند آواز سے پکارا جاتا ہے۔

منافقین کی کذب بیانی

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ حَدَّثَهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ظِلِّ حُجْرَةٍ مِنْ حُجَرِهٖ وَعِنْدَهٗ نَفَرٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَدْ كَادَ يَقْلِصُ عَنْهُمُ الظِّلُّ قَالَ فَقَالَ اِنَّهٗ سَيَأْتِيْكُمْ اِنْسَانٌ يَنْظُرُ اِلَيْكُمْ بِعَيْنَيِ الشَّيْطَانِ فَاِذَا اَتَاكُمْ فَلَا تُكَلِّمُوْهُ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ایک حجرے کے سائے میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ سایہ تھوڑا تھا مگر لوگ زیادہ تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ابھی تمہارے پاس ایک آدمی آئیگا گویا کہ وہ شیطانی آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہا ہو یعنی خطرناک حالت میں ہو گا۔ فرمایا جب وہ آدمی تمہارے پاس آئے تو تم اس کے ساتھ کوئی گفتگو نہ کرنا۔ اللہ تعالےٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو یہ خبر دی تھی تھوڑی دیر بعد نیلگوں آنکھوں والا ایک شخص آیا۔ اللہ نے قرآن میں تبلایا ہے کہ جہنمیوں کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی۔ جو کہ بدصورتی کی علامت ہے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے اس نووارد شخص سے فرمایا۔ لِمَ تَشْتِمُنِيْ اَنْتَ وَفُلَانٌ وَ فُلَانٌ نَفَرٌ دَعَاهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ تم اور فلاں فلاں آدمی مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو، آپ نے ان آدمیوں کے نام بھی لیے۔ وہ شخص فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ان آدمیوں کو بلا لایا جن کے نام حضور علیہ السلام نے لیے تھے۔ فَحَلَفُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَذَرُوْا اِلَيْهِ۔ انہوں نے اللہ کی قسمیں اٹھائیں کہ وہ آپ کو گالیاں نہیں دیتے اور اپنا عذر پیش کیا۔ دراصل یہ نیلگوں آنکھوں والا آدمی اور اس کے ساتھی منافق تھے اور در پردہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ انہوں نے مسلمان ہونے کا یقین دلانا چاہا مگر اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں یہ آیات نازل فرما کر ان کی خباثت

کا پردہ چاک کر دیا۔ فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ (المجادلہ - ۱۸)

یہ تمہارے سامنے قسمیں اٹھا کر کہیں گے کہ ان کی روش ٹھیک ہے حالانکہ وہ غلط ہیں اللہ نے فرمایا، یہ جھوٹے ہیں ان پر اعتماد نہ کر۔

یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے خود دیکھا جس میں منافقوں کا پردہ فاش کر کے ان کی مذمت بیان کی گئی ہے اور اہل ایمان کو ان سے خبردار رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

سائل کی حاجت بر آری

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ حَاجَتُهُمَا وَاحِدٌ فَتَكَلَّمَ اَحَدُهُمَا فَوَجَدَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِيْهِ اِخْلَافًا فَقَالَ لَهُ اَلَا تَسْتَاكُ فَقَالَ اِنِّيْ لَاَفْعَلُ وَلٰكِنِّيْ لَمْ اَطْعَمْ طَعَامًا مُنْذُ ثَلَاثٍ فَاَمَرَ بِهِ رَجُلًا فَاٰوَاهُ وَقَضٰى لَهُ حَاجَتَهُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں دو آدمی حاضر ہوئے جنکا مقصد ایک ہی تھا یعنی ایک ہی ضرورت کے تحت آئے تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے نبی علیہ السلام کے ساتھ بات چیت کی تو حضور علیہ السلام نے اس کے منہ سے کچھ بدبو سی محسوس کی۔ آپ نے فرمایا کیا تو مسواک نہیں کرتا کیونکہ مسواک تو خَيْرُ خِصَالِ الْمُؤْمِنِ اَوْصَانِيْ بِهٖ۔ مسواک تو ایک مومن یا روزے دار کی بہترین خصلتوں میں سے ہے۔ آپ کا یہ فرمان بھی ہے کہ اگر مجھے امت کے بارے میں حرج میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز سے پہلے مسواک کو فرض قرار دے دیتا۔

بہر حال جب حضور علیہ السلام نے اس شخص سے مسواک کے بارے میں سوال کیا تو وہ کہنے لگا، حضور! مسواک تو میں باقاعدگی سے کرتا ہوں، اصل بات یہ ہے کہ میں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا جس کی وجہ سے میرے معدے سے یہ بو اٹھ رہی ہے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے ایک دوسرے آدمی سے کہا کہ اس کو اپنے ساتھ لیجا کر ٹھہراؤ اور اس کی حاجت بر آری کرو۔ تعمیل حکم میں وہ شخص اسے اپنے ہمراہ لے گیا، اپنے پاس ٹھہرایا، اسکو کھانا کھلایا اور اس کی دیگر ضرورت بھی پوری کر دی۔

آدمی کے سینے میں ایک ہی دل ہے

قَالَ قُلْنَا لِابْنِ عَبَّاسٍ اَرَاَيْتَ قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ مَا عَنٰى بِذٰلِكَ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا يُصَلِّيْ قَالَ فَخَطَرَ خَطْرَةً فَقَالَ الْمُنَافِقُوْنَ الَّذِيْنَ يُصَلُّوْنَ مَعَهٗ اَلَا تَرَوْنَ لَهٗ قَلْبَيْنِ.......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلدا صفحہ ۲۶۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں نے آپ سے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ (احزاب - ۴) کہ اُس نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے تو اس سے کیا مراد ہے اور یہ آیت کن حالات میں نازل ہوئی۔ آپ نے جواب دیا کہ ایک موقع پر نبی علیہ السلام نماز پڑھا رہے تھے تو آپ کچھ بھول گئے۔ یہ جان کر نماز میں شریک منافق کہنے لگے کہ اس شخص (نبی علیہ السلام) کے دو دل ہیں جن میں سے ایک تمہارے ساتھ اور دوسرا (نعوذ باللہ) شیاطین وغیرہ کے ساتھ لگا ہوا ہے جس کی وجہ سے آپ بھول گئے ہیں اس پر اللہ تعالےٰ نے مذکورہ آیت نازل فرما کر واضح کر دیا کہ انسان کے سینے میں دل تو ایک ہی ہوتا ہے۔ جو ہمیشہ بائیں طرف الٹی حالت میں لٹک رہا ہے دنیا میں شاذ و نادر ہی دیکھا گیا ہے کہ کسی شخص کا دل بائیں کی بجائے اسکے سینے میں دائیں طرف ہو۔ اس کی مثال جامع اسلامیہ عمر آباد (مدراس) کے مہتمم کاکا ابراہیم تھے جن کا دل دائیں طرف تھا۔ دل انسانی جسم کا اہم ترین جزو ہے۔ دل کے علاوہ دماغ اور جگر بھی اہم اجزاء ہیں اور یہ تینوں مل کر اعضائے رئیسہ کہلاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک جزو بھی خراب ہو جائے تو سارا جسم درہم برہم ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر قلب کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ ایمان اور کفر قلب ہی میں ہوتے ہیں۔ محبت و نفرت کے جذبات اور تمام اچھے اور برے اخلاق کا

مرکز بھی قلب ہی ہے۔ دل ایک ہی ہوتا ہے لہذا انسان بیک وقت ایک ہی طرف توجہ دے سکتا ہے اور دو کام نہیں کر سکتا۔

نمازِ استسقاء کا طریقہ

قَالَ بَعَثَ الْوَلِيْدُ يَسْأَلُ ابْنَ عَبَّاسٍ كَيْفَ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ فَقَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَبَذِّلًا مُتَخَشِّعًا فَاَتَى الْمُصَلّٰى فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَمَا يُصَلِّيْ فِي الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۹)

ایک دفعہ ولیدؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ دریافت کرنے کے لیے آدمی بھیجا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز استسقاء کس طرح ادا فرمائی تھی۔ ولیدؒ اس وقت گورنر تھا اور بارش کے لیے کی جانے والی دعا اور نماز کا طریقہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ یہ دراصل گناہوں سے استغفار کرنے کے لیے نماز پڑھی جاتی ہے تاکہ اللہ تعالےٰ مہربانی فرما کر مخلوق کی سیرابی کے لیے بارش برسا دے۔

جب ولیدؒ کا ایلچی حضرت ابن عباسؓ کے پاس پہنچا تو آپ نے اسے بتلایا کہ حضور نبی کریم نماز استسقاء کے لیے معمولی لباس میں نہایت عاجزی کے ساتھ باہر نکلے اور نماز عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی طرح دو رکعت نماز ادا کی۔ بعض ائمہ کرام نماز استسقاء کو سنت قرار دیتے ہیں جب کہ امام ابو حنیفہؒ اسے مستحب کہتے ہیں۔ اگر بغیر دو رکعت نماز پڑھے بھی بارش کے لیے دعا کی جائے۔ تو یہ بھی درست ہے۔ اسی طرح کسی بھی فرض نماز یا جمعہ کی نماز کے بعد بھی اللہ رب العزت سے بارش کے لیے دعا کی جا سکتی ہے۔ اور اگر بستی سے باہر نکل کر دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی جائے تو بھی ٹھیک ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔ استسقاء کے یہ سارے طریقے درست ہیں۔ البتہ فقہاء کرام اور محدثین عظام فرماتے ہیں کہ اس مقصد کے لیے نہایت عاجزی کے ساتھ باہر نکلنا چاہیئے اور کسی غیر مسلم کو ساتھ نہ لیجائیں۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے استسقاء کے لیے اتنے لمبے ہاتھ

اٹھا کر دعا کی کہ ایسا کسی اور موقع پر نہیں کیا۔ آپ نے ہاتھ الٹے کر کے بھی دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کی طرح موسمی حالات کو بھی پلٹی دے دے اور قحط دور ہو جائے۔ بعض روایات میں چادر کو پلٹنے کا ذکر بھی آتا ہے۔ بعض ائمہ کہتے ہیں کہ چادر کے دونوں کناروں کو پکڑ کر اوپر والا نیچے اور نیچے والا اوپر، اندر والا باہر اور باہر والا اندر کر کے دعا کی جائے تو یہ بھی صحیح ہے۔ اسکو قلب ردا کہتے ہیں۔

شعروشاعری اور بیان کی حقیقت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکَمًا وَ مِنَ الْبَیَانِ سِحْرًا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۲۶۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اور بعض بیانات جادو کا سا اثر رکھتے ہیں۔ شعروشاعری مطلقاً تو قبیح نہیں ہے تاہم جب لوگ اسکا غلط استعمال کرتے ہیں تو یہ قبیح بن جاتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کَلَامٌ حَسَنُہٗ حَسَنٌ وَ قَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ شعر ایک کلام ہے جو اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو بُرا ہے وہ بُرا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ کسی شخص کا اپنے پیٹ میں پیپ ڈال لینا اس بات سے بہتر ہے کہ وہ کوئی بداخلاقی، عریانی اور فحاشی والا گندہ شعر اپنی زبان سے ادا کرے۔ سورۃ الشعراء میں اللہ کا فرمان ہے کہ اکثر شاعروں کے پیچھے گمراہ لوگ ہی چلتے ہیں جو تالیاں بجاتے اور واہ واہ کرتے ہیں اور ان میں اکثر بے عمل ہوتے ہیں البتہ ایمان والے اس سے مستثنیٰ ہیں جو اچھے شعر کہتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا رومؒ کی مثنوی میں علم و حکمت کی بہت سی باتیں موجود ہیں۔ ہمارے قومی شاعر اقبالؒ کے کلام میں بھی اکثر اچھی باتیں ملتی ہیں انہوں نے اسلام کے بارے بہت اچھی باتیں کی ہیں۔ الغرض فرمایا کہ بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اور بعض بیانات جادو کی طرح مؤثر ہوتے ہیں۔

متعدی بیماری شگون اور ہام کی نفی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ وَلَا صَفَرَ وَلَا ھَامَ ..... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۲۶۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو متعدی بیماری کوئی چیز ہے، نہ شگون کی کچھ حقیقت ہے اور نہ صفر اور ہام والا عقیدہ درست ہے۔

عدوی متعدی بیماری کو کہتے ہیں جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے اور پھر یہ وسیع پیمانے پر پھیل کر تباہی مچاتی ہے یہ باطل عقیدہ ہے ویسے ہر شخص کو حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنی چاہیئے۔ اور ہر بیماری سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہر جان کو پیدا کیا ہے تو اس کے ساتھ اس کی بیماری عوارضات اور موت کو بھی پیدا کیا ہے۔ اور یہ سلسلہ ابتدا سے چلا آرہا ہے ایک اور روایت میں یہ بھی آتا ہے۔ فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ کَفِرَارِكَ مِنَ الْاَسَدِ جذامی آدمی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے ڈر کر بھاگتے ہو۔ جذام کو بھی متعدی بیماری خیال کیا جاتا ہے اور حضور علیہ السلام نے اس سے الگ رہنے کی تعلیم دی ہے یہ محض عقیدے کی صحت کے لیے حکم دیا گیا ہے تاکہ اگر کسی شخص کو جذام کی بیماری لگ جائے تو وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ میں فلاں جذامی کے ساتھ ملا تھا جس کی وجہ سے مجھے یہ بیماری لاحق ہو گئی ہے۔ ایک جذامی آدمی طواف کرنے کے لیے آیا حضور علیہ السلام نے فرمایا گھر میں بیٹھو، تمہارے یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُدھر ترمذی شریف کی روایت میں یہ بھی آتا ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک جذامی آدمی آگیا۔ آپ نے اسے بلا جھجک کھانے میں شامل کر لیا۔ اس شخص نے ہچکچاہٹ محسوس کی مگر آپ نے فرمایا،

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد رکھتے ہوئے کھاؤ۔ چونکہ یہاں پر عقیدے کی خرابی کا کوئی خطرہ نہیں تھا، اس لیئے آپ نے جذامی سے کراہت محسوس نہ کی بلکہ اسے اپنے ساتھ کھانے میں شامل کر کے واضح کر دیا کہ کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی اور جہاں جاہل لوگوں کے عقیدے میں خرابی آنے کا خطرہ ہے وہاں ایسے مریض سے الگ رہنے کی تعلیم دی ہے فرمایا اگر یہ بیماری تمہارے حصے میں بھی لکھی ہوئی ہے تو اس کی نسبت اس شخص کی طرف نہ کی جائے کیونکہ جس ذات نے اس شخص کو اس بیماری میں مبتلا کیا ہے اسی نے تمہیں بھی کر دیا ہے۔

اس حدیث میں دوسری بات یہ بیان فرمائی ہے۔ وَلَا طِیَرَۃَ اور شگون لینے والا عقیدہ بھی باطل ہے بعض لوگ جانوروں کو اڑا کر شگون لیتے ہیں۔ اگر پرندہ دائیں طرف اڑا تو نیک شگون اور اگر بائیں طرف گیا تو اسکو برا شگون سمجھ کر کام ترک کر دیا۔ دوسری روایت میں آتا ہے اَلطِّیَرَۃُ مِنَ الشِّرْکِ شگون لینا شرک کرنے کے مترادف ہے لہٰذا کسی مسلمان کو شگون نہیں لینا چاہیئے۔

تیسری بات فرمایا کہ صفر کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے ہمارے ہاں صفر کا مہینہ منحوس تصور کیا جاتا ہے کہ اس ماہ کی تیرہ تاریخ تک حالات خراب رہتے ہیں۔ یہ بھی مشرکانہ عقیدہ ہے آگے حدیث میں سماک کا یہ بھی بیان آتا ہے۔ اَنَّ الصَّفَرَ دَآبَّۃٌ تَکُوْنُ فِی بَطْنِ الْاِنْسَانِ۔ بعض نادان قسم کے لوگ سمجھتے ہیں کہ کوئی جانور انسان کے پیٹ میں گھس جاتا ہے انسان جتنا بھی کھانا کھائے وہ جانور کھاتا جاتا ہے اور خود آدمی کا پیٹ نہیں بھرتا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں آدمی کے پیٹ میں جن گھسا بیٹھا ہے جو اسکا سارا کھانا کھا جاتا ہے۔ بعض جن انسانوں کو چمٹ کر تنگ تو کرتے ہیں مگر یہ اندر گھسنے والی بات غلط اور باطل عقیدہ ہے۔

فرمایا وَلَا ھَامَ اور ہام بھی کچھ نہیں ہے۔ مشرک لوگ اعتقاد رکھتے تھے کہ اگر کسی مقتول کا قصاص نہ لیا جائے تو اسکے سر میں سے ایک جانور نکل کر آوازیں دیتا ہے۔ اُسْقُوْنِیْ اُسْقُوْنِیْ میں پیاسا ہوں مجھے سیراب کرو، یعنی میرے قتل کا انتقام لو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، یہ بھی غلط اعتقاد ہے۔ کوئی جانور قصاص کے لیئے واویلا نہیں کرتا اسکے علاوہ ہام الو کو بھی کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جہاں یہ پرندہ بیٹھتا ہے وہاں ویرانی ڈال دیتا ہے یہ خیال بھی باطل ہے الو بھی دیگر جانوروں کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہے اور نحوست اور ویرانی اس کی خصوصیت

نہیں ہے۔

جب حضور علیہ السلام نے اتنی باتیں کیں تو ایک شخص کہنے لگا اللہ کے رسول! تکون فی الابل الجربۃ فی المائۃ فتجربھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی مگر ہمارا تجربہ یہ ہے کہ کھجلی والے ایک اونٹ کو سو صحت مند اونٹوں میں چھوڑ دیا جائے تو یہ بیماری سب کو لگ جاتی ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا فمن اعدی الاول۔ بھلے آدمی! اگر اس ایک اونٹ کی بیماری باقیوں کو لگی ہے تو اس پہلے اونٹ کو کس نے اس عارضہ میں مبتلا کیا؟ ظاہر ہے کہ جس ذات نے پہلے ایک اونٹ کو بیماری لگائی وہی باقی سو اونٹوں کو لگانے پر بھی قادر ہے۔ مطلب یہ کہ کوئی ایک بیمار اپنی بیماری دوسرے کو نہیں لگاتا بلکہ بیماری لگانے اور دور کرنے والی ذات خداوندی ہے غرضیکہ متعدی بیماری کا خیال باطل ہے

چٹائی پر نماز پڑھنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلَى الْخُمْرَةِ۔

(مسند احمد جلد ا صفحہ ۲۶۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چٹائی یا مصلّٰے پر نماز ادا فرماتے ہیں۔ زمین پر کپڑا، مصلّٰی یا کوئی چٹائی وغیرہ بچھا کر عام طور پر نماز پڑھی جاتی ہے اور یہ حضور علیہ السلام کے عمل کے مطابق ہے تاہم امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چٹائی کی بجائے خالی زمین پر نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

جانوروں کو دوڑانے کی ممانعت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَا فَاضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . . . عَرَفَتَهٖ وَ اَمَرَهُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَالْوَقَارِ فَاِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِاِيْجَافِ الْاِبِلِ وَالْخَيْلِ . . . . الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حج کے موقع پر جب نبی علیہ السلام عرفات سے واپس ہوئے تو لوگوں کو حکم دیا کہ لوگو! آرام اور وقار کے ساتھ چلو کیونکہ جانوروں یعنی اونٹوں اور گھوڑوں کو دوڑانا کوئی نیکی کا کام نہیں ہے اس وقت آپکے پیچھے حضرت اسامہؓ سوار تھے حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد میں نے کسی شخص کو اپنی سواری کا جانور دوڑاتے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ سب مزدلفہ میں پہنچ گئے۔

کہتے ہیں کہ ثُمَّ اَرْدَفَ الْفَضْلَ ابْنَ عَبَّاسٍ مِنْ جَمْعٍ اِلٰى مِنًى ۔ پھر جب سب لوگ مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے تو حضور علیہ السلام نے اپنے پیچھے سواری پر فضل بن عباسؓ کو بٹھایا ہوا تھا۔ اس وقت بھی آپ نے یہی فرمایا۔ لوگو! آرام اور وقار کے ساتھ چلو یعنی اپنی سواریوں کو دوڑانے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ اونٹوں اور گھوڑوں کو دوڑانے میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ چنانچہ لوگوں نے پھر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور پرسکون طریقے سے منیٰ کی طرف چلتے رہے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد میں نے کسی شخص کو اپنی سواری کا جانور دوڑاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ سب لوگ منیٰ میں پہنچ گئے۔

سو اونٹ کی قربانی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَهْدٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةَ بُدْنَةٍ فِيْهَا جَمَلٌ اَحْمَرُ لِاَبِيْ جَهْلٍ فِيْ اَنْفِهٖ بُرَةٌ مِنْ فِضَّةٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور علیہ السلام نے سو اونٹ قربان کئے جن میں ابو جہل کا سرخ رنگ کا ایک اونٹ بھی تھا جس کی ناک میں چاندی کی نکیل تھی حضور علیہ السلام نے باقی اونٹوں کے ساتھ اسکو بھی نحر کر دیا۔

نیکی کرنے سے صغائر کی معافی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَاَۃً مُغِیْبًا اَتَتْ رَجُلًا تَشْتَرِیْ مِنْہُ شَیْئًا فَقَالَ ادْخُلِی الدَّوْلَجَ حَتّٰی اُعْطِیَکِ فَقَبَّلَہَا وَغَمَزَہَا فَقَالَتْ وَیْحَکَ اِنِّیْ مُغِیْبٌ فَتَرَکَہَا وَ نَدِمَ عَلٰی مَا کَانَ مِنْہُ ......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۲۶۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ایک عورت کسی شخص کے پاس آئی ہوا اس سے کوئی چیز خریدنا چاہتی تھی۔ وہ آدمی کہنے لگا کہ تم اس دوسرے کمرے میں جاکر پسند کرلو وہاں اچھا مال ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں کھجوروں کا ذکر آتا ہے جو وہ عورت خریدنا چاہتی تھی۔ جب وہ عورت اس کمرے میں داخل ہوئی تو وہ شخص اسے پکڑ کر بوس وکنار کرنے لگا۔ وہ عورت کہنے لگی، افسوس ہے تیری حالت پر، میرا خاوند سفر پر گیا ہوا ہے اور میں مجبوراً سامان خریدنے کے لیے آئی ہوں اور تم مجھ سے ایسی ناشائستہ حرکات کرنے لگے ہو۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اس عورت کا خاوند جہاد کے سفر پر گیا ہوا تھا یہ جان کر اس شخص کو سخت ندامت ہوئی اور اس نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔

پھر وہ شخص نادم ہوکر حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پہنچا اور بتلایا کہ مجھ سے ایسی غلط حرکت سرزد ہو گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ افسوس ہے۔ تمہاری حالت پر لَعَلَّہَا مُغِیْبٌ۔ شاید اس عورت کا خاوند جہاد پر گیا ہو تو کہنے لگا۔ فَاِنَّہَا مُغِیْبٌ ہاں اس عورت نے ایسا ہی بتایا ہے۔ پھر وہ شخص حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں پہنچا اور انکے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کیا انہوں نے بھی یہی کہا کہ تیری حالت پر افسوس ہے شاید اس عورت کا خاوند جہاد پر گیا ہو۔ اس نے کہا کہ بات تو ایسی ہی ہے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ پھر وہ شخص حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ آپ نے بھی یہی فرمایا کہ شاید اس عورت کا خاوند

جہاد کے سفر پر ہو اور وہ مجبوراً بازار میں آئی ہو۔ اس شخص نے کہا کہ ہاں حقیقت یہی ہے اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش ہو گئے اور اللہ نے سورۃ ہود کی یہ آیت نازل فرمائی

وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ط اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ ۝ دن کے دونوں اطراف اور رات کی گھڑیوں میں نماز قائم کرو۔ بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ بیشک یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے۔

اس شخص نے صغیرہ گناہ کا ارتکاب کیا تھا اور اگر آدمی نادم ہو کر گناہ کو ترک کر دے تو وہ نیکیاں کرنے سے خود بخود معاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً وضو کرنے، نماز پڑھنے سے صغائر معاف ہوتے رہتے ہیں۔ اس شخص نے عرض کیا حضرت! کیا یہ حکم میرے لیے خاص ہے تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ تیری خصوصیت نہیں ہے بلکہ سب لوگوں کے لیے ہی حکم ہے اس پر حضورؐ مسکرائے اور فرمایا کہ عمرؓ ٹھیک کہتا ہے۔

بغیر علم کے قرآن کی تفسیر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۶۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن پاک میں بغیر علم کے کوئی بات کی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرلے۔ کوئی شخص نہ تو قرآن کی لغت سے واقف ہے نہ حضور علیہ السلام کے ارشادات کو جانتا ہے اور نہ ہی صحابہؓ کے اقوال سے واقف ہے تو اگر ایسا شخص لوگوں کے سامنے قرآن کی تفسیر بیان کرتا ہے تو وہ گویا بغیر علم کے بات کرتا ہے اور اسکو جہنم کی طرف لیجانے کے لیے یہی بات کافی ہے۔ اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنا چوری اور زنا سے بھی بڑا جرم ہے۔ چوری اور زنا کسی کا انفرادی فعل ہوتا ہے مگر تفسیر بالرائے ایک اجتماعی غلطی ہے جس پر لوگ عمل کر کے مزید غلطی میں مبتلا ہو جائیں گے اس لئے جھوٹی روایات نقل کرنا روا نہیں ہے کہ اس سے دین میں خرابی آتی ہے اور جتنے لوگ جھوٹی روایات پر عمل کریں گے وہ تو گنہگار ہوں گے ہی۔ وہ شخص بھی گنہگار ہو گا جس نے جھوٹی روایات نقل کی ہیں۔ لہذا تفسیر کے لیے قرآن کی لغت اور علم ہونا ضروری ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ موجودہ زمانے کے خود ساختہ مفسر پرویز کے پاس تو قرآن کی لغت تک نہیں ہے اس نے تو خود قرآن کی لغت بنا رکھی ہے جس کے مطابق وہ قرآنی اصطلاحات کے من مانی کرتا ہے۔ یہی بغیر علم کے تفسیر ہے اور یہی گمراہی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے بغیر علم کے قرآن میں بات کی اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کرنا چاہیئے۔

حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لئے تعوذ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَيَقُوْلُ اُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۰)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام حسنؓ اور حسینؓ کو ان کلمات کے ساتھ تعوذ کیا کرتے تھے۔ اُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔ میں تم دونوں کو پناہ میں دیتا ہوں اللہ کے تمام کلمے کے ساتھ ہر شیطان اور کیڑے مکوڑے سے اور ہر نظر بد لگنے والی آنکھ سے اللہ تعالیٰ اپنے کلمہ تام کی برکت سے تمہاری حفاظت کرے۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا هٰكَذَا كَانَ اَبِىْ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُعَوِّذُ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحَاقَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے فرزندوں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کو انہی کلمات کے ساتھ اللہ کی پناہ میں دیا کرتے ہیں۔

صحابہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ مکمّل اتباع

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِيْ قَوْلِ الْجِنِّ وَ اَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا قَالَ لَمَّا رَاَوْهُ يُصَلِّيْ بِاَصْحَابِهٖ وَ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهٖ وَ يَرْكَعُوْنَ بِرُكُوْعِهٖ وَيَسْجُدُوْنَ بِسُجُوْدِهٖ تَعَجَّبُوْا مِنْ طَوَاعِيَةِ اَصْحَابِهٖ لَهٗ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۲۷۰)

(حضرت سعید بن جبیرؒ اپنے استاد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ سورۃ جن کی آیت وَ اَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے اور صحابہؓ آپ کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے تو جنات نے دیکھا کہ صحابہؓ حضور علیہ السلام کے رکوع کے ساتھ رکوع اور سجدہ کے ساتھ سجدہ کر رہے ہیں تو انہیں سخت تعجب ہوا کہ لوگ کس طریقے سے اپنے نبی کی اطاعت کر رہے ہیں۔ اس وقت یہ بات جنات نے کی تھی کہ جب اللہ کا بندہ اللہ تعالٰی کو پکارنے یعنی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ آپ کے جان نثار آپ کے ساتھ چمٹ جانے والے ہوتے۔ وہ آپ کا اس طرح اتباع کر رہے تھے جس طرح جسم کے ساتھ چمٹا ہوا کپڑا کسی شخص کی ٹھیک ٹھیک اتباع کرتا ہے صحابہ بھی اس طریقے سے حضور کے رکوع کے ساتھ رکوع اور سجدہ کے ساتھ سجدہ کر رہے تھے اور جنات کو یہ منظر دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے یہ بات کی۔

حضرت صدیقؓ کی احسان مندی کا اعتراف

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ عَاصِبًا رَاسَهُ فِیْ خِرْقَةٍ فَقَعَدَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّهُ لَیْسَ اَحَدٌ اَمَنَّ عَلَیَّ فِیْ نَفْسِهِ وَمَالِهِ مِنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ اَبِیْ قُحَافَةَ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۰)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام مرض الموت میں اپنے کمرے سے باہر نکلے۔ آپ نے سر مبارک پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا کیونکہ سر میں سخت درد تھا۔ یہ آپ کی وفات سے تین دن قبل کا واقعہ ہے آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور یہ آخری خطبہ ارشاد فرمایا۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا، ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس نے اپنی جان اور مال کے ساتھ ابو بکر بن قحافہؓ سے بڑھ کر مجھ پر احسان کیا ہو۔ لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا مِنَ النَّاسِ خَلِیْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا۔ اگر میں لوگوں میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکرؓ کو بناتا تاہم فرمایا وَلٰکِنْ خُلَّةُ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ اخوت اسلامی ہی افضل ہے اور یہی میرے لیے کافی ہے۔ مسجد نبوی کے ارد گرد کے مکانوں کے دروازے کھڑکیاں مسجد میں کھلتے تھے حضورؐ نے فرمایا کہ اب کوئی کھڑکی مسجد کی طرف نہ کھلے غَیْرَ خَوْخَةِ اَبِیْ بَکْرٍ۔ سوائے ابو بکر صدیقؓ کی کھڑکی کے۔ صرف ان کو مسجد میں کھڑکی رکھنے کی اجازت دی گئی۔ محدثین اور فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس میں حضرت ابوبکرؓ کی نیابت کی طرف اشارہ تھا۔ کہ آپ کے بعد جو خلیفہ ہو گا اس کی کھڑکی رہنی چاہیئے تاکہ وہ وہاں سے گزر کر نماز پڑھا سکے۔

دباغت سے چمڑے کی طہارت

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لَهُ إِنَّا نَغْزُوْا فَنُؤْتٰی بِالْإِهَابِ وَالْأَسْقِيَةِ قَالَ مَا أَدْرِیْ مَا أَقُوْلُ لَكَ إِلَّا أَنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۰)

ایک شخص عبدالرحمٰن بن وعلۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم جہاد کے لیے جاتے ہیں تو ہمارے پاس چمڑے کے برتنوں میں پانی، گھی، دودھ وغیرہ آتا ہے ہم ان برتنوں میں خورد و نوش کی دیگر چیزیں بھی رکھتے ہیں تو ان برتنوں کا ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ اس شخص کا مطلب یہ تھا کہ ہمیں علم نہیں ہوتا کہ مذکورہ برتن حلال جانوروں کے چمڑے سے بنے ہوئے ہیں یا حرام اور مردار جانوروں کے چمڑے سے، اور کیا ہم انہیں استعمال میں لائیں یا نہ لائیں۔

اسکے جواب میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ جو چمڑا رنگ دیا جاتا ہے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ گویا ایسے چمڑے کے برتنوں کا استعمال جائز ہے۔ خواہ وہ کسی بھی حلال، حرام یا مردار جانوروں کے چمڑے سے بنائے گئے ہوں۔ صرف انسان اور خنزیر کا چمڑا کسی صورت میں بھی قابل استعمال نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ خنزیر ویسے ہی ایک ناپاک جانور ہے اور اسکا چمڑا دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتا، اور انسان کا چمڑا اس کی عزت و احترام کی وجہ سے ناقابل استعمال ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا یہی فتویٰ ہے۔ البتہ بعض آئمہ اور محدثین کہتے ہیں کہ حلال جانور

خواہ مردار ہو اسکا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے اور حرام جانور، درندے کتا، بلی، لومڑی شیر وغیرہ) کے چمڑے رنگنے سے بھی پاک نہیں ہوتے۔ تاہم اس حدیث کا مصداق عام معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جانور خواہ حلال، حرام یا مردار ہو اسکا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔

احد کے برابر سونا خرچ کرنے کی تمنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَظَرَ اِلٰی اُحُدٍ فَقَالَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ مَا یَسُرُّنِیْ اَنَّ اُحُدًا لِمُحَمَّدٍ ذَھَبًا اُنْفِقُہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمُوْتُ یَوْمَ اَمُوْتُ وَعِنْدِیْ مِنْہُ دِیْنَارَانِ اِلَّا اَنْ اُعِدَّ ھُمَا لِدَیْنٍ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۳۰۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے احد پہاڑ کی طرف دیکھا جو مدینہ کے قریب بہت لمبا چوڑا پہاڑ ہے اور فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے مجھے پسند نہیں کہ احد پہاڑ میرے لیے سونے کا ہو اور میں اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کروں اور جس دن میری موت واقع ہو میرے پاس دو دینار بھی باقی ہوں۔ مطلب یہ کہ میں پسند کرونگا کہ اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے پہلے احد پہاڑ جتنا سونا ہو تو وہ بھی خرچ کر دیا جائے۔ ہاں اگر کسی کا قرضہ دینا ہو تو اس کے لیے دو دینار یا کوئی چیز رکھ لوں تو وہ معیوب نہیں ہوگا، ورنہ میں کوئی چیز بھی روک رکھنے کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی تھی تو آپ نے درہم، دینار، لونڈی غرضیکہ کوئی چیز بھی پیچھے نہ چھوڑی تھی۔ البتہ آپ کی ایک زرہ تھی جو ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے بدلے رہن رکھی ہوئی تھی۔ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قرضہ ادا کر کے وہ زرہ یہودیوں سے چھڑائی اور بیت المال میں جمع کرا دی کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایسا ہی حکم دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کوئی مال کسی وارث کے لیے نہیں چھوڑتا بلکہ جو بھی بچ جائے وہ صدقہ ہوتا ہے اور غربا و مساکین میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

دنیا کی قلیل زندگی کی مثال

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَیْہِ عُمَرُ وَھُوَ عَلٰی حَصِیْرٍ قَدْ اَثَّرَ فِیْ جَنْبِہٖ فَقَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ لَوِ اتَّخَذْتَ فِرَاشًا اَوْثَرَ مِنْ ھٰذَا فَقَالَ مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا مَا مَثَلِیْ وَ مَثَلُ الدُّنْیَا اِلَّا کَرَاکِبٍ سَارَ فِیْ یَوْمٍ صَائِفٍ فَاسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ سَاعَۃً مِّنَ النَّھَارِ ثُمَّ رَاحَ وَ تَرَکَھَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۳۰۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ فاروق حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تو دیکھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر دراز ہیں آپ کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑ چکے ہیں کیونکہ جسم پر قمیص بھی نہیں تھی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا، اللہ کے نبی کیا یہ مناسب نہیں کہ آپ کوئی اچھا بستر بنوالیں جس پر آپ آرام فرما لیا کریں؟ آپ نے فرمایا، عمرؓ! مجھے کیا اور دنیا کو کیا۔ مجھے دنیا کے ساتھ کوئی رغبت نہیں ہے۔ میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی سوار گرمی کے موسم میں سفر پر ہو اور پھر وہ شدید دھوپ کے وقت کسی درخت کے سائے میں تھوڑی دیر کے لیے آرام کرے اور پھر اسے چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف رواں ہو جائے۔

نمازِ عصر کی فوتیدگی پر افسوس

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَاتَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَفْرُغْ مِنْھُمْ حَتّٰی اَخَّرَ الْعَصْرَ عَنْ وَقْتِھَا فَلَمَّا رَاٰی ذٰلِکَ قَالَ اللّٰھُمَّ مَنْ حَبَسَنَا عَنِ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی فَامْلَأْ بُیُوْتَھُمْ نَاراً وَ امْلَأْ قُبُوْرَھُمْ نَاراً وَ نَحْوَ ذٰلِکَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر حضور علیہ السلام دشمن سے لڑتے رہے یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت نکل گیا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس دن تین یا چار نمازیں فوت ہو گئیں جو آپ نے قضا کر کے پڑھیں۔ حضور علیہ السلام کو نماز عصر کی فوتیدگی کا بہت صدمہ ہوا تو آپ نے کفّار کے حق میں بد دعا کی، اے اللہ جنہوں نے ہمیں عصر کی نماز سے روکا ہے ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ اللہ نے قرآن کریم میں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی نماز عصر کی خصوصی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی۔ (البقرۃ ـ ۲۳۸) عصر کا وقت عام طور پر مصروفیت کا وقت ہوتا ہے جب تاجر لوگ اپنے کاروبار میں اور بعض لوگ کھیل تماشے میں مصروف ہوتے ہیں، لہٰذا اس نماز کی خاص حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی لیے حضور علیہ السلام کو اس کی فوتیدگی کا بھی سخت قلق ہوا۔

پنجگانہ نمازوں میں قنوت نازلہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَہْرًا مُتَتَابِعًا فِی الظُّہْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَالصُّبْحِ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوۃٍ اِذْ قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ مِنَ الرَّکْعَۃِ الْاٰخِرَۃِ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۱، ۳۰۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ مسلسل پانچوں نمازوں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر میں قنوت پڑھی۔ جب آپ نماز کی آخری رکعت میں رکوع سے کھڑے ہوتے اور سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے تو قنوت پڑھتے۔ اس میں آپ نے چند قبائل کی تباہی کے لیے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انکو ذلیل و خوار کرے۔ دراصل قبیلہ بنی سلیم کے رعل، ذکوان اور عصیہ کے لوگوں کی درخواست پر حضور علیہ السلام نے اسلام کی دعوت دینے کے لیے کچھ لوگوں کو بھیجا مگر ان بدبختوں نے اُن داعیانِ اسلام کو شہید کر دیا جس کی وجہ سے حضور علیہ السلام کو سخت صدمہ پہنچا اور آپ مسلسل ایک ماہ تک ان کے لیے بددعا کرتے رہے۔

قنوت نازلہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی مسلمانوں پر کوئی غیر معمولی حادثہ پیش آجائے کوئی تکلیف آجائے یا کسی قسم کی پریشانی لاحق ہو جائے تو قنوت نازلہ پانچوں نمازوں بالخصوص جہری نمازوں میں پڑھنا روا ہے۔ وتروں میں قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جاتی ہے جب کہ یہ قنوت رکوع کے بعد۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ کسی پوچھنے والے نے پوچھا کہ قنوت رکوع سے پہلے پڑھنی چاہیئے یا بعد میں تو انہوں نے کہا کہ پہلے۔ سوال کرنے والے نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے تو رکوع کے بعد بھی پڑھی ہے۔ تو حضرت انس نے یہی جواب دیا کہ وہ قنوت نازلہ تھی جو مہینہ بھر پڑھی گئی تھی اور اسکے پڑھنے کا طریقہ اب بھی وہی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور احناف کے نزدیک وتروں کی قنوت پورا سال پڑھی جاتی ہے جب کہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف رمضان کے آخری پندرہ دن میں پڑھنا روا ہے۔ بعض حضرات صرف فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔ تاہم امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق کے مطابق مسلمانوں کو کوئی پریشانی ہو تو پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں اور اسکا محل رکوع کے بعد ہے۔

فال اور شگون میں امتیاز

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَفَائَلُ وَلَا يَتَطَيَّرُ وَيُعْجِبُهُ الْاِسْمُ الْحَسَنُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۳۰۴)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فال لیتے تھے مگر شگون نہیں لیتے تھے، اور جب آپ کوئی اچھا نام سنتے تو اس کو پسند فرماتے۔ گویا فال لینے کو جائز قرار دیا گیا اور شگون کو شرک میں شمار کیا گیا ہے۔ فال سے مراد ہمارے ہاں کی مروجہ فال نہیں ہے۔ جو قرآنِ پاک، دیوانِ حافظ، ہیر وارث شاہ یا حروفِ ابجد سے لی جاتی ہے یہ تو بناوٹی چیزیں ہیں اور بدعات میں داخل ہیں بلکہ بعض فال تو مکروہ ہیں اور بعض شرکیہ ہیں۔ جائز فال کی تعریف حدیث میں دوسری جگہ موجود ہے کہ کوئی اچھی بات یا اچھا نام سُن کر دل میں خوشی پیدا ہو جائے تو یہی فال ہے بعض نے فال کو امام جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کیا ہے اور اُن کے نام پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ بعض نے بعض دوسرے بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ سب غلط ہے۔

شگون کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ یعنی یہ تو شرک میں داخل ہے۔ شگون لینے کے بہت سے طریقے رائج ہیں۔ کبھی یہ پرندوں کو اڑا کر لیا جاتا ہے۔ عربوں کے ہاں اس کی صورت یہ تھی کہ پرندہ دائیں طرف اڑ جاتا تو اس سے نیک شگون لیا جاتا اور تسلی ہو جاتی کہ مطلوبہ کام ہو جائیگا لہذا اسکو کر گزرتے اور اگر پرندہ بائیں طرف کو اُڑتا تو اس سے بُرا شگون لیکر اپنا ارادہ ترک کر دیتے کیونکہ انہیں کام ہو جانے کی توقع نہیں رہتی تھی بعض اس طرح بھی شگون لیتے تھے کہ کسی کام کے لیے گھر سے نکلے۔ اگر راستے میں کوئی دشمن نظر آ گیا تو اسے ناکامی پر محمول کرتے ہوئے واپس آجاتے یا اگر آگے سے کوئی کالی بلی گزر گئی، کتا، گدھا یا کوا بول پڑا تو اسکو بھی شگون بد تصور کرتے۔ اس قسم کی شگون بازی ہندوؤں

میں بھی پائی جاتی ہے وہ بھی شگون بد پر سفر ملتوی کر دیتے ہیں یا مطلوبہ کام ترک کر دیتے ہیں بعض لوگ ماہِ صفر کے پہلے تیرہ دن سفر کے لیے منحوس خیال کرتے ہیں۔ یہ سب شرکیہ باتیں ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ہر آدمی کے دل میں بسا اوقات اس قسم کا وہم شگون ہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے مگر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ایسے خیال کو دل میں جگہ نہیں دینی چاہیئے اور جس کام کا ارادہ کیا ہے اسکو کر گزرنا چاہیئے کیونکہ ہر کام اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

مردوں کیلئے بال باندھ کر نماز پڑھنے کی ممانعت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ رَاٰی عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ يُصَلِّيْ وَرَأْسُهٗ مَعْقُوْصٌ مِنْ وَّرَآئِهٖ وَجَعَلَ يَحُلُّهٗ وَ اَقَرَّ لَهُ الْاٰخَرُ ثُمَّ اَقْبَلَ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ مَالَكَ وَ رَاْسِيْ قَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّمَا مَثَلُ هٰذَا كَمَثَلِ الَّذِيْ يُصَلِّيْ وَهُوَ مَكْتُوْفٌ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۴)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک شخص عبداللہ بن حرث کو اس حالت میں نماز پڑھتے دیکھا کہ اسکے سر کے بال پیچھے سے باندھے ہوئے تھے ممکن ہے بال زیادہ ہوں تو اس شخص نے عورتوں کی طرح چوٹی یا جوڑا بنا رکھا ہو۔ ابن عباسؓ نے کھڑے ہو کر دورانِ نماز ہی اس شخص کے بال کھول دیئے۔ پھر جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو حضرت ابن عباسؓ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے، حضرت! آپ کو میرے سر کے ساتھ کیا نسبت تھی۔ یا کیا سروکار تھا جو آپنے میرے بال کھول دیئے۔ گویا اس نے اس بات پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضور علیہ السلام کی یہ حدیث سنائی، کہنے لگے کہ میں نے حضور علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ایسی حالت میں نماز پڑھ رہا ہو کہ اس کے بال پیچھے کی طرف بندھے ہوتے ہوں۔ دورانِ نماز یہ حالت مکروہ ہے لہذا لمبے بالوں والے مرد کے لیے یہ بھی حکم ہے کہ وہ غسل کرتے وقت بالوں کو کھول لے کیونکہ تمام بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے البتہ عورتوں کے لیے اجازت ہے کہ وہ بندھے ہوئے بالوں کے ساتھ غسل کر سکتی ہیں اور اگر پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچے تو غسل تصور ہوتا ہے، جوڑا کھولنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حضور علیہ السلام کا عمرہ قضا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَ مَرَّ الظَّهْرَانِ فِیْ عُمْرَتِهٖ بَلَغَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ قُرَیْشًا تَقُوْلُ یَتَبَاعَثُوْنَ مِنَ الْعُجْفِ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ لَوِ انْتَحَرْنَا مِنْ ظَهْرِنَا فَاَكَلْنَا مِنْ لَحْمِهٖ وَحَسَوْنَا مِنْ مَرَقِهٖ ..... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ۷ھ میں اپنے صحابہؓ کے ہمراہ عمرہ قضا کے لیے مکہ روانہ ہوتے، ۶ھ میں تو کفار مکہ نے مسلمانوں کو حدیبیہ کے مقام پر روک لیا تھا اور پھر ایک معاہدہ کے تحت طے پایا تھا کہ مسلمان اس سال بغیر عمرہ ادا کئے واپس مدینہ چلے جائیں گے اور اگلے سال صرف تین دن مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر عمرہ ادا کر سکیں گے۔ اس معاہدہ کے تحت جب مسلمان مدینہ سے چل کر مرالظہران کے مقام پر پہنچے تو صحابہ تک یہ خبر پہنچی کہ قریش مکہ یوں کہہ رہے ہیں کہ مسلمان اتنے کمزور ہو چکے ہیں کہ کھڑے بھی نہیں ہو سکتے۔ اس پر صحابہ کرامؓ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، قریش کے اس زعم سے آگاہ کیا اور ساتھ یہ عرض کیا کہ حضور! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی سواریوں کے جانور اونٹ وغیرہ ذبح کر کے ان کا گوشت کھائیں، شوربا پئیں اور خوب فربہ ہوں۔ پھر جب کل ہم مکہ مکرمہ پہنچیں تو ہمارے چہرے تر و تازہ ہوں، پیٹ بھرے ہوئے ہوں اور قریش ہمیں کمزوری کا طعنہ نہ دے سکیں۔

اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا تَفْعَلُوْا ایسا نہ کرو وَلٰکِنِ اجْمَعُوْا مِنْ اَزْوَادِكُمْ فَجَمَعُوْا لَهٗ وَبَسَطُوْا الْاَنْطَاعَ فَاَكَلُوْا حَتّٰی تَوَلَّوْا وَحَثَا كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ فِیْ جِرَابِهٖ بلکہ تم سب اپنے اپنے توشے

ایک جگہ اکٹھے کر لو۔ چنانچہ سب صحابہؓ نے اپنے اپنے توشے چمڑے کے ایک دستر خوان پر ڈھیر کر دیے پھر حضور علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس اجتماعی کھانے میں برکت عطا فرمائی سب نے پیٹ بھر کر کھایا اور اپنے اپنے برتن بھی بھر لئے اس کے بعد حضور علیہ السلام نے مکہ کی طرف کوچ کیا جب آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو اس وقت قریش حجر کی طرف بیٹھے مسلمانوں کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہے تھے فَاضْطَبَعَ بِرِدَائِہٖ اس وقت آپ نے اضطباع کیا یعنی احرام کی اوپر والی چادر کو دائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیا لَا یَرَی الْقَوْمُ فِیْکُمْ غَمِیْزَۃً دیکھنا مشرک تم میں کوئی کمزوری نہ دیکھ سکیں مطلب یہ تھا کہ طواف کرتے وقت چستی اور مستعدی کا مظاہرہ کرنا۔ پھر آپ نے حجر اسود کا استلام کیا اور صحابہؓ سے فرمایا کہ پہلے تین چکروں میں رمل کرتے ہوئے طواف کرنا یعنی قریب قریب قدم رکھتے ہوئے پہلوانوں کی طرح اچھلتے کودتے اور کندھے ہلاتے ہوئے چلنا۔ تعمیل حکم میں سب صحابہؓ نے ایسے ہی کیا۔ جب قریش نے مسلمانوں کو اس طرح طواف کرتے ہوئے دیکھا تو آپس میں کہنے لگے۔ کہ تم تو کہتے تھے کہ مسلمان بڑے کمزور ہو گئے ہیں مگر ان کے تو قدم ہی زمین پر نہیں ٹکتے اور اچھلتے کودتے جا رہے ہیں۔ اس طرح قریش کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب پڑ گیا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کے رمل کا یہ طریقہ ہمیشہ کے لیے سنت بن گیا اور اب قیامت تک مسلمان پہلے تین چکروں میں اسی طرح کرتے رہیں گے۔ چنانچہ غزوہ حنین کے موقع پر جب حضور علیہ السلام نے جعرانہ کے مقام سے عمرہ کا احرام باندھا تھا جبکہ مکہ فتح ہو چکا تھا اس وقت بھی آپ نے رمل کیا تھا اور حجۃ الوداع کے موقع پر بھی آپ نے اسی طرح پہلے تین چکروں میں رمل کیا تھا حالانکہ اس وقت مشرکین کا مکمل صفایا ہو چکا تھا اب ہر حج اور عمرہ کرنے والا طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرتا ہے۔

اسلام میں جاگیر دینے کا اصول

حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيُّ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ بِلَالَ بْنَ الْحٰرِثِ الْمُزَنِيَّ مِنْ مَعَادِنِ الْقَبَلِيَّةِ جَلْسِيَّهَا وَغَوْرِيَّهَا حَيْثُ يَصْلُحُ لِلزَّرْعِ مِنْ قُدْسٍ......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے بلال بن حارث مزنیؓ کو ایک کان جاگیر کے طور پہ دی جو بعض روایات کے مطابق مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر تھی۔ یہ اونچی اور نیچی جگہوں پر قدس پہاڑ کے قریب واقع تھی اور اس میں زراعت کی صلاحیت بھی تھی۔ یہ ایسی جاگیر تھی جس میں کسی دوسرے مسلمان کا حق متعلق نہیں تھا بلکہ اس میں خالصتاً حضور علیہ السلام کو ہی تصرف حاصل تھا اس جاگیر کے ہبہ کی تحریر کچھ اس طرح تھی بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ هٰذَا مَا اَعْطٰى مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالَ بْنَ حَارِثِ الْمُزَنِيَّ اَعْطَاهُ مَعَادِنَ الْقَبَلِيَّةِ جَلْسِيَّهَا وَغَوْرِيَّهَا وَحَيْثُ يَصْلُحُ الْمَزْرَعُ مِنْ قُدْسٍ وَلَمْ يُعْطِهٖ حَقَّ مُسْلِمٍ ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وہ جاگیر ہے جو اللہ کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مزنیؓ کو عطا کی ہے۔ یہ ساحل سمندر کی طرف واقع اونچی اور نیچی کانیں ہیں جو قدس پہاڑ کے قریب ہیں اور قابل زراعت بھی ہیں اس جاگیر کے ذریعے بلال کو کسی مسلمان کا حق نہیں دیا گیا گویا اسلام نے جاگیر دینے کے اصول کو اس شرط کے ساتھ مشروط کردیا کہ اس سے کسی دوسرے مسلمان کا حق تلف نہیں ہوگا۔

یہ قدیم زمانے سے دستور چلا آرہا ہے کہ حکومت بہتر خدمات انجام دینے والوں

کو جاگیریں عطا کرتی ہیں۔ مگر قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطیٰ میں جو جاگیریں دی جاتی تھیں ان میں حکامِ وقت اپنی مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھتے تھے جس سے دوسرے مسلمانوں کے حقوق بھی ضائع ہوتے تھے۔ جاگیر میں قابلِ کاشت زمین کے علاوہ آباد بستیاں بھی دے دیتے تھے جس سے وہاں کے باشندوں کے حقوق سلب ہوتے اور وہ غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ان پر طرح طرح کے ٹیکس لگائے جاتے اور ان سے بیگار لی جاتی۔ مگر اسلام ایسی ظالمانہ کارروائیوں کی مخالفت کرتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے ایسی زمین جاگیر کے طور پر دی جا سکتی ہے جو غیر آباد ہو مگر قابلِ کاشت ہو تاکہ جاگیردار اس پر محنت کر کے اس میں کاشتکاری کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔ ایسی جاگیر نہیں دی جا سکتی جس سے کسی دوسرے شخص یا عوام الناس کا مفاد وابستہ ہو۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص کے مطالبہ پر حضور علیہ السلام نے اس کو نمک کی کان بطورِ جاگیر دے دی۔ جب وہ شخص اٹھ کر گیا تو لوگوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! آپ نے تو تیار پانی اس فردِ واحد کو دے دیا ہے حالانکہ اس سے عام لوگ فائدہ اٹھا سکتے تھے اور اس کان کو آباد کرنے میں اس شخص کو مشقت بھی نہیں اٹھانی پڑے گی۔ دراصل یہ کان ایک چشمہ کی صورت میں تھی۔ وہاں سے جو پانی نکلتا تھا وہ آگے چل کر منجمد ہو کر نمک بن جاتا تھا۔ حضور علیہ السلام کا خیال تھا کہ شاید اس کو محنت مشقت کر کے وہاں سے نمک نکالنا ہو گا لہٰذا آپ نے اسے وہ کان عطا کر دی مگر بعد میں پتہ چلا کہ اس میں تو اس شخص کو کوئی محنت بھی نہیں کرنی پڑے گی اور وہ عوام کو اس سے فائدہ نہیں اٹھانے دے گا۔ جب حضور علیہ السلام کو اس حقیقتِ حال کا علم ہوا تو آپ نے اس شخص کو بلا کر عطا کردہ جاگیر منسوخ کر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز سے عام لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہوں وہ کسی فردِ واحد کو نہیں دے دینی چاہیئے بلکہ اسے مفادِ عام کے لیے ہی رہنے دینا چاہیئے۔

انگریزوں کے زمانہ میں متحدہ ہندوستان میں جو جاگیریں دی گئیں وہ انہوں نے اپنے وفاداروں کو عطا کی تھیں جنہوں نے ان کے مفادات کی حفاظت کی۔ ان لوگوں نے نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریزوں کی غلامی میں جکڑا بلکہ ترکوں کو بھی فنا کیا جس کے بدلے

میں انہیں جاگیریں دی گئیں۔ عام طور پر جاگیردارانہ نظام ظالمانہ نظام ہے ان جاگیروں کے مزارعین نسلاً بعد نسل غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں ان کا مال، جان اور عزت و آبرو تک محفوظ نہیں ہوتی۔ ان کی اولادیں تعلیم سے محروم رہتی ہیں اور انہیں انسانی حقوق بھی حاصل نہیں ہوتے اس قسم کی جاگیریں اسلام میں حرام ہیں۔

دین کی سمجھ انعامِ الٰہی ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ جس شخص کے بارے میں بہتری کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین میں سمجھ عطا کرتا ہے یعنی وہ شخص دین کی باتوں کو سمجھنے لگتا ہے۔ جب انسان اسلام کے قریب ہونے لگے اس کے مسائل اور احکام کو سمجھنے لگے تو اللہ کے نزدیک یہ اس کی مقبولیت اور بہتری کی علامت ہوتی ہے دوسری روایت میں اس طرح آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ دنیا تو ہر اس شخص کو دیتا ہے جس کو وہ محبوب سمجھتا یا مبغوض سمجھتا ہے۔ وَلَا یُعْطِی الدِّیْنَ اِلَّا مَنْ اَحَبَّہٗ مگر دین صرف اسی شخص کو دیتا ہے جس کو وہ محبوب سمجھتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ منافق میں دو باتیں کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں حُسْنُ خُلُقٍ وَلَا فِقْہٌ فِی الدِّیْنِ۔ یعنی نہ تو وہ اچھے اخلاق کا مالک ہو گا بلکہ ہمیشہ غیبت، چغلی اور گالی گلوچ ہی کرتا رہے گا اور نہ ہی اس کو دین کی سمجھ حاصل ہو گی۔ دنیاوی لحاظ سے ایسا شخص شیطان طاق تو ہو سکتا ہے مگر اخلاق اور دین کی سمجھ سے عاری ہو گا یہ چیزیں ایک مومن میں ہی جمع ہو سکتی ہیں۔

دوران نماز گوشہ چشم سے التفات

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ يَلْتَفِتُ فِيْ صَلَاتِہٖ يَمِيْنًا وَّ شِمَالًا وَلَا يَلْوِيْ عُنُقَہٗ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۳۰۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لبااوقات نماز کے دوران گوشہ چشم سے دائیں بائیں توجہ فرمالیتے تھے مگر گردن مبارک کو نہیں موڑتے تھے۔ کسی ضرورت کے تحت مثلاً کسی آدمی کو دیکھنا ہو یا صف کی درستگی ملاحظہ کرنی ہو تو گوشہ چشم سے التفات ہو سکتا ہے مگر بلا وجہ آنکھوں کو گھمانا بھی اچھا نہیں۔ حضور علیہ السلام نے اس مقصد کے لیے گردن کو بھی دائیں بائیں نہیں موڑا جس کا مطلب ہے کہ دوران نماز ایسا کرنا درست نہیں۔ اور اگر کوئی شخص نماز کے دوران سینہ ہی پھیر دے تو نماز فاسد ہو جائیگی۔

اسماعیل علیہ السلام کی قربانی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ جِبْرِیْلَ ذَھَبَ بِاِبْرَاھِیْمَ اِلٰی جَمْرَۃِ الْعَقَبَۃِ فَعَرَضَ لَہُ الشَّیْطَانُ فَرَمَاہُ بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ فَسَاخَ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۳۰۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام ابراہیمؑ کو جمرہ عقبیٰ کی طرف لے گئے تو شیطان سامنے آگیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات سنگریزے مارے جس سے وہ زمین میں دھنس گیا۔ دوسری روایت میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ سنگریزے اللہ تعالےٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لیے مارے جاتے ہیں۔ جب حاجی شیطان کو کنکر مارتا ہے تو اللہ اکبر کہہ کر اللہ کا ذکر بھی بلند کرتا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل میں اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے منیٰ کی طرف جا رہے تھے راستے میں شیطان نے آپ کو ورغلانا چاہا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں مگر ابراہیم علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ شیطان ہے جو حکم خداوندی کی تعمیل سے روکنا چاہتا ہے چنانچہ انہوں نے سات کنکر شیطان کو مارے اور وہ زمین میں دھنس کر غائب ہو گیا۔ اس کے بعد وہ جمرہ وسطیٰ کے قریب پھر نظر آیا اور وسوسہ اندازی کرنا چاہی تو ابراہیم علیہ السلام نے پھر سات کنکر مارے جس سے وہ پھر زمین میں دھنس گیا۔ تیسری دفعہ شیطان جمرہ اولیٰ کے پاس ظاہر ہوا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس مقام پر بھی اسے سات سنگریزے مارے آپکی اسی سنّت کے اتباع میں ہر سال ہر حاجی تینوں مقامات پر شیطان کو سات سات سنگریزے مارتا ہے۔

بعض روایات میں اسحاق علیہ السلام کی قربانی کا ذکر آتا ہے مگر وہ صحیح نہیں حقیقت میں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بڑے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ہی قربانی کے لیے پیش کیا تھا جو

حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو لٹا کر ذبح کرنا چاہا تو سعادتمند بیٹے نے کہا اُفرشُقنی ابا جان، مجھے رسی سے اچھی طرح جکڑ لیں کہیں ایسا نہ ہو کہ گردن پر چھری چلنے سے میں پھڑپھڑاؤں اور آپکے جسم پر خون کے چھینٹے پڑیں۔ بہر حال جب آپ نے چھری چلا ہی دی تو پیچھے سے آواز آئی اے ابراہیم قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا۔ آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا جو بیٹے کی گردن پر چھری چلا دی۔ ہمارا مقصد بچے کو ذبح کرانا نہیں تھا۔ بلکہ محض آپ کی آزمائش تھی جس میں آپ پورے اترے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے دنبہ بھیج دیا جو اسماعیل علیہ السلام کی بجائے ذبح ہو گیا اور اس طرح قیامت تک کے لیے اللہ نے قربانی کا دستور قائم کر دیا۔

حجرِ اسود جنّت کا تحفہ ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّۃِ وَ کَانَ اَشَدَّ بَیَاضًا مِنَ الثَّلْجِ حَتّٰی سَوَّدَتْہُ خَطَایَا اَھْلِ الشِّرْکِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۳۰۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجر اسود جنّت سے آیا تھا۔ جب یہ زمین پر آیا تو برف کے ٹکڑے سے زیادہ سفید تھا۔ مگر یہاں پر مشرکوں کے شرک نے اس کو سیاہ کر دیا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترے تھے تو ان کے ساتھ کئی دوسری چیزیں بھی جنّت سے آئی تھیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں خوشبو کا ذکر آتا ہے کہ وہ بھی جنّت سے آئی تھی لہذا اگر کوئی شخص خوشبو یا گلدستہ پیش کرے تو اس کو قبول کر لینا چاہیئے کیونکہ یہ جنّت کا تحفہ ہے اور اپنی اصل یاد دلاتا ہے۔ اسی طرح حجر اسود بھی جنّت سے آیا تھا۔ اس وقت یہ بالکل سفید تھا مگر ابن آدم کے شرک کی وجہ سے اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔

قیامت کے دن حجر اسود کی شہادت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیُبْعَثَنَّ الْحَجَرُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لَہٗ عَیْنَانِ یُبْصِرُ بِھِمَا وَلِسَانٌ یَنْطِقُ بِہٖ وَیَشْھَدُ عَلٰی مَنِ اسْتَلَمَہٗ بِحَقٍّ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حجر اسود کو قیامت والے دن ضرور اٹھایا جائیگا اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن کے ساتھ وہ دیکھے گا اور ایک زبان ہوگی جس کے ساتھ وہ بولے گا اور پھر اس شخص کے حق میں گواہی دیگا جس نے دنیا میں سچائی کے ساتھ حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے اس کا استلام کیا ہوگا۔ یعنی اسکو بوسہ دیا ہوگا یا ہاتھ لگایا ہوگا۔ حجر اسود کا استلام حضور علیہ السلام کی سنت مطہرہ ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے اسے خطاب کرکے کہا تھا کہ اے حجر اسود! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، تمہارے قبضہ میں نہ کسی کا نفع ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں نے حضور علیہ السلام کو تجھے اہتمام کے ساتھ بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی پرواہ نہ کرتا میں تو محض حضور علیہ السلام کے اتباع میں تیرا استلام کرتا ہوں۔

مسواک کی ضرورت اور اہمیت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَقَدْ اُمِرْتُ بِالسِّوَاكِ حَتّٰى رَأَيْتُ اَنَّهُ سَيُنْزَلُ عَلَيَّ بِهِ قُرْاٰنٌ اَوْ وَحْيٌ اَلنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِلٌ هٰذَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی جانب سے مجھے مسواک کا حکم اس تاکید کے ساتھ دیا گیا ہے کہ میں نے خیال کیا کہ شاید اس کے متعلق قرآن کریم میں کوئی حکم نازل ہو جائیگا یا وحی الٰہی آجائے گی مسواک کا استعمال منہ کی صفائی اور حضور علیہ السلام کی سنت کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے اور پھر مسواک کے بعد کی گئی عبادت کا اجر بھی کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ نماز کے متعلق حدیث میں آتا ہے مسواک کرنے کے بعد پڑھی گئی نماز کا درجہ بغیر مسواک والی نماز کی نسبت ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔ روزے کی حالت میں مسواک کے متعلق امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ پچھلے پہر نہ کی جائے مگر صحیح بات یہ ہے کہ مسواک کا استعمال پچھلے پہر بھی درست ہے بلکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے خَيْرُ خِصَالِ الصَّائِمِ السِّوَاكُ مسواک کرنا روزے دار کی بہترین خصلتوں میں سے ہے۔ مسواک تازہ ہو یا خشک ہر طرح کی درست ہے۔ یاد رہے کہ مسواک کرنے کا اجر صرف لکڑی کی مسواک سے ہی حاصل ہوتا ہے برش وغیرہ کے استعمال سے نہ سنت ادا ہوتی ہے اور نہ اس پر اجر ملتا ہے اگرچہ یہ جائز ہے اور صفائی بھی ہوتی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے لکڑی کی مسواک ہی استعمال کی ہے۔ مسواک منہ اور دانتوں کی صفائی اور معدے کے امراض کے لیے بھی مفید ہے۔ یورپ کے ڈاکٹر طویل تجربات کے بعد اسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔ مصری ڈاکٹروں نے بھی ایک زمانے میں مسواک پر بڑے تجربات کئے اور اس کی افادیت کے قائل ہوتے اور انہیں کہنا پڑا عَلَيْكُمْ بِشَجَرَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ۔ محمدؐ کی لکڑی یعنی مسواک کو لازم پکڑو کہ پائیوریا جیسے امراض کا یہی علاج ہے منجن وغیرہ کے استعمال سے یہ بیماریاں رفع نہیں ہوتیں۔ تمباکو پینے والے حضرات کے لیے مسواک خاص طور پر ضروری ہے تاکہ عبادت کرنے کے لیے منہ بالکل صاف ہو اور اللہ کے فرشتوں کو آدمی کے منہ کی بو سے اذیت نہ پہنچے۔

*

جمعہ کے دن نمازِ فجر کی قرأت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَاُ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ الٓمٓ تَنْزِيْلُ السَّجْدَةِ وَهَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن صبح کی نماز میں عام طور پر پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ الٓمٓ سجدہ اور سورۃ الدہر تلاوت فرمایا کرتے تھے بعض دوسری سورتوں کا ذکر بھی آتا ہے، لہٰذا فجر کی نماز میں ان کی تلاوت استحباب کا درجہ رکھتی ہے۔ جو شخص سنت سمجھ کر ان سورتوں کو اس نماز میں پڑھیگا وہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے نمازِ جمعہ میں حضور علیہ السلام سے سورۃ ق، سورۃ جمعہ سورۃ منافقین، سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ پڑھنا ثابت ہے اور ہمارے لیے انکا پڑھنا زیادہ اجر کا باعث ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے خاندان والوں کو نذرانہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ قَالَ اَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلصَّفَا فَصَعِدَ عَلَیْہِ ثُمَّ نَادٰی یَا صَبَاحَاہُ فَاجْتَمَعَ النَّاسُ اِلَیْہِ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۳۰۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب سورۃ الشعرآء کی یہ آیت نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ۰ (آیت - ۲۱۴) اپنے قریبی خاندان کے لوگوں کو ڈرائیں اگر وہ ایمان قبول نہیں کریں گے تو وہ بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے ۔ تو حضور علیہ السلام نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر یَا صَبَاحَاہُ کا نعرہ لگایا۔ یہ نعرہ سخت خطرے کے وقت لگایا جاتا تھا اور اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ دشمن سر پر آگیا ہے، لہذا سب لوگ ہوشیار ہو جائیں اگر معاملہ زیادہ سخت ہوتا تو پھر نعرہ لگانے والا شخص اپنا تہبند اتار کر نیزے وغیرہ پر بلند کر کے یہی نعرہ لگاتا اس کو نذیر عریان کہتے تھے۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے اسی عربی محاورہ کے مطابق یا صباحاہ کا نعرہ بلند کیا۔ ہر گھر کا سرکردہ آدمی فوراً جائے وقوعہ پر پہنچا ۔ جو خود نہیں آسکتا تھا اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا اور اس طرح سب لوگ صفا پہاڑی کے دامن میں اکٹھے ہو گئے پھر حضور علیہ السلام نے قریش کے مختلف خاندانوں کو نام لے کر خطاب کیا "یا بنی عبد المطلب" "یا بنی فہر" "یا بنی لوی" پھر فرمایا اگر میں تم کو خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں دشمن کا لشکر تم پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار کھڑا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے ؟ ان سب نے بیک زبان کہا نَعَمْ ہم آپ کی بات کی ضرور تصدیق کریں گے کیوں کہ مَا جَرَّبْنَا عَلَیْکَ کِذْبًا ۔ ہم نے کبھی آپ کی زبان سے جھوٹ نہیں سنا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر سنو فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ۔ میں تمہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے سخت عذاب

سے ڈرا رہا ہوں، اپنا بچاؤ کر لو، یعنی ایمان قبول کر کے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لو تو بچ جاؤ گے ورنہ سخت ترین سزا میں مبتلا ہو گے۔

آپ کا خطاب سننے والوں میں آپ کا چچا ابو لہب بھی تھا جو آپ کا سخت ترین مخالف تھا۔ آپ کی دو بیٹیاں ابو لہب کے دو بیٹوں کی منکوحہ تھیں جن کو اس ظالم نے اپنے بیٹوں کو کہہ کر طلاق دلوا دی۔ وہ آپ کی بات سن کر کہنے لگا تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ اَمَا دَعَوْتَنَا اِلَّا لِهٰذَا۔ تمہارے لیے ہلاکت ہو اس نے ہاتھ مار کر کہا کیا اس مقصد کے لیے ہمیں بلایا تھا؟ ہم تو کوئی خطرناک معاملہ سمجھتے تھے مگر تو نے تو کچھ اور ہی بات سنا دی۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس پر اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم کی یہ سورۃ لہب نازل فرمائی جس کا مطلب ہے کہ ابو لہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوئے اور وہ خود بھی تباہ ہوا وہ یقیناً خدا کے عذاب کا نشانہ بن گیا ہے۔

نماز کی حفاظت کیلئے آگے سترہ گاڑنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جِئْتُ اَنَا وَ غُلَامٌ مِّنْ بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَلٰی حِمَارٍ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الصَّلٰوۃِ قَالَ فَاَرْخَیْنَاہُ بَیْنَ اَیْدِیْنَا یَرْعٰی فَلَمْ یَقْطَعْ قَالَ وَجَاءَتْ جَارِیَتَانِ مِنْ بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ تَسْتَبِقَانِ نَفْسَرَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَہُمَا فَلَمْ یَقْطَعْ وَ سَقَطَ جَدْیٌ فَلَمْ یَقْطَعْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر میں اور خاندان عبدالمطلب کا ایک لڑکا گدھے پر سوار آئے تو حضور علیہ السلام نماز پڑھا رہے تھے۔ ہم گدھے سے اتر گئے اور اُسے صفوں کے سامنے چھوڑ دیا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ ہم بھی نماز میں شامل ہو گئے۔ مگر گدھے کو سامنے چھوڑنے کے باوجود نماز میں کوئی خلل نہیں آیا پھر خاندان عبدالمطلب کی دو لڑکیاں بھی دوڑتی ہوئی آگے آگئیں مگر نماز میں کوئی نقص نہیں آیا پھر بکری کا ایک بچہ بھی سامنے آکر گر گیا مگر نماز میں کوئی خلل نہیں آیا۔

دراصل نماز شروع کرتے وقت حضور علیہ السلام نے اپنے سامنے سترہ رکھ لیا تھا۔ جیسا کہ مسلم شریف کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے اور اصول یہ ہے کہ امام کا سترہ سارے مقتدیوں کو کفایت کرتا ہے۔ سترے کی موجودگی میں اگر نمازی کے آگے سے کوئی بھی چیز گزر جائے تو اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔ بعض دوسری روایات میں آتا ہے کہ اگر نمازی کے آگے سے کتا گدھا یا عورت گزر جائے تو نماز میں خرابی آتی ہے محدثین فرماتے ہیں کہ اس سے نماز قطع تو نہیں ہوتی مگر اسکا خشوع وخضوع ضائع ہو جاتا ہے بہرحال حضور علیہ السلام کے سترہ رکھنے کی وجہ سے نمازیوں کے سامنے گدھا، لڑکیاں اور بکری کا بچہ آنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئی۔

مرد و زن کا ایک ہی برتن کے پانی سے غسل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَاَةً مِّنْ نِّسَآءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَحَمَّتْ مِنْ جَنَابَۃٍ فَجَآءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ فَضْلِھَا یَسْتَحِمُّ فَقَالَتْ اِنِّی اغْتَسَلْتُ مِنْہُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَآءَ لَا یُنَجِّسُہٗ شَیْءٌ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج میں سے ایک زوجہ نے فرضی غسل کیا۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے بیوی کے باقی ماندہ پانی سے غسل کیا۔ زوجہ محترمہ نے عرض کیا کہ حضور اس پانی سے میں نے غسل کیا تھا اور آپ نے بھی اسی پانی سے غسل فرما لیا۔ آپ نے جواب دیا کہ اس طرح باقی ماندہ پانی پلید تو نہیں ہو جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر پانی احتیاط سے استعمال کیا جائے، غسل شروع کرتے وقت ہاتھ دھو کر برتن میں ڈالا جائے تو اس سے پانی میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ پانی تو پاک ہی ہوتا ہے ہاں اگر پانی کو غیر محتاط طریقے سے استعمال کیا جائے جس سے غسل کے چھینٹے واپس پانی میں پڑیں یا آغاز میں ہاتھ نہ دھو کر پانی میں ڈالا جائے تو پانی کا استعمال درست نہیں ہو گا۔ صحیح طریقے سے خواہ مرد پہلے غسل کرلے یا عورت یا دونوں اکٹھا بھی غسل کر لیں تو اس سے کوئی خرابی نہیں آتی۔

ماہِ رمضان میں عمرے کا ثواب حج کے برابر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے مہینہ میں عمرہ کرنا ثواب کے اعتبار سے حج کے برابر ہوتا ہے۔ یہ بات آپ نے اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب آپ نے حجۃ الوداع سے واپس آکر مدینہ کی ایک عورت سے پوچھا تھا کہ اے فلانہ! باقی عورتوں نے تو ہمارے ساتھ حج کیا مگر تم کیوں نہیں گئی؟ اس نے عرض کیا حضور! ہمارے پاس ایک ہی سواری تھی جو میرے خاوند نے استعمال کی مگر میں سواری نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے ساتھ حج کے لیے نہ جا سکی۔ آپ نے فرمایا اچھا کوئی بات نہیں، تم رمضان کے مہینہ میں عمرہ ادا کر لینا کیونکہ رمضان کے مہینہ میں عمرہ کا ثواب بھی حج کے برابر ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی خاص مہربانی ہے۔ آج کل بھی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں اس ماہ مبارک میں عمرہ کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔

تصویر کشی کی لعنت

عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِی الْحُسَنِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ یَا ابْنَ عَبَّاسٍ اِنِّیْ رَجُلٌ اُصَوِّرُ هٰذِهِ الصُّوَرَ وَ اَصْنَعُ هٰذِهِ الصُّوَرَ فَاَفْتِنِیْ فِیْهَا........الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۸)

حضرت سعید بن ابوالحسن کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں مصور ہوں اور یہ یہ تصویریں بناتا ہوں، آپ مجھے اس کے متعلق فتویٰ دیں کہ میرا یہ پیشہ کس حد تک جائز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ ذرا میرے قریب ہو جاؤ، وہ آدمی قریب ہو گیا تو وَضَعَ یَدَهٗ عَلٰی رَاْسِهٖ آپ نے اپنا ہاتھ اس آدمی کے سر پر رکھا تاکہ وہ آدمی اپنے سوال کا جواب سننے کے لیے پوری طرح متوجہ ہو جائے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیز بتاتا ہوں جو میں نے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سن رکھی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ۔ ہر مصوّر جہنم میں جائیگا اور وہ جتنی تصویریں بنائیگا ہر ایک کے بدلے میں اسے علیحدہ علیحدہ سزا ملے گی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ مصور سے کہا جائیگا کہ جو تصویر تم نے بنائی ہے اس میں اب جان بھی ڈالو۔ جب وہ ایسا نہیں کر سکے گا تو پھر سزا پائیگا۔

پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے اس شخص سے فرمایا کہ اگر تم نے ضرور مصوری کا کام ہی کرنا ہے فَاجْعَلِ الشَّجَرَ وَ مَا لَا نَفْسَ لَهٗ۔ تو پھر درختوں یا دیگر غیر جاندار چیزوں کی تصویریں بنایا کرو۔ کیونکہ جاندار چیزوں کی تصویر کشی ممنوع ہے اور ایسا کرنے والے پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ اس حدیث کے پیش نظر علماء نے پاکستانی کرنسی پر موجود تصویر پر اعتراض کیا ہے مگر کسی بھی حاکم وقت نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ جو شخص مجبوراً پاسپورٹ شناختی کارڈ یا حج درخواست پر فوٹو لگاتا ہے وہ تو بری الذمہ ہو جائیگا مگر اس فوٹو لگانے

کی ذمہ داری فوٹو کا قانون جاری کرنے والوں پر ہو گی۔ گناہ اس شخص کو ہوتا ہے جو اپنی خواہش اور اختیار سے تصویر بناتا ہے اور بڑے ذوق شوق سے فریم کرا کے گھر میں رکھتا ہے اب تو تمدن ہی خراب ہو چکا ہے، آپ تو استعمال کی کوئی چیز بھی تصویر کے بغیر نہیں ملے گی حتیٰ کہ روٹی اور پنسل پر بھی تصویر موجود ہے۔ انفرادی تصویر کے علاوہ اب تو تقریبات کے اجتماعی فوٹو بلکہ ویڈیو فلمیں بن رہی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس ذوق شوق کا پتہ تو اس دن چلے گا جب سزا کی نوبت آئے گی۔

طوافِ زیارت رات کے وقت کرنا

عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَّرَ الطَّوَافَ يَوْمَ النَّحْرِ اِلَى اللَّيْلِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۹)

حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طوافِ زیارت کو رات تک مؤخر کیا۔ یہ طواف حج کا رکن ہے اور یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کے بعد احرام کھول کر کیا جاتا ہے۔ تاہم اسے رات تک مؤخر بھی کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ کسی عذر کی بنا پر دوسرے اور تیسرے دن بھی یہ طواف کیا جاسکتا ہے۔ کوئی آدمی بیمار ہو اور دس تاریخ کو طواف کے لیے نہ جاسکتا ہو یا کمزور آدمی رش میں داخل نہیں ہو سکتا تو وہ اسے گیارہ یا بارہ تاریخ تک بھی ملتوی کر سکتا ہے۔ اگر عورت ناپاک ہو جائے تو وہ جب پاک ہو اس وقت طواف زیارت کر سکتی ہے ہاں اگر کوئی شخص بارہ تاریخ کے بعد بلا عذر طواف زیارت کریگا تو اسے ساتھ دم بھی دینا پڑے گا۔ اس طرح طواف درست ہو جائیگا خواہ مہینہ دو مہینہ بعد کیا گیا۔ حج کے تین ارکان ہیں احرام، وقوف عرفہ اور طواف زیارت۔ ان میں سے کوئی رکن رہ جائے تو حج ادا نہیں ہوتا۔ بعض چیزیں واجب اور بعض سنّت ہیں جن کے ترک سے دم دینا پڑتا ہے۔ یہ دم ایسے ہی ہے جیسے نماز میں بھول کر سجدہ سہو کر لیا جائے تو نماز درست ہو جاتی ہے۔

بعض ملعون لوگ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ غَیَّرَ تُخُوْمَ الْاَرْضِ وَلَعَنَ اللّٰہُ مَنْ کَمَہَ الْاَعْمٰی عَنِ السَّبِیْلِ وَلَعَنَ اللّٰہُ مَنْ سَبَّ وَالِدَہٗ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۳۰۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے بعض لوگوں پر لعنت فرمائی ہے۔ پہلی قسم کا آدمی وہ ہے مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ جس نے اللہ کے سوا غیر کے نام پر جانور ذبح کیا۔ اللہ کے علاوہ کسی جن بھوت، فرشتے انسان، نبی، ولی کی خوشنودی اور تقرب کے لیے جانور ذبح کرنا شرک ہے۔ اور ایسا کرنے والا شخص اس حدیث کی رو سے ملعون ہے۔ بعض لوگ عمارت تعمیر کرتے وقت اس کی بنیادوں میں خون ڈالنے کے لیے جانور ذبح کرتے ہیں تاکہ جنات وغیرہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں یہ شرک ہے۔ مکان بنانا ہے تو اللہ کی رضا کے لیے جانور ذبح کر کے مسکینوں کو کھلا دو، یہ جائز ہے اور اگر جانور عبدالقادر جیلانیؒ، سید علی ہجویریؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ خواجہ بہاؤ الحقؒ یا کسی دیگر بزرگ کے مزار پر لے جاکر ذبح کیا جائے کہ وہ بزرگ ہم سے راضی ہو جائے یا یہ سمجھ لیا جائے کہ اگر یہ جانور ذبح نہ کیا تو یہ بزرگ نقصان پہنچائیں گے تو یہ شرک کی مد میں آئیگا اور اس حدیث مبارک میں اسی چیز کی وعید آئی ہے۔

فرمایا دوسرا ملعون شخص وہ ہے مَنْ غَیَّرَ تُخُوْمَ الْاَرْضِ جو زمین کے نشانات کو مٹاتا ہے۔ ان نشانات سے مراد وہ نشانات ہیں جن کے ذریعے کسی شخص کی ملکیت کی پہچان ہوتی ہے بعض لوگ چالاکی سے ایسے نشانات مٹا کر دوسرے کی زمین پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، فرمایا ایسے نشانات مٹانے والے پر خدا کی لعنت ہے۔

پھر فرمایا اس شخص پر بھی خدا کی لعنت ہے مَنْ كَمَهَ الْأَعْمٰى عَنِ السَّبِيْلِ جو کسی اندھے کو راستے سے بھٹکا دیتا ہے یعنی جان بوجھ کر غلط راستے پر ڈالتا ہے۔ اندھا آدمی تو بیچارہ معذور و مجبور ہے اور اعانت کا مستحق ہے اس کا ہاتھ پکڑ کر صحیح راستے پر یا منزل مقصود تک پہنچانا چاہیئے نہ کہ اسے غلط راستے پر ڈال دیا جائے تاکہ وہ ٹھوکریں کھاتا پھرے ایسے شخص پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔

فرمایا چوتھا ملعون آدمی وہ ہے مَنْ سَبَّ وَالِدَهٗ جو اپنے والد کو گالی دیتا ہے دوسری روایت میں وَالِدَيْهِ کا لفظ آتا ہے یعنی ماں باپ دونوں کو گالی دیتا ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! ایسا کون بدبخت ہے جو اپنے والدین کو گالیاں دیتا ہے؟ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ کوئی شخص اپنے والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے لہذا حضور علیہ السلام نے یہ بات ایک دوسرے طریقے سے سمجھائی۔ فرمایا کہ اگر تم کسی کے والدین کو گالی دو گے تو وہ پلٹ کر تمہارے والدین کو گالی دیگا تو گویا تم نے خود اپنے والدین کو گالی دی کیونکہ تمہی اسکا سبب بنے۔ مگر اس زمانہ میں تو ہر چیز کھل کر سامنے آگئی ہے اب تو لوگ نہ صرف والدین کو گالی دیتے ہیں بلکہ پیٹتے بھی ہیں اور گھر سے بھی نکال دیتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات مشاہدہ میں آتے ہیں کہ باپ نے دوسری شادی کر لی تو بیٹے نے اسے قتل کر دیا کہ اب اس کی جائیداد کے اور وارث بھی پیدا ہو جائیں گے۔ ایسی باتیں شریعت کے عطا کردہ حق کو باطل کرنے کے مترادف ہیں اور سخت قبیح ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ اس شخص پر اللہ کی لعنت ہے جو اپنے والد کو گالی دیتا ہے

فرمایا پانچواں اور اس شخص پر بھی اللہ کی لعنت ہے جو اپنے آقاؤں کے سوا دوسروں کے ساتھ دوستانہ کرتا ہے۔ فرمایا چھٹا۔ اور اس شخص پر بھی اللہ کی لعنت ہے جو قوم لوط کا عمل کرتا ہے یعنی لواطت کرتا ہے یعنی سیڈمی اور یہ جملہ حضور علیہ السلام نے تین مرتبہ فرمایا۔

✱

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا آخری وقت

اَنَّ حَاجِبَ عَائِشَۃَ اَتَاہُ جَاءَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبَّاسٍ یَسْتَاْذِنُ عَلٰی عَائِشَۃَ فَجِئْتُ وَعِنْدَ رَأْسِھَا ابْنُ اَخِیْھَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقُلْتُ ھٰذَا ابْنُ عَبَّاسٍ یَسْتَاْذِنُ فَاَکَبَّ عَلَیْھَا ابْنُ اَخِیْھَا عَبْدُ اللّٰہِ ھٰذَا عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عَبَّاسٍ یَسْتَاْذِنُ وَھِیَ تَمُوْتُ فَقَالَتْ دَعْنِیْ مِنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۲۷۶)

یہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی مرض الموت کا واقعہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے ملاقات کرنے کے لیے پیغام بھیجا وہ آئے اور اجازت طلب کی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی آمد پر میں وہاں موجود تھا

حضرت عائشہ کے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمانؓ آپ کے سرہانے بیٹھے تھے۔ دوسرے راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ عبداللہ بن عباس آئے ہیں مگر مرض الموت کی تکلیف کی وجہ سے آپکو کچھ پتہ نہ چل سکا۔ پھر آپ کے بھتیجے نے آپ کے کان میں کہا کہ عبداللہ بن عباسؓ آئے ہیں اور آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں جس کے لیے اجازت طلب کرتے ہیں اس وقت حضرت عائشہؓ کا آخری وقت تھا، کہنے لگیں، مجھے چھوڑ دو، اب ابن عباسؓ سے کیا بات کرنی ہے کیونکہ اب تو میں دنیا سے جا رہی ہوں۔ ان کا بھتیجا کہنے لگا اے ماں اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ مِنْ صَالِحِیْ بَنِیْکِ یُسَلِّمُ عَلَیْکِ عبداللہ بن عباس نبی علیہ السلام کے اچھے آدمیوں میں سے ہیں وَیُوَدِّعُکِ اور آپ کو دنیا سے رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں اس پر آپ نے کہا کہ اچھا ان کو آنے کی اجازت دے دو۔ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو اندر داخل کیا، پھر جب وہ بیٹھ گئے تو کہا آپ کو خوشخبری ہو۔ وہ کہنے

لگیں آپکو بھی خوشخبری ہو۔ پھر ابن عباسؓ نے کہا مَا بَیْنَکِ وَ بَیْنَ اَنْ تَلْقَیْ مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اب آپکے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی فاصلہ باقی نہیں رہا سوائے اس کے کہ آپ کی روح آپ کے جسم سے نکل جاتے۔ آپ حضور علیہ السلام کی سب سے پسندیدہ بیوی تھیں۔ حضور علیہ السلام کے نزدیک آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی اللہ کے رسول پاکوں کے ساتھ محبت کرتے تھے اگر آپ پاک نہ ہوتیں تو حضور کیسے سب سے زیادہ محبت آپ سے کرتے۔ اور لیلتہ الابواء کے مقام پر قیام کے دوران رات کے وقت آپ کا ہار گم ہو گیا تھا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگوں نے اسی ٹھکانے پر صبح کی۔ پھر جب پانی ختم ہو گیا اور لوگوں کو وضو کرنے میں دقت کا سامنا کرنا پڑا تو اللہ نے قرآن میں حکم نازل فرما دیا۔ فَتَيَمَّمُوا صَعِيداً طَيِّباً اگر پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لو اور دیگر عبادات بھی انجام دے لو۔ امت کو یہ بہتری بھی آپ ہی کی وجہ سے ملی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ دیکھو! منافقین نے آپ پر اتہام لگایا تھا جس کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو سخت ذہنی کوفت ہوئی۔ اس موقع پر بھی اللہ تعالےٰ نے مہربانی فرمائی۔ ساتوں آسمانوں کے اوپر سے جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے قرآن کی دس آیات (تقریباً دو رکوع) آپ کی بریت میں نازل کیں۔ اب قیامت تک تمام مساجد میں جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہے وہاں پر یہ آیات پڑھی جاتی ہیں جن میں آپ کی بریت اور منافقین کی مذمت کا ذکر ہے یہ بھی آپ کے حق میں کس قدر فضیلت والی بات ہے۔

یہ باتیں سن کر حضرت عائشہؓ کہنے لگیں دَعْنِیْ مِنْکَ یَا ابْنَ عَبَّاسٍ اے ابن عباسؓ ان باتوں کو اب چھوڑو۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے لَوَدِدْتُ اَنِّیْ کُنْتُ نَسْیاً مَنْسِیّاً۔ میں تو یہ پسند کرتی ہوں کہ میں بھولی بسری ہوتی اور کوئی میرا نام تک نہ جانتا۔ یہ مومن کے مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے عاجزی اور انکساری کا اظہار تھا۔ تمام مقربین بمعہ خلفائے راشدینؓ عاجزی ہی کا اظہار

کرتے تھے۔ حضرت مریمؑ کی زبان سے بھی یہی الفاظ ادا ہوئے تھے۔ قَالَتْ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔ (مریم-۲۴) کاش میں اس سے پہلے مر کر بھولی بسری ہو چکی ہوتی۔ بلاشبہ مقربین الٰہی کی یہی شان ہوتی ہے۔

پھر عبداللہ بن عباسؓ نے یہ بھی کہا اِنَّمَا سُمِّيْتِ اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ لِتَسْعَدِيْ وَ اِنَّهٗ لَاِسْمُكِ قَبْلَ اَنْ تُوْلَدِيْ۔ آپکو ام المومنین ہونے کی سعادت مبارک ہو اور آپ کا یہ نام تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ کے ہاں مقرر ہو چکا تھا۔ آپ سعادت مند ہیں۔ آپ اپنی حالت میں خواہ انکساری کا اظہار کریں مگر اللہ نے یہ سعادت آپکو بہر حال عطا فرمائی ہے۔ یہ حضرت عائشہؓ کے آخری وقت کی بات چیت تھی۔ اس کے بعد آپ دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

رکوع کے بعد کلمات

حَدَّثَنِیْ عَطَاءٌ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ حَدَّثَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّکُوْعِ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَ مِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۲۷۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نماز کے دوران جب حضور علیہ السلام رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو یہ کلمات ادا فرماتے اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَ مِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اے ہمارے پروردگار! تیرے ہی لیے تعریفیں ہیں، آسمانوں بھر، زمین بھر اور جو تو چاہے اس کے بعد اس کے برابر۔ ان کلمات کے علاوہ بعض دوسرے کلمات بھی آتے ہیں۔ مثلاً حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْهِ۔ دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَ لَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَ لَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔

نوافل کے دوران آدمی جتنا چاہے زیادہ پڑھ لے۔ بہتر ہی ہے فرائض میں بھی جائز ہے۔ تاہم جماعت کے دوران امام کو تخفیف کرنے کا حکم ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ نمازیوں میں چونکہ کمزور، بیمار اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں، اس لیے امام کو چاہیئے کہ وہ نہ تو لمبی قرارت کرے اور نہ لمبے اوراد پڑھے بلکہ حتی الامکان تخفیف سے کام لے تاکہ کسی مقتدی کو دوران نماز تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ ہاں جو شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہے اسکو اجازت ہے کہ وہ جتنی چاہے لمبی قرارت کرے یا دیگر مسنون کلمات ادا کرے۔

★

بعض برتنوں کے استعمال کی ممانعت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِیْرِ وَ اَنْ یُّخْلَطَ الْبَلَحُ وَالزَّهْوُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے چار قسم کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ ا۔ کدو سے بنائے گئے برتن ۲۔ سبز رنگ سے رنگے ہوئے مٹکے ۳۔ سیاہ رنگ کئے ہوئے مٹکے ۴۔ لکڑی کو کرید کر بنائے گئے برتن یہ اس وقت کی بات ہے جب شراب کی حرمت کے احکام نازل ہوئے۔ جب شراب حرام ہوئی تو حضور علیہ السلام نے ان برتنوں کے استعمال کی بھی ممانعت فرما دی جن میں شراب کشید کی جاتی تھی۔ اس مقصد کے لیے عام طور پر مذکورہ چار قسم کے برتن استعمال ہوتے تھے۔ شراب کشید کرنے کے لیے ایسے برتن زیادہ مفید ہوتے ہیں جن کے مسامات نہ ہوں یا اگر ہوں تو بند کر دیئے جائیں کدو میں چونکہ مسامات نہیں ہوتے اس لیے اس کو کھوکھلا کر کے اس میں کشید شدہ شراب اچھی قسم سے شمار ہوتی تھی کیونکہ اس کا خمیر جلدی بن جاتا ہے۔ اسی طرح مٹی کے جن برتنوں پر سبز یا سیاہ رنگ کر دیا جائے ان کے مسام بھی بند ہو جاتے ہیں اور وہ بھی شراب کی کشید کے لیے بہتر ثابت ہوتے ہیں۔ بعض درختوں کی جڑوں کو کرید کر برتن بنائے جاتے تھے۔ چونکہ ان میں بھی مسامات کم ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ بھی شراب کی کشیدگی کے لیے استعمال ہوتے تھے چونکہ یہ چاروں قسم کے برتن شراب کی کشیدگی یا ذخیرہ اندوزی کے لیے استعمال ہوتے تھے، اس لیے حضور علیہ السلام نے اس قسم کے برتنوں کا عام استعمال بھی ممنوع قرار دے دیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد فرمایا کہ میں نے ان برتنوں کے استعمال کی ممانعت کر دی تھی مگر حقیقت یہ ہے اِنَّ الظُّرُوْفَ لَا تُحِلُّ شَیْئًا وَلَا تُحَرِّمُ برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتے، لہٰذا اب تم ایسے

برتن عام ضروریات زندگی میں استعمال کر سکتے ہو۔ البتہ یاد رکھو! کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ فَلَا تَشْرَبُوا مُسْکِرًا۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور ایسی چیز کو حرام نہ کرو، شراب بھنگ، چرس، افیون، ہیروئن وغیرہ سب نشہ آور اور حرام ہیں۔ ان سے بچتے رہو۔

اسکے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلح اور زھو یعنی کچی اور نیم پختہ کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے بھی منع فرما دیا بعض اوقات بلکہ کچی کھجوریں اور چھوہارے ملا کر ان کا شربت تیار کیا جاتا تھا کہ اس طرح جلد نبیذ تیار ہو جاتا تھا۔ آپ نے ایسا کرنے سے بھی منع فرما دیا۔ فرمایا نبیذ بنانا ہو تو خالص کھجور کا بناؤ۔ وہ بھی اس حد تک درست ہے جب تک اس میں خمیر پیدا نہ ہو۔ اگر خمیر پیدا ہو گیا تو وہ شراب بن کر ناجائز ہو گیا۔ اگر دو تین دن تک کھجوریں بھگو کر رکھی جائیں تو خمیر پیدا نہیں ہوتا بلکہ شربت ہی بنتا ہے۔ البتہ اگر زیادہ عرصہ تک رکھی جائیں تو پھر خمیر پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا آپ نے نبیذ بنانے کے سلسلہ میں بھی محتاط رہنے کی تلقین کی۔ عرب میں نبیذ بنانے کا عام رواج تھا۔ دو تین دن تک کھجوریں پانی میں ڈال کر رکھ دی جاتی تھیں جن سے پانی میٹھا ہو جاتا تھا اور پھر لوگ اسے شربت کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ خود حضور علیہ السلام نے بھی نبیذ استعمال کیا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ کچھ کچی اور کچھ پکی کھجوروں کا نبیذ تیار نہ کرو کیونکہ ان کو ملا کر پانی میں ڈالنے سے خمیر جلد تیار ہو جاتا ہے اور وہ نبیذ شربت کی بجائے شراب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

فتح مکہ کی تاریخ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الْفَتْحُ فِي ثَلَاثَ عَشَرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ تیرہ رمضان المبارک کو فتح ہوا تھا حضور علیہ السلام دس ہزار کے لشکر کے ساتھ اسی ماہ میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تیرہ تاریخ کو مکہ میں داخل ہوئے اور مکمل فتح کے سلسلہ میں انیس تاریخ تک کا ذکر آتا ہے۔ بعض روایات میں سولہ تاریخ کا ذکر بھی ملتا ہے، تاہم فتح مکہ کی ابتدا تیرہ تاریخ کو ہو گئی تھی۔ بدر کے مقام پر بھی تاریخی فتح ماہ رمضان المبارک کی ستر ہ تاریخ کو ہوئی تھی۔ شہر مکہ کی فتح عرب کی فتح کی آخری کڑی تھی اب پورا عرب مسلمانوں کے زیر تسلط آچکا تھا اور اس کے بعد بیرون عرب جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پھر تبوک کا معرکہ اور بڑے بڑے دیگر معرکے ہوئے۔

دجّال کی واضح علامت

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَذَكَرُوا الدَّجَّالَ فَقَالُوا إِنَّهُ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَ فَ رَ قَالَ مَا تَقُولُونَ قَالَ يَقُولُونَ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَ فَ رَ قَالَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَمْ أَسْمَعْهُ قَالَ ذَلِكَ وَلَكِنْ قَالَ أَمَّا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَانْظُرُوا إِلَى صَاحِبِكُمْ......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۲۷۶، ۲۷۷)

حضرت مجاہدؒ تابعین میں سے ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں جنہوں نے آپ سے تیس مرتبہ قرآن کی تفسیر پڑھی اور پھر خود مفسر قرآن بن گئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنے استاد مکرم حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ لوگوں نے دجال کا ذکر کیا اور کہا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک ف ر (کافر) کا لفظ لکھا ہوا ہو گا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ یہ بات تو میں نے خود حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے نہیں سنی۔ دوسرے صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ دجال کی پیشانی پر کافر کا لفظ لکھا ہوا ہو گا مگر اس کو صرف مومن آدمی پڑھ سکے گا اگرچہ وہ ان پڑھ ہی کیوں نہ ہو۔ کافر، مشرک اور منافق یہ لفظ نہیں پڑھ سکیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ بات بھی سنی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا أَمَّا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَانْظُرُوا إِلَى صَاحِبِكُمْ۔ اگر ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے صاحب یعنی مجھے دیکھ لو کیونکہ ہماری شکل و شباہت آپس میں ملتی جلتی ہے۔ پھر آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ فَرَجُلٌ آدَمُ جَعْدٌ عَلَى جَمَلٍ أَحْمَرَ مَخْطُومٍ بِخُلْبَةٍ وہ گندمی رنگ کے گھنگریالے بالوں والے ہیں اور

وہ سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار ہیں جس کی مہار کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی ہے۔ فرمایا کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَیْہِ وَ قَدِ انْحَدَرَ فِی الْوَادِیْ یُلَبِّیْ گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ وادی سے نیچے اتر رہے ہیں اور لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتے جا رہے ہیں۔ دوسری روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ازد قبیلہ کے لوگوں کی شل کہا گیا ہے جو بڑے قدآور لوگ ہوتے تھے اور یمن میں آباد تھے۔

★

عذر کی حالت میں جماعت سے استثناء

عَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ ابْنُ عَوْنٍ اَظُنُّہٗ قَدْ رَفَعَہٗ قَالَ اَمَرَ مُنَادِیًا فَنَادٰی فِیْ یَوْمٍ مَطِیْرٍ اَنْ صَلُّوْا فِیْ رِحَالِکُمْ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مؤذن کو حکم دیا کہ بارش والے دن آذان کہنے کے بعد یہ اعلان کر دو کہ لوگو! نماز اپنے اپنے ٹھکانوں پر ہی ادا کر لو۔ جب شدید بارش یا طوفان ہو تو پھر جماعت کی حاضری ضروری نہیں رہتی۔ یہ شرعی عذر ہے اور گھر میں نماز پڑھ لینے سے آدمی گنہگار نہیں ہوتا۔ البتہ اگر بغیر عذر کے گھر میں نماز پڑھیگا تو گنہگار ہو گا۔ جماعت کی حاضری سنّت مؤکدہ بلکہ واجب کے قریب قریب ہے۔ مسلم اور نسائی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے ایک منافق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر تم اس شخص کی طرح جماعت سے پیچھے رہنے لگو گے تو اپنے نبی کی سنت کے تارک بن جاؤ گے اور اس حالت میں گمراہ ہو کر رہ جاؤ گے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہم دیکھتے تھے کہ جماعت سے پیچھے منافق رہتے تھے یا کوئی بیمار آدمی۔ جماعت سے استثناء صرف عذر کی حالت میں ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤذن سے فرمایا کہ آذان کے بعد دو دفعہ اعلان کرو کہ لوگو! اپنے اپنے ٹھکانوں پر نماز پڑھ لو۔ بہرحال عذر کی حالت میں جماعت کی حاضری ضروری نہیں رہتی۔

مُردار کی کھال کا حکم

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ مَاتَتْ شَاةٌ فِیْ بَعْضِ بُیُوْتِ نِسَاءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ هَلَّا انْتَفَعْتُمْ بِمَسْکِهَا.

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۲۷۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات میں سے کسی کے گھر میں بکری مرگئی اور اسے ذبح نہ کیا جاسکا۔ چنانچہ اس کو اٹھا کر کوڑے کرکٹ پر پھینک دیا گیا۔ کچھ دیر بعد ادھر سے حضور علیہ السلام کا گزر ہوا تو فرمایا، تم نے اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا مردار کی کھال اتروا کر خشک کر لی جائے یا رنگ لی جائے تو اس کا بیچنا بھی روا ہے اور اس کو خود بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اس کا ڈول بنا کر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یا نماز کے لیے مصلی بنایا جاسکتا ہے۔ صحابہؓ کے زمانہ میں یہ مسئلہ پیدا ہوا تو انہوں نے اس کا ذکر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس کیا۔ کہنے لگے کہ بربر کے مشرک لوگ چمڑے کے برتنوں میں گھی اور تیل وغیرہ لاتے ہیں، پتہ نہیں وہ چمڑا مردار کا ہوتا ہے یا حلال جانور کا، لہذا اس کے متعلق آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے حضور علیہ السلام کی یہی حدیث سنائی کہ دباغت کے بعد کھال پاک ہو جاتی ہے خواہ وہ مردار کی ہو۔ البتہ خنزیر اور انسان کی کھال استعمال کرنی جائز نہیں اور خنزیر کی کھال کسی صورت میں بھی پاک نہیں ہوتی لہذا ان کا استعمال جائز نہیں ہے۔

پیر کے دن کی فضیلت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وُلِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَاسْتُنْبِئَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَتُوُفِّيَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَخَرَجَ مُهَاجِرًا مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَقَدِمَ الْمَدِينَةَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَرُفِعَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پیر کے دن ہوئی آپ پر نزول وحی کا آغاز بھی پیر کے دن ہوا۔ آپ کی وفات بھی پیر کے دن ہوئی۔ آپ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے لیے بھی پیر کے دن نکلے، مدینہ میں آپکی تشریف آوری بھی پیر کے دن ہوئی اور حجر اسود کی تنصیب کا واقعہ بھی پیر ہی کے دن پیش آیا حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے بیت اللہ شریف کی تعمیر نو کے موقع پر قریش کے درمیان حجر اسود کی تنصیب کے متعلق تنازعہ پیدا ہوا پھر سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اتفاق کیا تو یہ تنصیب بھی آپ ہی کے ہاتھوں پیر کے دن انجام پائی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام پیر کے دن اکثر روزہ رکھا کرتے تھے جب آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ اللہ نے اس دن مجھے وجود کی نعمت بخشی نبوت و رسالت کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور دیگر بڑی بڑی نعمتیں عطا کیں لہذا میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس دن روزہ رکھتا ہوں۔

سفر حج کے دوران بعض ہدایات

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَاتٍ وَاقِفًا وَقَدْ أَرْدَفَ الْفَضْلَ فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَوَقَفَ وَامْرَأَةٌ خَلْفَهُ فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا فَفَطِنَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَصْرِفُ وَجْهَهُ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۰)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حج کے موقع پر حضور علیہ السلام کو عرفات کے میدان میں کھڑے دیکھا۔ آپ نے اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے میرے بڑے بھائی فضل کو بٹھایا ہوا تھا۔ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم عرفات سے مزدلفہ کی طرف واپس آتے تو ایک دیہاتی بھی حضور علیہ السلام کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی سواری پر ایک عورت کو پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ فضل بن عباسؓ اس عورت کی طرف دیکھنے لگے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ وہ قبیلہ خثعم کی نوجوان اور خوبصورت عورت تھی۔ فضل بھی نوجوان اور خوبصورت چہرے والے تھے۔ اللہ کے رسول نے فضل کو عورت کی طرف نظریں جماتے دیکھا تو اس کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا۔ یہ ساری امت کے لیے تعلیم تھی۔ حج کے موسم میں نوجوان مرد کا نوجوان عورت کی طرف دیکھنا فتنہ کا باعث ہو سکتا تھا لہذا آپ نے فضلؓ کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا۔ اس کے برخلاف آج کے معاشرے پر نظر مار کر دیکھ لیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ انگریزی تہذیب کی دلدادہ عورتیں ننگے سر اور ننگے منہ بازاروں میں آزاد پھر رہی ہیں۔ نوجوان مردان کی طرف نظریں جمائے کھڑے ہیں مگر نہ کوئی پوچھنے والا ہے اور نہ سمجھانے والا۔ یہ اسی بے حیائی کا نتیجہ ہے کہ مخلوق خدا اس کی رحمت سے دور ہوتی جا رہی ہے، طرح طرح کے فتنے پیدا ہو رہے ہیں اور مختلف صورتوں میں خدا کا عذاب نازل ہو رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ مزید بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا اے لوگو! لَيْسَ الْبِرُّ بِإِيجَافِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ گھوڑوں اور اونٹوں کو دوڑانے میں

کوئی نیکی نہیں ہے۔ عرفات سے واپسی پر بعض لوگ جلدی منزلِ مقصود پر پہنچنے کی خاطر اپنے اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو دوڑا رہے تھے آپ نے فرمایا کہ یہ کوئی اچھا کام نہیں ہے بلکہ ایسا کرنے سے حادثات پیش آ سکتے ہیں، لہٰذا اس سے اجتناب کرو۔ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ اور اپنے آپ پر آہستگی اور اطمینان کو لازم پکڑو۔ یعنی آہستہ آہستہ میانہ روی کے ساتھ چلو اور ایک دوسرے کے لیے اذیت کا باعث نہ ہو۔ پھر حضرت ابن عباسؓ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نے سواریوں کو نہ دوڑانے کی تلقین کی تو پھر میں نے کسی آدمی کو جانور دوڑاتے نہیں دیکھا گویا سب نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ سب نے نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ عرفات سے مزدلفہ کی طرف واپسی کی۔

تمام لوگوں نے رات مزدلفہ میں گزاری اور صبح کی نماز کے بعد اور وقوف کے بعد منیٰ کی طرف چل دیئے۔ اس موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اپنے پیچھے سواری پر بیٹھایا ہوا تھا۔ حضرت زیدؓ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن میں مذکور ہے ان دونوں باپ بیٹے سے نبی علیہ السلام کو بڑی محبت تھی۔ دونوں بڑے وفادار تھے اور دونوں نے آپ کی بڑی خدمت کی۔ اس موقع پر آپ نے پھر فرمایا کہ اے لوگو! گھوڑے اور اونٹ دوڑانے میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ اطمینان اور سکون کے ساتھ منیٰ کی طرف جاؤ۔ تو عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اس اعلان کے بعد میں نے نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے اپنی سواری کو دوڑایا ہو۔ سب لوگ اپنی اپنی سواریوں کو آہستہ آہستہ چلا رہے تھے۔ البتہ جہاں مناسب موقع مل جاتا سواری کو تیز بھی کر دیتے وگرنہ کامل سکون کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ منیٰ میں پہنچ گئے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ اس سفر میں ہمارے ساتھ بنی ہاشم کے کچھ کمزور لوگ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ ان کے لیے مزدلفہ میں رات گزارنا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ رات کے وقت مزدلفہ میں مختصر قیام کر کے اسی وقت منیٰ کی طرف جا سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو رات کے وقت ہی منیٰ کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی انہی لوگوں میں شامل تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہماری رانوں پر ہاتھ مار کر فرمایا یا بَنِيَّ اَفِيضُوا وَلَا تَرْمُوا الْجَمْرَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ بچو! چلے جاؤ اور منیٰ پہنچ کر سورج نکلنے

سے پہلے جمرات کو کنکر نہ مارنا۔ آپ نے مسئلہ سمجھا دیا کہ دس تاریخ کو اگرچہ سب سے پہلا کام جمرہ عقبیٰ کو کنکر مارنا ہے مگر یہ کام سورج نکلنے سے پہلے انجام نہیں دیا جا سکتا۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ ہم تو نماز فجر کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہو کر سورج نکلنے کے بعد منیٰ میں پہنچ جائیں گے مگر تم چونکہ رات کو ہی وہاں پہنچ جاؤ گے، اس لیے کنکر مارنے میں جلدی نہ کرنا بلکہ طلوع شمس کے بعد اس فریضہ سے سبکدوش ہونا۔ رمی جمرات کا طریقہ یہی ہے کہ پہلے دن سورج نکلنے کے بعد اور زوال سے پہلے پہلے بڑے شیطان کو سات کنکر مارے جاتے ہیں اور پھر دوسرے، تیسرے اور چوتھے دن یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحج کو بعد از زوال تینوں جمرات کو سات سات کنکر مارے جاتے ہیں۔

بیت اللہ شریف میں بتوں کی موجودگی

عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ دَخَلَ الْبَيْتَ وَجَدَ فِيْهِ صُوْرَةَ اِبْرَاهِيْمَ وَ صُوْرَةَ مَرْيَمَ فَقَالَ اَمَّا هُمْ فَقَدْ سَمِعُوْا اَنَّ الْمَلٰئِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ هٰذَا اِبْرَاهِيْمُ مُصَوَّرًا فَمَا بَالُهُ يَسْتَقْسِمُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۷)

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ السلام فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ نے وہاں پر ابراہیم علیہ السلام اور حضرت مریمؑ کی تصاویر یعنی مجسمے موجود پائے۔ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے یہ بات سن رکھی ہے کہ جس گھر میں تصاویر ہوں وہاں اللہ کی رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے مگر پھر بھی انہوں نے یہاں تصویریں رکھی ہوئی ہیں تصویر ایک بڑی قبیح چیز ہے لَعَنَ اللّٰهُ الْمُصَوِّرِيْنَ تصویر کشی کرنے والوں یا مجسمہ سازوں پر اللہ کی لعنت کی گئی ہے مگر آج کل تو پورا تمدن بگاڑ چکا ہے۔ کوئی کام تصویر کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتا۔ ٹکٹ، لفافے، پنسل، کاغذ، ڈبل روٹی حتیٰ کہ کرنسی نوٹوں پر بھی تصویر ہے۔ دیکھ لیں ہمارے معاشرے میں کتنی لعنت داخل ہو چکی ہے۔ اخبارات اور رسائل میں تصاویر بلکہ عریاں تصاویر کی بھرمار ہے۔ عیسائی، مشرک اور یہودی تو اس لعنت میں گرفتار تھے ہی، اب مسلمان بھی ان سے پیچھے نہیں رہے۔ یہ کس قدر بے حیائی اور خدا کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہے۔

پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھو! انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر بنا کر انکے ہاتھ میں جوتے یا قسمت معلوم کرنے کے تیر پکڑا رکھے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ط (المائدہ – ۳)

کہ دیگر حرام چیزوں کے علاوہ تیروں کے ذریعے تقسیم کرنا بھی حرام ہے۔ یہ تیر دو مقاصد کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ ایک قسمت معلوم کرنے کے لیے اور دوسرا گوشت کے حصے تقسیم کرنے کے لیے۔ جب کسی شخص کو کوئی اہم کام انجام دینا ہوتا تو وہ پروہت کے پاس تیروں کے ذریعے فال نکلواتا۔ اگر وہ تیر نکلتا جس پر نعم لکھا ہوتا تو کام کر لیا جاتا اگر لا والا تیر نکلتا تو وہ کام نہ کیا جاتا اور اگر خالی تیر نکل آتا تو اس کام کو کسی دوسرے وقت کے لیے موخر کر دیا جاتا۔ عربوں میں اونٹ کے گوشت کی تقسیم کا یہ عجیب و غریب طریقہ بھی رائج تھا کہ دس آدمی مل کر اونٹ خریدتے۔ اس کو ذبح کر کے گوشت کے دس برابر حصے کرتے پھر نمبر لگے ہوئے تیر نکالتے جن پر ایک سے سات تک نمبر لگے ہوتے جس حصہ دار کے ہاتھ جتنے نمبر کا تیر آتا وہ گوشت کے اتنے حصے اٹھا لیتا اور اس طرح بعض حصہ دار محروم ہو جاتے۔ فرمایا اللہ نے تو ایسی تقسیم کو حرام قرار دیا ہے مگر ان ظالموں نے یہ کام ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ منسوب کر رکھا ہے۔

لڑکی کی نکاح کے لیے رضامندی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اَلْاَیِّمُ اَمْلَکُ بِاَمْرِھَا مِنْ وَّلِیِّھَا وَالْبِکْرُ تُسْتَاْمَرُ فِیْ نَفْسِھَا وَصَمَاتُھَا اِقْرَارُھَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۲۷۴)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ بیوہ یا مطلقہ عورت اپنے معاملہ کی خود مالک ہے اپنے ولی کی نسبت وہ جہاں چاہے اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرسکتی ہے اور اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ دوشیزہ لڑکی سے اسکے نکاح کے بارے میں مشورہ کیا جائیگا چونکہ کنواری لڑکیاں زیادہ حیادار ہوتی ہیں اور کھل کر اپنی رائے کا اظہار بھی نہیں کرسکتیں۔ لہٰذا صَمَاتُھَا اِقْرَارُھَا کسی ایسی لڑکی کا مشورہ کے وقت خاموش رہنا اس کی رضامندی شمار ہوگا۔ فقہائے کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر لڑکی ایسے موقع پر ہنس پڑے یا رو پڑے یا خاموش رہے تو اسے اسکی رضامندی ہی سمجھا جائیگا۔ ہاں اگر کوئی لڑکی کسی وجہ سے صریحاً انکار کردے اور اگر وہ بالغ ہے تو اسے مجبور نہیں کیا جائیگا۔

نظر بد کا لگ جانا برحق ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْعَیْنُ حَقٌّ تَسْتَنْزِلُ الْحَالِقَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۲۷۴)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ نظر بد لگنا برحق ہے۔ یہ انسان کو اونچی جگہ سے نیچی جگہ میں اتار دیتی ہے بعض آدمیوں کے جسم میں خاص قسم کی کیفیت پائی جاتی ہے جونہی وہ کسی عجیب و غریب چیز کو دیکھتے ہیں تو ان پر فوری اثر ہو جاتا ہے۔ دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظر بد ایسی خطرناک چیز ہے کہ اونٹ کو ہانڈی میں اور انسان کو قبر میں اتار دیتی ہے۔ بسا اوقات لوگ مر بھی جاتے ہیں۔ جس آدمی کی نظر لگ جاتی ہو اس کو چاہیئے کہ جس پر نظر اٹھائے اس کے لیے برکت کی دعا کرے اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْہِ۔ اے اللہ! اس کو اس معاملے میں برکت عطا فرما۔ ایسے شخص کے جسم میں اللہ نے شفا کا مادہ بھی رکھا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص کی کسی کو نظر لگ گئی ہو وہ اپنا ہاتھ منہ اور سر پیر دھو کر مستعمل پانی مریض کو دے دے۔ یہ پانی کسی بڑے پیالے میں ڈال کر اگر مریض کے پیچھے سے ڈال دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس نظر بد والے مریض کو شفا دے دیتا ہے۔

اصفہانی سُرمہ کی خصوصیّت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ اَکْحَالِکُمُ الْاِثْمَدُ عِنْدَ النَّوْمِ یُنْبِتُ الشَّعْرَ وَ یَجْلُوا الْبَصَرَ وَخَیْرُ ثِیَابِکُمُ الْبَیَاضُ فَالْبَسُوْھَا وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۲۷۴)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرموں میں سے بہترین سرمہ اثمد سرمہ ہے۔ سرمہ لگانے سے ایک تو آنکھوں کی صفائی ہوتی ہے اور دوسرا یہ باعث زینت بھی ہوتا ہے۔ زینت کے لیئے خوشبو لگانا، سرمہ لگانا، بال سنوارنا وغیرہ شریعت میں جائز ہے۔ محدثین کہتے ہیں کہ زینت کے لیے سرمہ لگاتے وقت حضور علیہ السلام کی سنّت کا اجر بھی حاصل کرنے کی نیت بھی کرلے تو اسے دونوں چیزیں حاصل ہوجائیں گی۔ حضور علیہ السلام خود رات کے وقت سرمہ لگایا کرتے تھے اور اس مقصد کے لیے آپ کے پاس سرمہ دانی بھی تھی آپ کا معمول تھا کہ سرمہ لگاتے وقت ایک آنکھ میں ایک اور دوسری آنکھ میں دو سلائیاں لگاتے یا ایک میں دو اور دوسری میں تین لگاتے۔ اسی طرح گویا مجموعی طور پر طاق سلائیاں استعمال کرتے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ تمہارے سرموں میں بہترین سرمہ اثمد ہے جس کو اصفہانی سرمہ بھی کہتے ہیں۔ آپ نے اس سرمہ کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ یہ آنکھوں کو صاف کرتا ہے اور اس کی وجہ سے پپوٹوں کے بال خوب اُگتے ہیں۔ تاہم ہر قسم کا سرمہ استعمال کرنا جائز ہے اس مقام پر حضور علیہ السلام نے دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ بہترین کپڑے سفید ہیں۔ لہٰذا یہی پہنا کرو اور مردوں کو کفن بھی سفید کپڑوں میں دیا کرو کہ یہ پسندیدہ لباس ہے اس میں میل کچیل آجاتے تو جلدی صاف کرلیا جاتا ہے۔ یہ بہترین لباس ہے۔

جماعت کے ساتھ وابستگی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأَیٰ مِنْ اَمِیْرِہٖ شَیْئًا یَکْرَھُہٗ فَلْیَصْبِرْ فَاِنَّہٗ مَنْ خَالَفَ الْجَمَاعَۃَ شِبْرًا فَمَاتَ فَمِیْتَتُہٗ جَاھِلِیَّۃٌ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۲۷۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتا ہے تو اُسے صبر کرنا چاہیئے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اس حالت میں بھی امیر کی اطاعت سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا سوائے ایسی حالت کے کہ امیر میں صریح کفر کی بات دیکھی جائے۔ اگر کسی کے پاس قطعی دلیل موجود ہے کہ اس کا امیر کفر کا مرتکب ہو رہا ہے تو پھر اسے اسکی اطاعت سے باہر نکلنے کا حق حاصل ہے ایسی حالت میں امیر کی بغاوت بھی کرسکتا ہے۔ محض گناہ اور کمزوریوں کی بناء پر اطاعت سے باہر نکلنے کا حکم نہیں ہے کیونکہ یہ چیز اجتماعیت کے خلاف ہے۔

فرمایا جو کوئی شخص اپنے امیر میں بری چیز دیکھے تو صبر کرے، اور اگر اس کو سمجھا سکتا ہے تو سمجھائے کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر نکلے گا اور پھر اسی حالت میں مر جائیگا تو وہ گویا جاہلیت کی موت مرا۔ جس طرح امیر کی اطاعت سے نکلنا روا نہیں اس طرح پیر کی اطاعت سے نکلنا بھی درست نہیں۔ سید احمد شہید بریلویؒ کے ملفوظات میں ہے کہ اگر کسی پیر سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو مرید کو چاہیئے کہ اس کی بیعت نہ توڑے بلکہ اصلاح کی کوشش کرے اور پیر کے حق میں دعا کرتا رہے ہاں اگر پیر کفر و شرک میں مبتلا ہو جائے تو پھر اس سے الگ ہو جائے۔ محض گناہ کی بات سے بیعت توڑنے کا حکم نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی پیر معصوم عن الخطاء تو نہیں ہوتا۔ معصوم تو صرف نبی کی ذات ہوتی ہے تو پیر کی غلطی پر اسکی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیئے تاکہ وہ اس سے باز آجائے۔

امیر، خلیفہ یا حاکم کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اگر وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے یا قرآن و سنت کے

صریح خلاف کرتا ہے تو اس سے علیحدگی روا ہے۔ عام حالات میں جماعت کے ساتھ وابستگی رہنی چاہیئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو آدمی ایک بالشت بھر بھی جماعت سے الگ ہوا وہ مردار کی موت مرا۔ جماعت سے علیحدگی کی وجہ سے فرقہ بندی پیدا ہوتی ہے الگ الگ مذاہب بنتے ہیں، عقیدے جدا جدا ہوتے ہیں اور ایمان میں ضعف پیدا ہوتا ہے لہذا حتی الامکان جماعت کے ساتھ منسلک رہنا چاہیئے۔

حرمت نکاح بوجہ رضاعت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُرِیْدَ عَلٰی ابْنَۃِ حَمْزَۃَ اَنْ یَّتَزَوَّجَہَا فَقَالَ اِنَّہَا ابْنَۃُ اَخِیْ مِنَ الرَّضَاعَۃِ وَاِنَّہٗ یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَۃِ مَا یَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خیال کیا کہ آپ اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی بیٹی سے نکاح کر لیں مگر آپ نے فرمایا کہ وہ تو بوجہ رضاعت میری بھتیجی بنتی ہے۔ کیونکہ میں نے اور حمزہؓ نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہے اور معلوم ہونا چاہیئے اِنَّہٗ یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَۃِ مَا یَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ کہ جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں وہی رشتے رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوتے ہیں مطلب یہ تھا کہ حضرت حمزہؓ کی بیٹی سے میرا نکاح درست نہیں ہے۔

احرام کی حالت میں نکاح

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ كَانَ لَا يَرٰى بَاْسًا اَنْ يَّتَزَوَّجَ الرَّجُلُ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَيَقُوْلُ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ بِمَاءٍ يُقَالُ لَهُ سَرِفٌ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَلَمَّا قَضٰى نَبِيُّ اللّٰهِ حَجَّتَهُ اَقْبَلَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِذٰلِكَ الْمَاءِ اَعْرَسَ بِهَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت عکرمہؒ بیان کرتے ہیں کہ انکے استاد حضرت ابن عباسؓ احرام کی حالت میں نکاح کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت میمونہ بنت حارثؓ کے ساتھ احرام کی حالت میں سرف نامی پانی پر نکاح کیا تھا۔ پھر جب نبی علیہ السلام نے ارکانِ حج مکمل کر لیے تو آپ واپسی پر اسی پانی پر ٹھہرے اور اسی مقام پر رخصتی ہوئی اور اکٹھے ہوا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کی وفات بھی دورانِ سفر اسی مقام پر ہوئی اور آپکو اسی مقام پر دفن کیا گیا۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ احرام کی حالت میں نکاح کرنا بہتر نہیں ہے تاہم یہ جائز ہے۔ یہ محض احتیاط کے لیے ہے کہ احرام کی حالت میں کسی غلطی کا ارتکاب نہ ہو جائے۔

جسم کا پردے والا حصّہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَجُلٍ وَ فَخِذُہٗ خَارِجَۃٌ فَقَالَ غَطِّ فَخِذَکَ فَاِنَّ فَخِذَ الرَّجُلِ مِنْ عَوْرَتِہٖ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۱ صفحہ ۲۷۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ کا گزر ایک شخص پر ہوا جس کی ران برہنہ تھی۔ آپ نے اس سے فرمایا اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ مرد کی ران اسکے ستر کا حصّہ ہے مرد کا لازمی پردہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے لہذا یہ حصّہ جسم بے پردہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر کسی وقت غلطی سے یہاں کا کوئی حصّہ کھل جائے تو اس پر فوراً کپڑا ڈال لینا چاہیئے کسی غیر شخص کی نگاہ اس حصّہ جسم پر نہیں پڑنی چاہیئے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آدمی مردہ ہو یا زندہ اس کے ستر والے حصّہ کی طرف مت دیکھو کیونکہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

دورانِ نماز نظر سے التفات

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ يَلْتَفِتُ يَمِيْنًا وَّ شِمَالًا وَّلَا يَلْوِيْ عُنُقَهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد اصفحہ ۲۷۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت دورانِ نماز اپنی نگاہ سے دائیں بائیں التفات فرماتے تھے۔ مگر گردن کو پیٹھ کے پیچھے نہیں موڑتے تھے۔ محض نگاہ کے ذریعے دائیں بائیں دیکھنا کسی ضرورت کے تحت ہو سکتا ہے بعض اوقات نمازیوں کی حالت کو دیکھنا مطلوب ہو تو آپ گردن موڑے بغیر آنکھ کی پتلی سے التفات فرما لیتے ہوں گے۔ فقہا کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کا التفات ادنیٰ درجہ ہے مگر بلا ضرورت یہ بھی نہیں ہونا چاہیئے تاہم اس سے نماز میں فرق نہیں پڑتا۔ البتہ گردن موڑ کر دیکھنے سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے اور اگر آدمی کا سینہ بھی پچھلی طرف یا دوسری طرف پلٹ جائے تو نماز بالکل فاسد ہو جائے گی بہر حال حضور علیہ السلام کسی وقت نگاہ سے دائیں بائیں التفات فرما لیتے تھے مگر گردن کو نہیں موڑتے تھے۔

حضور علیہ السلام کی رات کی نماز

حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُکَیْنٍ الْمُتَوَکِّلُ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ حَدَّثَ اَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ نَبِیِّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ فَقَامَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّیْلِ فَخَرَجَ فَنَظَرَ فِی السَّمَآءِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ الَّتِیْ فِیْ اٰلِ عِمْرَانَ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۵)

فضل بن دکین متوکل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے ایک رات حضور علیہ السلام کے گھر میں گزاری کیونکہ ام المومنین حضرت میمونہؓ انکی خالہ لگتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام رات کے وقت اٹھے اور اپنی نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر سورۃ آل عمران کی دو آیات مبارکہ تلاوت فرمائیں اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...... تا فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ پھر آپ نے مسواک کیا، وضو کیا۔ پھر نماز پڑھی اور پھر کچھ دیر کے لیے لیٹ گئے آپ پھر اسی رات بیدار ہوتے۔ آیات پڑھیں، دوبارہ وضو کیا اور اسی طریقہ سے دوبارہ نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر آپ پھر سو گئے۔ تیسری دفعہ پھر اٹھے نگاہ اوپر اٹھائی آیات پڑھیں، مسواک اور وضو کیا اور پھر نماز ادا فرمائی۔ گویا آپ رات کو مختلف طریقوں سے قیام فرماتے تھے۔ اگلی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ بیان بھی آتا ہے کہ رکوع سے اٹھتے وقت جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے تو ساتھ یہ کلمات بھی ادا فرماتے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ۔

اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! تیری تعریفیں ہیں آسمانوں بھر اور زمین بھر،

اور لقدر بھر نے اس چیز کے جو تو اس کے بعد چاہے. یہ کلمات عام طور پر نوافل میں کہتے تھے. تاہم فرائض میں بھی کہنے کی ممانعت تو نہیں مگر یہاں پر زیادہ تر تخفیف کا حکم ہے تاکہ نماز زیادہ لمبی نہ ہو جس سے بیماروں، ضعیفوں یا حاجت مندوں کو کوئی دقت پیش آنے کا خطرہ ہو۔

بعثت نبوی پر جنات پر سختی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الْجِنُّ يَسْمَعُوْنَ الْوَحْیَ فَيَسْتَمِعُوْنَ الْكَلِمَةَ فَيَزِيْدُوْنَ فِيْهَا عَشْرًا فَيَكُوْنُ مَا سَمِعُوْا حَقًّا وَمَا زَادُوْهُ بَاطِلًا وَكَانَتِ النُّجُوْمُ لَا يُرْمٰى بِهَا قَبْلَ ذٰلِكَ فَلَمَّا بُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَحَدُهُمْ لَا يَاْتِيْ مَقْعَدَهٗ اِلَّا رُمِيَ بِشِهَابٍ يَحْرِقُ مَا اَصَابَ فَشَكَوْا ذٰلِكَ اِلٰى اِبْلِيْسَ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۴)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ پہلے پہل جنات اوپر فضائے آسمانی میں جاکر فرشتوں کی باتیں سن لیا کرتے تھے۔ پھر وہ سنی سنائی گفتگو میں اضافہ کر کے آگے کاہنوں تک پہنچاتے تھے جو آگے سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بتا دیتے اور اس طرح ان کا کاروبار چلتا رہتا۔ حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے آسمان پر ستارے بھی زیادہ نہیں ٹوٹتے تھے مگر جب نبی علیہ السلام اس دنیا میں مبعوث ہو گئے تو ستاروں کی شکست و ریخت کا سلسلہ زیادہ ہو گیا بعثت نبوی کے بعد اگر جنات میں سے کوئی اوپر جاتا تو اس پر شہاب پھینکے جاتے جس کی وجہ سے بعض جنات مر جاتے، بعض زخمی ہو جاتے اور ان میں سے بعض ایک آدھ بات سن بھی لیتے جو واپس آکر دوسروں کو بتا دیتے۔

جب جنات پر کثرت سے شہاب پڑنے لگے تو انہوں نے ابلیس سے شکایت کی۔ ظاہر ہے کہ ابلیس بھی جنات میں سے تھا جیسے اللہ کا فرمان ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ (الکہف ـ ۵۰) وہ جنات میں سے تھا اور اپنے پروردگار کا نافرمان ہوا۔ بالآخر مردود ٹھہرا اور گمراہی کا مرکز بن گیا۔ بہرحال جنات نے ابلیس سے شکوہ کیا کہ ہم پر شہاب پڑتے ہیں تو کہنے لگا مَا هٰذَا اِلَّا مِنْ اَمْرٍ قَدْ حَدَثَ۔ یہ سلسلہ اس لیے شروع ہوا ہے کہ دنیا میں کوئی خاص واقعہ پیش آ گیا ہے پھر اس نے جنات کو دنیا کے مختلف اطراف میں

بھیجا تاکہ جاکر معلوم کریں کہ کون سا اہم واقعہ پیش آیا ہے۔ یہ جنات دنیا کے اطراف میں پھیل گئے
فَاِذَا هُوَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ بَیْنَ جَبَلَیْ نَخْلَۃَ
اچانک انہوں نے دیکھا کہ نبی علیہ السلام مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں اپنے ساتھیوں
کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ اس واقعہ کا ذکر سورۃ جن میں بھی مذکور ہے۔ قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ
اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ کہ جنات نے بھی وہاں قرآن پاک سنا تھا پھر جب یہ بات
جنات نے ابلیس کو جاکر بتائی تو وہ کہنے لگا کہ ہمیں مار پڑنے کی وجہ یہی ہے کہ اللہ کا آخری
نبی مبعوث ہو چکا ہے اور اب ہمارا اوپر کی طرف جانا روک دیا گیا ہے۔

حضور علیہ السلام سے یہودیوں کے پانچ سوالات

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَقْبَلَتْ یَهُوْدُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا یَا اَبَا الْقَاسِمِ اِنَّا نَسْئَلُكَ عَنْ خَمْسَةِ اَشْیَاءَ فَاِنْ اَنْبَاْتَنَا بِهِنَّ عَرَفْنَا اَنَّكَ نَبِیٌّ وَاتَّبَعْنَاكَ.....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں کا ایک گروہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یَا اَبَا الْقَاسِمِ اِنَّا نَسْئَلُكَ خَمْسَةَ اَشْیَاءَ اے ابوالقاسم! ہم آپ سے پانچ سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمیں ٹھیک ٹھیک جوابات دے دیئے تو ہم جان لیں گے کہ آپ واقعی اللہ کے نبی ہیں اور ہم آپ کا اتباع کر لیں گے۔ حضور علیہ السلام نے ان سے عہد و پیمان لیا کہ اگر میں نے تمہارے سوالات کے درست جوابات دے دیئے تو تم ضرور ایمان لے آؤ گے۔ انہوں نے اس بات کا اقرار کیا اور کہنے لگے وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ۔ ہمارے اس عہد پر قائم رہنے کا اللہ ہی گواہ ہے پھر انہوں نے حسب ذیل سوالات پیش کئے۔

۱۔ قَالُوْا اَخْبِرْنَا عَنْ عَلَامَةِ النَّبِیِّ۔ کہنے لگے، نبی کی علامت بتلائیں آپ نے جواب دیا۔ تَنَامُ عَیْنَاهُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُهٗ۔ نبی کی آنکھیں تو سو جاتی ہیں مگر اس کا دل ہمیشہ بیدار رہتا ہے یعنی وہ کبھی نہیں سوتا۔

۲۔ دوسرا سوال یہ تھا کَیْفَ تُؤَنَّثُ الْمَرْاَةُ وَكَیْفَ تُذْكَرُ۔ حضور! ہمیں بتلائیں ماں کے پیٹ میں بچے کی تفریق جنس کیسے ہوتی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ مرد و زن کے مادۂ منویہ کے ملاپ کے وقت اگر مرد کا مادہ عورت کے مادہ پر غالب آجاتے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کا مادہ غالب آجاتے تو لڑکی کی پیدائش ہوتی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مادہ کے غلبہ سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے مقدار کا غلبہ مراد ہے

یا کوئی اور چیز؟ دوسری حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ مرد و زن میں سے جس کا مادہ پہلے سبقت کرتا ہے اس کی جنس پر بچہ پیدا ہوتا ہے اس سے کسی خاص صفت کا غلبہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ بہر حال غلبہ مقدار کا ہو یا صفت کا یا کسی اور طریقے کا ہمیں اللہ اور اس کے رسول کے فرمان پر ہی ایمان رکھنا چاہیئے کہ زوجین میں سے جس کا مادہ غالب آجائے وہی جنس اور وہی شکل وصورت ہونے والے بچے کی ہوتی ہے۔

۳۔ یہودیوں نے تیسرا سوال یہ کیا اَخْبِرْنَا مَا حَرَّمَ اِسْرَائِیْلُ عَلٰی نَفْسِہٖ حضور! ہمیں یہ بتائیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے آپ پر کونسی چیز حرام قرار دے لی تھی۔ آپ نے فرمایا کَانَ یَشْتَکِیْ عِرْقَ النَّسَا فَلَمْ یَجِدْ شَیْئًا یُلَائِمُہٗ اِلَّا اَلْبَانَ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری لاحق ہو گئی تھی تو ان کو اونٹ کے گوشت اور دودھ کے علاوہ کوئی غذا موافق نہ آتی تھی۔ پھر انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالےٰ شفا دیگا تو میں یہ دونوں مرغوب چیزیں خود پر ممنوع قرار دے دونگا۔ جب اللہ نے ان کو شفا دی تو انہوں نے اپنی نذر کی تکمیل میں یہ دونوں چیزیں خود پر حرام قرار دے لیں۔ قَالُوْا صَدَقْتَ یہودی کہنے لگے کہ آپ نے سچ فرمایا ہے یعنی انہوں نے تسلیم کیا کہ آپ کا جواب درست ہے۔

۴۔ یہودی کہنے لگے اَخْبِرْنَا مَا ھٰذَا الرَّعْدُ۔ حضور! ہمیں یہ بتائیں کہ یہ بادل کی گرج کیا چیز ہے؟ آپ نے جواب دیا مَلَکٌ مِّنْ مَّلٰٓئِکَۃِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ مُوَکَّلٌ بِالسَّحَابِ۔ یہ اللہ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر متعین ہے یہ فرشتہ اللہ کے حکم کے مطابق بادلوں کو مطلوبہ سرزمین میں ہانک کر لے جاتا ہے۔ جب وہ بادلوں کو ہانکنے کیلئے کوڑا مارتا ہے تو اس سے آواز پیدا ہوتی ہے جسے ہم بادلوں کی گرج سے تعبیر کرتے ہیں۔ سائنس دانوں کا نظریہ تو یہ ہے کہ جب بادل آپس میں ٹکراتے ہیں تو اس سے آواز پیدا ہوتی ہے مگر حقیقت میں یہ فرشتے کی طرف سے بادلوں پر زجر ہوتا ہے۔ یہودیوں نے یہ جواب بھی درست تسلیم کیا۔

۵۔ یہودیوں کا پانچواں سوال یہ تھا کہ حضور! آپ یہ بتائیں مَنْ صَاحِبُکَ وہ فرشتہ کونسا ہے جو آپ کے پاس پیغام لے کر آتا ہے۔ فرمایا میری طرف وحی لانے والے فرشتہ تو جبریل

علیہ السلام ہے۔ اس پر یہودی بڑے سیخ پا ہوتے کہنے لگے اَلَّذِی یَنْزِلُ بِالْحَرْبِ وَالْقِتَالِ وَالْعَذَابِ عَدُوُّنَا۔ یہ تو وہی فرشتہ ہے جو جنگ وجدل اور عذاب کا حکم ہم پر لاتا رہا ہے اسکو تو ہم نہیں مانتے۔ آپ اگر اس کی بجائے میکائیل علیہ السلام کا نام لیتے جو بارش اور نباتات وغیرہ پر مقرر ہے تو ہم مان بھی جاتے بھلا اپنے دشمن جبریل علیہ السلام کو ہم کیسے تسلیم کر لیں؟ غرضیکہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی اس بات کا انکار کر دیا حالانکہ آپ نے ان کے سارے جوابات بالکل ٹھیک ٹھیک دیئے تھے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تو یہود کے سوالات کے جوابات کا علم نہیں تھا مگر اللہ نے مجھ پر وحی نازل کی تو میں نے ان کے سارے جوابات دے دیئے۔ مگر ان بدبختوں کا حال تھا کہ پختہ عہد و پیمان کرنے کے باوجود اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ سخت متعصب اور ضدی لوگ ہیں جو آج تک اپنی ضد اور عناد پر قائم ہیں اور سب کچھ جاننے کے باوجود اسلام کے دشمن ہیں۔ مشرکوں کا تعصب تو وقتی تھا جو آہستہ آہستہ ختم ہو گیا کیونکہ یا تو وہ مارے گئے یا انہوں نے اسلام قبول کر لیا مگر یہ اپنی ہٹ دھرمی پر بدستور قائم ہیں۔

رومیوں کے غلبہ کی پیشین گوئی

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ الٓمّٓ ۞ غُلِبَتِ الرُّوْمُ قَالَ غَلَبَتْ وَغُلِبَتْ قَالَ كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَظْهَرَ فَارِسُ عَلَى الرُّوْمِ لِاَنَّهُمْ اَهْلُ اَوْثَانٍ وَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَظْهَرَ الرُّوْمُ عَلٰى فَارِسٍ لِاَنَّهُمْ اَهْلُ كِتَابٍ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ا صفحہ ۲۷۶)

مفسر قرآن حضرت سعید بن جبیرؒ بڑے پائے کے تابعین میں سے ہیں۔ ان کو حجاج بن یوسف نے ۹۵ھ میں ظلم کے ساتھ شہید کر دیا تھا۔ آپ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں کہتے ہیں کہ میرے استاد محترم نے قرآن پاک کی سورۃ روم کا پس منظر اس طرح بیان کیا کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی۔ الٓمّٓ ۞ غُلِبَتِ الرُّوْمُ رومی مغلوب ہو گئے یہ لفظ غَلَبَتْ اور غُلِبَتْ دونوں طرح پڑھا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ رومی غالب آ گئے یا مغلوب ہو گئے راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس پر یہ واقعہ سنایا کہ رومیوں اور ایرانیوں کی آپس میں جنگ تھی۔ ایرانی مشرک یا مجوسی تھے جبکہ رومی عیسائی تھے اور اہل کتاب کہلاتے تھے مکے کے مشرک ایرانیوں کی طرفداری کرتے تھے کیونکہ یہ قومیں مشرک تھیں۔ اُدھر مسلمانوں کی تمنا یہ تھی کہ رومی غالب آئیں کیونکہ وہ کم از کم اہل کتاب تو ہیں، وحی الٰہی کو تو مانتے ہیں اگرچہ مسلمان نہیں تاہم وہ مشرک بھی نہیں۔ قرآن پاک کی ان آیات نے پیشین گوئی کر دی کہ اس وقت رومی مغلوب ہو گئے قریب کی سرزمین میں مگر وہ چند سال بعد پھر غالب آ جائیں گے۔

اس پیشین گوئی کا مشرکوں نے مذاق اڑایا اور کہنے لگے کہ رومیوں کو تو بھاگنے کا موقع نہیں مل رہا ہے مگر مسلمان اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ دوبارہ غالب آ جائیں گے اس معاملے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مشرکوں کے ساتھ بحث مباحثہ ہو گیا۔ آخر طرفین کے درمیان یہ شرط باندھی گئی کہ اگر اس عرصہ میں رومی دوبارہ غالب آ گئے تو مشرک حضرت صدیقؓ کو دس اونٹ

دیں گے اور اگر نہ آسکے تو ابو بکر صدیقؓ دس اونٹ دیں گے۔ معاہدہ کی مدت پانچ سال مقرر ہوئی کہ اتنا عرصہ تک رومیوں کے دوبارہ غلبہ کا انتظار کیا جائیگا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ جب یہ شرط حضرت ابوبکرؓ نے حضور علیہ السلام کے سامنے ذکر کی تو آپ نے فرمایا کہ تو نے یہ مدت دس سال کیوں نہ مقرر کی۔ کیونکہ بضع کا لفظ دس سے کم پر بولا جاتا ہے۔ بہر حال مقررہ عرصہ کے دوران رومی دوبارہ غالب آگئے۔ اور قرآن پاک کے مطابق وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۝ (الروم - ۴) اس دن ایمان والے خوش ہو گئے۔

دورانِ سفر رات کی دعا

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا غَزَا اَوْ سَافَرَ فَاَدْرَکَہُ اللَّیْلُ قَالَ یَا اَرْضُ رَبِّیْ وَ رَبُّکِ اللّٰہُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّکِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِیْکِ ......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۲۴)

حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جب جہاد یا کسی دیگر سفر پر ہوتے تو رات کے وقت اس طرح دعا کرتے۔ یَا اَرْضُ رَبِّیْ وَرَبُّکِ اللّٰہُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّکِ وَ شَرِّ مَا خُلِقَ فِیْکِ وَشَرِّ مَا فِیْکِ وَ شَرِّ مَا دَبَّ عَلَیْکِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ مَا سَاکَنَ الْبَلَدَ وَمِنْ شَرِّ وَالِدٍ وَمَا وَلَدَ وَمِنْ شَرِّ اَسَدٍ وَ اَسْوَدَ وَ حَیَّۃٍ وَعَقْرَبٍ۔

اے زمین میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہی ہے۔ میں اللہ کی ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں تیرے شر سے اور اس چیز کے شر سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی ہے۔ اور اس چیز کے شر سے جو تیرے اوپر چلتی ہے۔ میں اللہ کی ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں اس بستی کے رہنے والوں کے شر سے، ہر والد اور مولود کے شر سے اور شیر، سانپ اور بچھو کے شر سے۔

قیامت کے دن پسینہ کی کثرت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ یَقُوْمُ فِیْ رَشْحِہٖ اِلٰی اَنْصَافِ اُذُنَیْہِ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۹)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس دن لوگ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے یعنی قیامت والے دن جب لوگ محاسبے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے تو اس دن اس قدر پسینہ ہوگا کہ بعض لوگ نصف کانوں تک پسینے میں ڈوبے ہوتے ہوں گے۔ دوسری حدیث میں بعض دوسرے لوگوں کا حال بھی بیان ہوا ہے کہ بعض لوگ ٹخنوں تک پسینے میں شرابور ہوں گے، بعض گھٹنوں تک، بعض کمر تک اور بعض ٹھوڑی تک۔ ہر شخص کا پسینہ اس کے حالات کے مطابق ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت والے دن خوف کی وجہ سے اس قدر پسینے چھوٹیں گے جو ہر شخص کے اعمال کی بناء پر کم و بیش ہوں گے۔

مختلف نمازوں کی سنن مؤکدہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الظُّهْرِ سَجْدَتَيْنِ وَبَعْدَهَا سَجْدَتَيْنِ وَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ سَجْدَتَيْنِ وَ بَعْدَ الْعِشَاءِ سَجْدَتَيْنِ وَ بَعْدَ الْجُمُعَةِ سَجْدَتَيْنِ.........الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷)

اس روایت میں سنن اور نوافل کا ذکر ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز سے پہلے دو اور بعد میں دو رکعتیں پڑھیں مغرب کی نماز کے بعد بھی دو رکعتیں اور عشاء کے بعد بھی دو ہی ادا کیں۔اسی طرح جمعہ کے بعد بھی دو رکعت نماز ادا کی۔آپ نے یہ بھی واضح کیا کہ جمعہ اور مغرب کے سنن اور نوافل گھر ہی میں ادا کئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ انہیں ان کی ہمشیرہ ام المومنین حضرت حفصہؓ نے بتلایا کہ جب فجر طلوع ہوتی تو حضور علیہ السلام یُصَلِّیْ سَجْدَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ۔دو رکعت سنن فجر ہلکی سی ادا فرماتے۔

اس روایت میں ظہر کی دو سنتوں کا ذکر ہے جس سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید ظہر کی دو سنتیں ہیں۔چنانچہ امام شافعیؒ نے اس حدیث کی رُو سے ظہر کی دو ہی سنتیں مراد لی ہیں تاہم دیگر ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ اِن دو رکعتوں سے مراد سنن نہیں بلکہ نوافل تحیۃ الوضو یا کوئی اور ہیں کیونکہ حضرت علیؓ سے صحیح روایت منقول ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔یہ صلوٰۃ الزوال کہلاتی جو آپ لمبی قرارت سے پڑھتے اور فرماتے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھلے ہیں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میرا یہ نیک عمل اوپر چلا جائے۔اس کے بعد آپ ظہر سے پہلے چار سنّت ادا فرماتے تھے۔جو مؤکدہ ہیں۔ظہر سے پہلے تو چار سنن مؤکدہ ہی ثابت ہیں البتہ ظہر کے فرائض کے بعد دو رکعت سنت ہیں۔

ایک فصیح وبلیغ خطبہ

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ جَاءَ رَجُلَانِ مِنْ اَهْلِ الْمَشْرِقِ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْ بَیَانِهِمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ سِحْرًا وَاِنَّ بَعْضَ الْبَیَانِ سِحْرٌ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ مشرق کی جانب سے دو آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور انہوں نے اپنا مدعا ظاہر کرنے کے لیے خطبہ پڑھا۔ یہاں پر مشرق سے مراد نجد یا عراق کا علاقہ ہو سکتا ہے۔ بہر حال ان مشرقی لوگوں کا خطبہ سن کر لوگ بڑے متعجب ہوتے کہ انہوں نے کس قدر فصیح و بلیغ اور پر معانی بات کی ہے خود حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بعض بیانات جادو جیسا اثر رکھتے ہیں اور انسانی طباع ان کا بڑا اثر قبول کرتی ہیں اور ان لوگوں کا بیان بھی انہی پر اثر بیانات میں سے ہے۔

جنازے میں شمولیت کا اجر

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَبِعَ جِنَازَۃً حَتّٰی یُصَلِّیَ عَلَیْھَا فَاِنَّ لَہٗ قِیْرَاطًا فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقِیْرَاطِ فَقَالَ مِثْلَ اُحُدٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی جنازے کے ساتھ گیا یہاں تک کہ اس نے نماز جنازہ پڑھی تو اس کو ایک قیراط کے برابر ثواب حاصل ہوگا۔ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا، حضور! قیراط کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا جو پانچ سات میل میں پھیلا ہوا ہے۔ جنازے میں شامل ہونے والا اتنے بڑے اجر کا مستحق ہے بشرطیکہ اس میں ایمان موجود ہو اور نیت بھی خالص ہو، محض نمود و نمائش مقصود نہ ہو۔

اس حدیث میں جنازے کے لیے تَبِعَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی جو شخص جنازے کے پیچھے پیچھے چلا۔ فقہائے کرام نے جنازے سے آگے یا پیچھے چلنے کا مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک جنازے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ آگے آگے جا رہے تھے گویا یہ بھی جائز ہے اسی طرح پیچھے جانا بھی اس حدیث سے ثابت ہے ضرورت اور حالات کے مطابق دائیں بائیں چلنا بھی درست ہے۔ مثال کے طور پر آگے راستہ صاف کرنا مقصود ہے تو آدمی جنازے کے آگے آگے بھی جا سکتا ہے وگرنہ صحیح بات یہی ہے کہ پیچھے پیچھے چلے جب کہ میت کو اٹھانے والے آگے آگے ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جنازے کے ہر طرف چلنا درست ہے مگر پیچھے چلنا افضل ہے اور آپ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جو شخص جنازے میں شریک ہوا اس کو ایک

قیراط کے برابر ثواب ملے گا اور جو آدمی تدفین میت میں بھی شامل ہوا اس کو دو قیراط کے برابر اجر حاصل ہو گا۔

قیراط ایک چھوٹا سا باٹ ہے جس کا وزن تقریباً چار رتی ہوتا ہے اور اس سے سونا وغیرہ وزن کرتے ہیں۔ تاہم جب حضور علیہ السلام سے بوقت بیان حدیث دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ قیراط احد پہاڑ کے برابر ہو گا۔

گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوْا مِنْ صَلَاتِكُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! اپنی نماز کا کچھ حصّہ اپنے گھروں میں بھی پڑھا کرو خصوصاً سنن اور نوافل گھر میں پڑھنا زیادہ افضل ہے اگرچہ مسجد میں پڑھنا بھی روا ہے۔ البتہ فرائض مسجد میں ادا کرنے کی زیادہ تاکید ہے۔ فرمایا اپنے گھروں میں نماز کا حصّہ بنایا کرو اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا منع ہے ہاں، اگر وہاں باقاعدہ چار دیواری ہے، مسجد بنی ہوئی ہے تو نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن جہاں قبریں نظر آرہی ہوں وہاں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی میں داخل ہے۔

چونکہ قبرستان عام طور پر سنسان جگہیں ہوتی ہیں اس لیے اس حدیث کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قبروں کی طرح گھروں کو سنسان نہ بناؤ بلکہ وہاں بھی نماز پڑھا کرو۔ گھر میں نماز پڑھنے میں یہ حکمت بھی ہے کہ بڑوں کو دیکھ کر بچوں میں بھی نماز کا شعور پیدا ہوگا اور ان کی تربیّت ہو گی۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ گھروں میں نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ گھروں میں خیر و برکت کا نزول فرماتا ہے۔

داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰی۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! مونچھوں کو گھٹاؤ اور داڑھیوں کو بڑھاؤ کہ مسلمانوں کا یہی شعار ہے۔ دوسری روایت میں وضاحت کی گئی ہے کہ ہنود، یہود اور مجوس کی طرح نہ بنو جو مونچھوں کو بڑھاتے اور داڑھیوں کو منڈواتے ہیں اس کی بجائے اپنی ملت کا شعار پیدا کرو، داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹواؤ۔

عورتوں کا نماز کے لیے مسجد میں جانا

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰہِ مَسَاجِدَ اللّٰہِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکا کرو۔ اگر وہ نماز کے لیے مسجد میں جانا چاہیں تو انہیں اجازت دے دیا کرو، البتہ شرط یہ ہے کہ راستہ پُر امن ہو کسی بدقماش کی چھیڑ چھاڑ کا خطرہ نہ ہو اور نماز پڑھنے کی جگہ بھی باپردہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر مسجد میں نہیں جا سکتی۔ اگرچہ اجازت دینے کی ترغیب دی ہے یعنی مسجدوں سے نہ روکو تاہم اگر کوئی خاوند اپنی عورت کو مسجد میں جانے کی اجازت نہ دے تو عورت کے لیے مسجد میں جانا بھی روا نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ واضح ہوتا ہے کہ مردوں کے لیے مسجد میں جا کر فرض نماز باجماعت پڑھنا زیادہ باعث ثواب ہے مگر عورت کے لیے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ عشاء کی نماز کے لیے مسجد میں جانے والی عورت خوشبو استعمال نہ کرے ورنہ کبیرہ گناہ کی مرتکب سمجھی جائیگی۔ سادہ لباس پہن کر باوقار طریقے سے نماز کے لیے جائے۔

☆

سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُحَلِّقِیْنَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْمُقَصِّرِیْنَ قَالَ یَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُحَلِّقِیْنَ قَالَ فِی الرَّابِعَۃِ وَالْمُقَصِّرِیْنَ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰے سر منڈوانے والے لوگوں پر رحم کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، حضور! بال کٹوانے والوں کے لیے بھی دعا کریں۔ آپ نے پھر سر منڈوانے والوں کے لیے ہی دعا فرمائی۔ غرضیکہ آپ نے تین مرتبہ محلقین کے لیے اور چوتھی مرتبہ مقصرین یعنی بال کٹوانے والوں کے لیے دعا کی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر خود حضور علیہ السلام نے بھی اپنا سر مبارک استرے کے ساتھ منڈوایا تھا۔ البتہ عام ایام میں آپ بال رکھتے تھے جو کہ کبھی نصف کان تک ہوتے کبھی گردن مبارک تک اور کبھی کندھے تک یہ بال عربوں کے نزدیک بڑے معزز سمجھے جاتے تھے۔ حج کے موقع پر منیٰ کے مقام پر بال منڈوانا عربوں کے ہاں بڑی حیثیت رکھتا تھا اور اس فعل کو قربانی کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اللہ نے قرآن میں جہاں سخت قسم کے کافروں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ وہاں ارشاد ہوتا ہے کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَۃِ ۞ (العلق - ۱۵) اگر یہ اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہ آیا تو ہم اس کو اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ بہرحال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سر منڈوانے والوں کے لیے تین دفعہ اور بال کٹوانے والوں کے لیے ایک دفعہ دعا فرمائی اور اسی سے بال منڈوانے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

قبر میں جنّت اور دوزخ کے ٹھکانے کی پیشی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا یُعْرَضُ عَلَیْہِ مَقْعَدُہٗ بِالْغَدَاۃِ وَالْعَشِیِّ اِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَ اِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ النَّارِ یُقَالُ ھٰذَا مَقْعَدُکَ حَتّٰی تُبْعَثَ اِلَیْہِ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لوگو! تم میں سے جب کوئی شخص فوت ہو کر قبر میں پہنچ جاتا ہے تو دن کے دونوں حصوں میں اس کا ٹھکانا اس پر پیش کیا جاتا ہے اگر وہ آدمی جنتی ہے تو اس کو جنت کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ اور اگر وہ دوزخیوں میں سے ہے تو اس پر دوزخ والا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ ہوگا تیرا ٹھکانا جس دن قیامت برپا ہوگی۔ گویا ہر شخص قیامت کے بعد اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیگا۔

اس کے علاوہ حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق ہر فوت شدہ کے لیے قبر میں راحت اور تکلیف کا احساس بھی ثابت ہے۔ اہل ایمان کے لیے جنّت کی طرف سے کھڑکی کھول دی جاتی ہے اور اس کو جنت کی خوشبو اور راحت محسوس ہونے لگتی ہے اور اس کے برخلاف کافر، مشرک منافق کو تکلیف کا احساس شروع ہو جاتا ہے اور کچھ تھوڑی بہت سزا بھی ملتی ہے مگر پوری جزا یا سزا تو قیامت کے بعد ہی ملے گی۔ برزخ کی مثال حوالات کی سی ہے تکلیف تو یہاں بھی ہوتی ہے مگر پوری نہیں بلکہ ایک ادنیٰ سا نمونہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اہل حق کہتے ہیں عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ قبر کا عذاب بھی برحق ہے اس پر ایمان رکھنا چاہیئے اور اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے بہر حال فرمایا کہ ہر فوت ہونے والا شخص جب قبر میں پہنچ جاتا ہے تو اس کا ٹھکانا اس پر پیش کیا جاتا ہے۔

لڑکے کے لیے سنِ بلوغت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَهُ يَوْمَ اُحُدٍ وَهُوَ ابْنُ اَرْبَعَ عَشَرَةَ فَلَمْ يُجِزْهُ ثُمَّ عَرَضَهُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ وَهُوَ ابْنُ خَمْسَ عَشَرَ فَاَجَازَهُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ مجھے جنگ احد والے دن حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا تا کہ میرے جنگ میں شریک ہونے کی اجازت حاصل کی جاسکے کہتے ہیں کہ اس وقت میری عمر چودہ سال تھی۔ لہٰذا حضور علیہ السلام نے جنگ میں شمولیت کی اجازت نہ دی پھر اگلے سال جب غزوہ خندق پیش آیا تو اس وقت میری عمر پندرہ سال ہو چکی تھی۔ اس موقع پر میرے لیے پھر اجازت طلب کی گئی کہ میں اس جنگ میں شامل ہو سکوں۔ تو کہتے ہیں کہ اس دفعہ حضور علیہ السلام نے مجھے اجازت مرحمت فرما دی اور میں جنگ خندق میں شامل ہو گیا۔

لڑکے اور لڑکی کی بلوغت کا تعین بالعموم بالترتیب احتلام آنے پر یا حیض آجانے پر کیا جاتا ہے تاہم اس معاملہ میں اگر کوئی دقت پیش آئے تو پھر پندرہ سال کا لڑکا بالغ تصور ہوگا اس پر تمام فرائض عائد ہوں گے اور حدود بھی جاری ہوں گی۔ اس عمر میں وہ فوجی خدمات انجام دینے کے قابل بھی ہوگا۔

مجلس میں کشادگی پیدا کرنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ فَيَجْلِسُ فِيْهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا۔

(مسند احمد طبع بیروت ۲ صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کچھ لوگ مجلس میں بیٹھے ہوں تو کوئی آدمی بعد میں آکر کسی دوسرے کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نہ بیٹھے کہ یہ خلاف آداب مجلس ہے۔ مجلس کے آداب قرآن وسنت میں وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام پہلے سے موجود کسی مجلس میں تشریف لائے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے۔ لوگوں کو اٹھا کر کسی صدر مقام پر بیٹھنے کی کوشش نہ کرتے۔ یہی تعلیم بھی حضور علیہ السلام نے دی ہے کہ کوئی شخص دوسرے آدمی کو اٹھا کر اسکی جگہ پر نہ بیٹھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی حدیث کی اپنی عادت بھی یہی تھی کہ اگر کوئی شخص ان کے لیے از خود جگہ خالی کر دیتا تو آپ وہاں نہ بیٹھتے کیونکہ یہ خلاف آداب مجلس ہے اور حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے البتہ فرمایا تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا۔ دوسرے کو اٹھانے کے بجائے مجلس میں کشادگی پیدا کر لیا کرو تاکہ بعد میں آنے والے کو بھی جگہ مل سکے۔

جنبی کے لیے وضو کر کے سونا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیَنَامُ اَحَدُنَا وَھُوَ جُنُبٌ قَالَ نَعَمْ اِذَا تَوَضَّاَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد امیر المومنین عمر بن الخطابؓ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر ہم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں ہو تو کیا وہ اس حالت میں سو سکتا ہے ؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا ، ہاں جب کہ وضو کر لے اگرچہ بغیر وضو بھی آدمی سو سکتا ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ وضو کر کے سوئے ۔ سب سے پہلے استنجا کرے پھر نماز کی طرح مکمل وضو کرے تو یہ زیادہ افضل ہے ۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں کہ اگر ایسے شخص کی اس حالت میں موت واقع ہو جائیگی تو وہ فرشتوں کے لیے اذیت کا باعث نہیں ہو گا ۔ بہرحال فوری غسل کرنے کی ضرورت نہیں اگر وضو بھی کریگا تو گنہگار نہیں ہو گا ۔

★

تین میں سے دو کی علیحدگی میں بات چیت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَسَارُّ اثْنَانِ دُوْنَ الثَّالِثِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی سے دو آدمی تیسرے کے بغیر آپس میں پوشیدہ گفتگو نہ کریں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کہیں تین آدمی اکٹھے سفر پر ہیں یا کسی مجلس میں بیٹھے ہیں تو ان میں سے کوئی سے دو علیحدہ ہو کر کوئی بات چیت نہ کریں، اس سے تیسرے آدمی کے دل میں خیال پیدا ہوگا کہ پتہ نہیں میرے بغیر یہ دونوں آپس میں کیا کانا پھوسی کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سمجھے کہ یہ میرے خلاف کوئی سازش ہی کر رہے ہیں۔ اسی خدشہ کے پیش نظر حضور علیہ السلام نے تیسرے آدمی کے بغیر دو آدمیوں کی علیحدگی میں بات چیت سے منع فرمایا۔ اگر کہیں چار آدمی اکٹھے ہوں اور وہ دو دو مل کر علیحدہ علیحدہ بات چیت کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر تین ہیں اور تینوں مشترک بات چیت کرتے ہیں تو اس میں بھی کسی ایک کو شبہ نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا ایسا کرنا بھی درست ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی ایک کو الگ کر دینا اخلاقی طور پر معیوب ہے۔

حفظ شدہ قرآن کا مسلسل تکرار

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْاٰنِ مَثَلُ صَاحِبِ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ اِنْ عَقَلَهَا صَاحِبُهَا حَبَسَهَا وَاِنْ اَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو قرآن پاک کا کل یا کچھ حصہ یاد ہو اس کو چاہیئے کہ وہ اسے دہراتا رہے ورنہ بھول جائیگا اور حفظ شدہ حصہ کا بھول جانا سخت گناہ کی بات ہے۔ دوسری روایت میں نبی علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کسی آیت کو یاد کرکے پھر قصداً بھلا بیٹھے کیونکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑا جرم ہے۔ فرمایا جس شخص کو قرآن پاک کلی یا جزوی یاد ہے اس کی مثال اونٹوں والے شخص کی سی ہے۔ اگر وہ اونٹ کا گھٹنا باندھ کر رکھے گا تو اونٹ رکا رہیگا اور اگر گھٹنا نہیں باندھے گا تو اونٹ بھاگ جائیگا مطلب یہ کہ جس طرح بھاگے ہوتے اونٹ کو پکڑنا مشکل ہو جاتا ہے اسی طرح بھولے ہوئے قرآن کو روکنا مشکل ہوتا ہے۔ لہٰذا تکرار کرتے رہنا چاہیئے ورنہ سینہ سے نکل جائیگا۔

نماز باجماعت کی اہمیّت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاۃُ فِی الْجَمِیْعِ تَزِیْدُ عَلٰی صَلَاۃِ الرَّجُلِ وَحْدَہٗ سَبْعًا وَعِشْرِیْنَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ باجماعت نماز ادا کرنے کا اجر اکیلا پڑھنے کی نسبت ستائیس گنا زیادہ ہے یہ اس قدر باعث فضیلت ہے جماعت کے ساتھ ایک نماز پڑھنے والے نے گویا ستائیس نمازیں ادا کیں اسی لیے حضور علیہ السلام نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرمائی ہے بعض فقہائے کرام اور مشائخ نے نماز باجماعت کو واجب قرار دیا ہے اور اس پر انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ مؤذن کو اذان کا حکم دوں پھر میں کسی شخص کو کہوں کہ وہ لوگ کو نماز پڑھائے اور میں ان لوگوں کے گھروں میں جا کر آگ لگا دوں جو نماز باجماعت ادا نہیں کرتے۔ اسی طرح بعض نے جماعت کو فرض عین قرار دیا ہے جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اذان سنی اور پھر نماز میں حاضر نہ ہوا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اِلّا یہ کہ کسی عذر کی وجہ سے رہ گیا ہو۔

حاکم کی اطاعت جائز امر میں ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ فِيْمَا أَحَبَّ أَوْ كَرِهَ إِلَّا أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر مومن کے لیے لازم ہے کہ جب کوئی مسلمان حاکم شریعت کے مطابق بات کرے تو اس کو سنے اور اس کی اطاعت کرے خواہ یہ شخص اس کی بات کو پسند کرتا ہے یا اسے ناگوار سمجھتا ہے اور وہ خود اچھی حالت میں ہو یا ناگواری کی حالت میں ہو، البتہ فرمایا کہ اگر حاکم کسی گناہ کی بات کا حکم دیتا ہے شریعت کے خلاف اور ناجائز کام کہتا ہے تو پھر نہ اس کی بات سننی چاہیئے اور نہ اس کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ دوسری روایت میں وضاحت موجود ہے اِنَّمَا الطَّاعَةُ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی اطاعت جائز اور معروف بات میں ہی ہو سکتی ہے اگر حاکم کوئی ناجائز کام کہتا ہے تو اس کو نصیحت کرو اور اگر وہ نصیحت کو نہیں مانتا تو خاموش رہو مگر جماعت سے الگ کسی صورت میں بھی نہ ہو۔

قسم صرف اللہ کے نام یا صفت کی ہو سکتی ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَدْرَکَ عُمَرَ وَھُوَ فِیْ رَکْبٍ وَھُوَ یَحْلِفُ بِاَبِیْہِ فَقَالَ لَا تَحْلِفُوْا بِاٰبَاءِکُمْ لِیَحْلِفْ حَالِفٌ بِاللّٰہِ اَوْ لِیَسْکُتْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ کسی سفر کا واقعہ ہے، حضور علیہ السلام تشریف لائے تھے۔ میرے والد حضرت عمرؓ آگے آگے چل رہے تھے اور نبی علیہ السلام پیچھے پیچھے آرہے تھے حضور علیہ السلام نے میرے والد کو ایک جماعت میں پایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت کے قریب پہنچے تو حضرت عمرؓ کو اپنے باپ کی قسم اٹھاتے ہوئے پایا۔ عرب لوگوں میں یہ عام رواج تھا کہ اس قسم کی قسمیں کھالیتے تھے یہاں پر بھی بعض لوگ سر کی قسم اٹھا لیتے ہیں۔ بہرحال جب حضور علیہ السلام نے حضرت عمرؓ کو باپ کی قسم اٹھاتے ہوئے سنا تو فرمایا باپ کے نام کی قسم مت اٹھاؤ۔ ترمذی شریف کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں وَلَا بِالطَّوَاغِیْ یعنی کسی طاغوت کے نام کی قسم بھی نہ کھاؤ۔ یہ لات، منات، عزیٰ وغیرہ کی قسم نہ کھاؤ اور نہ ہی کسی شیطان، جن یا بھوت پریت کے نام کی قسم اٹھاؤ۔ کوئی زندہ یا مردہ ہو یا نبی اور ولی وغیرہ کوئی بھی ہو اس کے نام کی قسم نہ کھائی جائے۔ جس نے اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام کی قسم اٹھائی اس نے گویا شرک کا ارتکاب کیا۔ اگر قسم اٹھانے والے نے اس ہستی کی اس طرح تعظیم کی ہے جیسے اللہ کی ہونی چاہیئے تو پھر تو یقیناً شرک ہے اور اگر ویسی تعظیم نہیں بلکہ کم تر درجہ کی ہے تو پھر بھی صورت تو شرک کی ہی بنی ہوئی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کسی نے قسم اٹھانی ہی ہے تو پھر خالص اللہ کے نام کی یا اس کی کسی صفت کی قسم اٹھائے جیسے رحمان رحیم، غفار، قہار وغیرہ۔ قرآن بھی اللہ کی صفت ہے لہٰذا اس کی قسم بھی اٹھائی جا سکتی ہے۔ فرمایا اللہ کے نام یا اس کی کسی صفت کی قسم اٹھاؤ ورنہ خاموش رہو۔

سواری پر نماز پڑھنا

عَنْ نَافِعٍ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يُصَلِّي عَلَى دَابَّتِهِ التَّطَوُّعَ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ فَذَكَرْتُ لَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ رَأَيْتُ أَبَا الْقَاسِمِ يَفْعَلُهُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد محترم کو دیکھا کہ آپ اپنے جانور پر سوار ہیں اور جدھر سواری کا رخ ہے اسی طرف منہ کرکے نفل پڑھتے جا رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، آپ جانور پر سوار ہو کر نفل ادا کر رہے ہیں مگر قبلہ کا کوئی خیال نہیں کرتے۔ انہوں نے جواباً فرمایا کہ میں نے ابوالقاسم یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سواری پر سوار ہو کر قبلہ کا خیال کئے بغیر نفلی نماز ادا کی جا سکتی ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط (البقرہ ۔ ۱۱۵) تم جدھر بھی رخ کرو گے، اللہ کی ذات اسی طرف ہے۔ البتہ فرض اور وتر نماز کے لیے سواری سے نیچے اتر کر اور قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔

جانوروں کے دودھ پر حق

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی اَنْ تُحْلَبَ مَوَاشِی النَّاسِ اِلَّا بِاِذْنِھِمْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے بلااجازتِ مالک کسی کے مویشی کا دودھ دوہنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر یہ جانور جنگل یا چراگاہ میں پھر رہے ہوں تو کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کے مالک یا نگران کی اجازت کے بغیر ان کا دودھ نکال کر استعمال کرلے۔ دوسری روایت میں یوں آتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص اس کے گھر یا سٹور کا دروازہ توڑ کر اس میں سے کھانے پینے کی اشیاء نکال لے؟ فرمایا جانور کے تھن اس کے مالک کے لیے دودھ کا سٹور ہوتے ہیں، لہٰذا بلااجازت ان کو کھولنا جائز نہیں۔ دوسری طرف حضور علیہ السلام نے مالکان کو بھی سمجھایا ہے کہ جب تم جانوروں کو پانی پلانے کے لیے گھاٹ پر لے جاؤ تو گھاٹ کے دن کا حق بھی ادا کیا کرو اور وہ یہ ہے کہ جانوروں کا دودھ دوہ کر غرباء میں تقسیم کیا کرو کہ یہ اخلاقی حق ہے اگرچہ فرض واجب نہیں۔

دوسری حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی دودھ دینے والے جانور زیادہ تعداد میں ہیں تو ان سے اپنے پڑوسی کو بھی مستفید کرو۔ مثلاً چند ماہ کے لیے کوئی گائے بھینس یا بکری دے دو کہ وہ اس کا دودھ استعمال کرسکیں اس کے بعد پھر واپس لے لو۔ یہ بھی بہترین صدقہ ہے۔

اسی طرح جس شخص کے پاس سواری کا جانور ہے۔ موٹر سائیکل ہے یا کار ہے تو اس پر حق ہے کہ وہ کسی راہ چلتے مسافر کو سوار کرے۔ اس ضمن میں بوڑھوں، کمزوروں، خصوصاً عورتوں

اور بچوں وغیرہ کا حق فائق ہے۔ اگر انہیں کسی وجہ سے سواری میسر نہیں ہے تو ان کی اعانت کی جائے یہ اخلاقی حقوق ہیں جن کی تعلیم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے۔

مغرب اور عشا کی نمازیں اکٹھی کر کے پڑھنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا اِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سفر میں ہوتے تو آپ مغرب اور عشاء کی دونوں نمازیں اکٹھی پڑھتے جب کہ شفق غائب ہو جاتی۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ جب حضور علیہ السلام کو کہیں جلدی جانا ہوتا تھا تو آپ دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لیتے تھے۔

جمع صلاتین میں ائمہ کرام کا قدرے اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور دیگر بہت سے فقہا جمع صوری کے قائل ہیں یعنی ظہر کی نماز آخری وقت میں اور عصر کی نماز اول وقت میں ادا کی جائے اس طرح یہ دونوں نمازیں جمع بھی ہو جائیں گی اور ان کی ادائیگی اپنے اپنے وقت پر بھی ہوگی اس طریقہ ادائیگی پر کوئی اشکال نہیں۔ اس کے برخلاف اگر ظہر کی نماز عصر کے وقت یا عصر کی نماز ظہر کے وقت ادا کی جائے گی تو یہ نص قرآنی کے خلاف ہوگا کیوں کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (النساء - ۱۰۳) نماز بقید وقت فرض قرار دی گئی ہے! ہاں حج کے موقع پر ظہر اور عصر ظہر کے وقت میں اور مغرب اور عشاء، عشاء کے وقت میں جمع کر کے پڑھی جاتی ہیں مگر یہ مشروط ہے ارکان حج کے ساتھ کہ میدان عرفات میں امام کے ساتھ نماز پڑھے تو ظہر اور عصر کو ملا لے۔ اور پھر رات کو مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی ادا کرے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضورؐ نے بغیر سفر کے کوئی نماز جمع کر کے نہیں پڑھی۔ اور جو آئمہ کرام سفر و حضر میں جمع صلاتین کے قائل ہیں وہ عذر کی وجہ سے ہے کہ بارش، طوفان وغیرہ یا کوئی اور ایسی آفت ہو تو دو نمازیں جمع کی جا سکتی ہیں۔ اُدھر صحیح روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ طیبہ میں ہوتے ہوئے

کسی طوفان کے بغیر بھی دو نمازوں کو جمع کیا۔ اس کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ جمع صوری ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تو آپ نے جواب دیا کہ حضور نے ارادہ کیا کہ اپنی امت کو حرج میں نہ ڈالیں۔ مثلاً مسلمان کسی اجتماعی کام میں مصروف ہیں تو نماز مؤخر ہو سکتی ہے۔ جمع صوری کی شکل میں دونوں نمازیں ٹھیک ادا ہو جائیں گی۔

بال کٹوانے کا صحیح طریقہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقَزَعِ وَالْقَزَعُ اَنْ يُّحْلَقَ الصَّبِيُّ فَيُتْرَكَ بَعْضُ شَعْرِهٖ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا قزع سے۔ اور قزع یہ ہے کہ کسی بچے کا سر مونڈتے وقت اس کے بعض بالوں کو چھوڑ دیا جائے اس قسم کی حجامت کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً ہندو لوگ سر پر چھوٹی سی چوٹی رکھ کر باقی بال کاٹ دیتے ہیں۔ بعض لوگ سر کے اگلے حصے کے بالوں کو رہنے دیتے ہیں اور پیچھے سے کٹوا دیتے ہیں۔ بعض اطراف سے کٹوا دیتے ہیں اور درمیان میں رہنے دیتے ہیں۔ یہ فرانسیسی یا انگریزی فیشن کی کٹنگ کہلاتی ہے جو درست نہیں ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ یا تو سارا سر منڈوایا جائے یا سارے بال چھوڑ دیئے جائیں۔ جہاں تک بال رکھنے کا تعلق ہے تو یہ زیادہ سے زیادہ کانوں کی لو تک ہونے چاہئیں۔ حضور علیہ السلام کے بال مبارک کبھی نصف کان تک ہوتے تھے اور بعض اوقات کندھے اور گردن تک آجاتے تھے۔ غرضیکہ سر کے بال سارے اتارے جائیں یا سارے رکھے جائیں۔ بعض کا اتارنا اور بعض کا چھوڑنا قزع کہلاتا ہے جو کہ مکروہ تحریمی میں داخل ہے۔

عبداللہ ابن عمرؓ کا کمال قناعت

عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَکِیْمٍ قَالَ کَتَبَ عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ مَرْوَانَ اِلَی ابْنِ عُمَرَ اَنِ ارْفَعْ اِلَیَّ حَاجَتَکَ قَالَ فَکَتَبَ اِلَیْہِ ابْنُ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اِنَّ الْیَدَ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ وَ لَسْتُ اَسْئَلُکَ شَیْئًا وَلَا اَرُدُّ رِزْقًا رَزَقَنِیْہِ اللّٰہُ مِنْکَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

بنی امیہ کے زمانے میں عبدالعزیز بن مروان گورنر تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو خط لکھا کہ میرے لائق کوئی کام ہو تو حکم کریں کیونکہ آپ بہت بڑے عالم دین اور بزرگ آدمی ہیں اور میں آپ کی کوئی خدمت کر کے سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ابن عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے بیشک اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے یعنی کچھ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے افضل ہوتا ہے کیونکہ دینے والے میں تفوق ہوتا ہے اور لینے والے میں پستی کا عنصر پایا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دوسری بات یہ فرمائی کہ میں آپ سے کوئی چیز مانگونگا نہیں اگر آپ کی جانب سے اللہ تعالےٰ مجھے کوئی چیز دلا دے گا تو میں اس کو رد بھی نہیں کرونگا۔ یعنی اگر تم بن مانگے مجھے دے دو گے تو میں انکار بھی نہیں کرونگا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر مانگے کوئی چیز دے دے تو قبول کر لیا کرو اسے خود استعمال کر لو یا صدقہ کردو۔ نگر لے لو۔ کسی چیز کا مل جانا درحقیقت اللہ تعالےٰ کا احسان ہوتا ہے اور مومن کی نگاہ ہمیشہ اللہ کی ذات پر ہوتی ہے۔

تصویر کشی گناہِ کبیرہ ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُصَوِّرُوْنَ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيُقَالُ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فوٹو گرافروں کو قیامت والے دن سخت سزا ملے گی۔ تصویر خواہ کیمرے سے بنائی جائے یا پینٹنگ کے ذریعے یا پتھر اور لکڑی وغیرہ کو تراش کر بنائی جائے سب حرام ہیں بشرطیکہ تصویر جاندار کی ہو۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ حکم کیمرے کی تصویر پر لاگو نہیں ہوتا مگر یہ نظریہ درست نہیں ہے تمام متدین اور ثقہ علماء جانداروں کی ہر قسم کی تصاویر کو ناجائز تصور کرتے ہیں دوسری حدیث میں فرمایا ہے لَعَنَ اللّٰهُ الْمُصَوِّرِيْنَ۔ جاندار چیزوں کی تصاویر بنانے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ البتہ بے جان چیزوں مثلاً عمارت، درخت، مسجد، قلعہ دریا، پہاڑ وغیرہ کی تصویر کشی کی ممانعت نہیں ہے۔

غرضیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مصوروں کو قیامت والے دن سخت سزا سے دو چار ہونا پڑیگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ جو چیز تم نے بنائی ہے اب اس میں جان بھی ڈالو۔ جب وہ ایسا نہیں کر سکیں گے تو ان کی پٹائی شروع ہو جائے گی۔ مجسمہ تو بنایا مگر اب اس میں جان کیسے ڈالیں گے، یہ تو ان کے بس کی بات نہیں ہے اللہ فرمائیگا تم میری تخلیق کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ بھلا جَو کا ایک دانہ ہی پیدا کر کے دکھاؤ یا کسی درخت کا ایک پتہ ہی بناؤ۔ پیدا کرنا اللہ کا کام ہے کیونکہ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ (یٰس - ۸۱) پیدا کرنے والا اور ہر چیز کا جاننے والا وہی ہے نیز فرمایا۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (الحشر ۲۴)

وہی خالق، موجد اور مصور ہے۔ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ۔ (آلِ عمران - ۵) ماں کے رحم میں تصویر کشی کرنے والا بھی وہی ہے۔
غرضیکہ جاندار اشیاء کی تصویر بنانا گناہ کبیرہ ہے۔

سواری پر نماز پڑھنے کا حکم

عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ یُصَلِّیْ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ تَطَوُّعًا فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یُّوْتِرَ نَزَلَ فَاَوْتَرَ عَلَی الْاَرْضِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

حضرت سعید بن جبیرؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی سواری پر ہی نفل نماز ادا کر لیا کرتے تھے اور سواری کے قبلہ رخ ہونے کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ البتہ رات کو جب وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو زمین پر اتر کر پڑھتے کیونکہ فرض اور وتر مؤکد ہیں اور انہیں زمین پر کھڑے ہو کر ہی ادا کرنا چاہیئے تاکہ استقبال قبلہ بھی ہو جاتے۔ بعض روایات کے مطابق حضور علیہ السلام نے اپنی سواری پر بھی وتر ادا فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اس کی یہ توجیہہ بیان کرتے ہیں کہ یہ بارش وغیرہ جیسی عذر کی حالت تھی جس کی وجہ سے زمین پر اترنا مشکل تھا اور آپ نے چلتے چلتے ہی نماز پڑھی۔ امام ابوحنیفہ اور دیگر آئمہ کا ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ دوسرے آئمہ وتر کو واجب نہیں بلکہ سنت سمجھتے ہیں لہذا وہ انہیں بھی سواری پر ادا کرنے کے حق میں ہیں مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر واجب ہیں جو عملاً فرض کے برابر ہوتے ہیں۔ لہذا فرضوں کی طرح وتروں کو بھی زمین پر اُتر کر پڑھنا چاہیئے۔

دورانِ سفر سواری پر نماز پڑھنا

عَنْ نَافِعٍ قَالَ نَادٰى ابْنُ عُمَرَ بِالصَّلٰوةِ بِضَجْنَانَ ثُمَّ نَادٰى أَنْ صَلُّوْا فِي رِحَالِكُمْ ثُمَّ حَدَّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ الْمُنَادِيَ فَيُنَادِيْ بِالصَّلٰوةِ ثُمَّ يُنَادِيْ أَنْ صَلُّوْا فِي رِحَالِكُمْ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ وَفِي اللَّيْلَةِ الْمَطِيْرَةِ فِي السَّفَرِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ضجنان کے مقام پر نماز ادا کرنے کا اعلان کیا یا اذان پکاری پھر مزید اعلان کیا کہ اپنی سواریوں پر ہی نماز ادا کرلو۔ اس حکم کی دلیل کے طور پر انہوں نے حضور علیہ السلام کی یہ حدیث بیان کی کہ دورانِ سفر اگر رات سرد اور بارش والی ہوتی تو آپ اذان کہنے کا حکم دیتے۔ پھر اذان کہی جاتی اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا جاتا کہ لوگو! اپنی سواریوں پر ہی بیٹھے بیٹھے نماز ادا کرلو۔ ظاہر ہے کہ ایسا عذر کی بناء پر ہوتا تھا۔ وگرنہ نوافل تو سواری پر پڑھے جاسکتے ہیں۔ البتہ فرائض اور وتر زمین پر ہی اتر کر پڑھنا چاہئیں کیونکہ وتر وجوب کا درجہ رکھتے ہیں۔

بلاضرورت کتا پالنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ مَنِ اتَّخَذَ اَوْ قَالَ اقْتَنٰى كَلْبًا لَيْسَ بِضَارٍ وَلَا كَلْبَ مَاشِيَةٍ نُقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطَانِ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ وَكَلْبُ حَرْثٍ فَقَالَ اِنَّ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ حَرْثًا ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کتّا پالا جس کا مقصد نہ شکار کرنا تھا اور نہ جانوروں کی حفاظت کرنا یعنی محض شوقیہ طور پر کتا پال رکھا ہے تو فرمایا ایسے شخص کی نیکیوں میں سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کُتّے کے ذریعے کھیتی کی حفاظت کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ جو کتا کھیتی کی حفاظت، شکار یا جانوروں کی حفاظت کے لیے پالا جائے وہ اس حکم سے مستثنیٰ سمجھا جائیگا۔ غرضیکہ شوقیہ طور پر کتا پالنا جائز نہیں بلکہ باعث وبال ہے یاد رہے کہ قیراط دو رتی کے برابر ہوتا ہے۔

مرد وزن کا ایک برتن سے وضو

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ الرِّجَالَ وَالنِّسَآءَ يَتَوَضَّؤُوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيْعًا مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارک میں دیکھا کہ مرد اور عورتیں ایک ہی برتن کے پانی سے وضو کر لیتے تھے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ پہلے مرد وضو کرے اور پھر اسی برتن کے بقیہ پانی سے عورت وضو کر لے یہ جائز ہے۔ اگر پانی برتن سے نکال کر وضو کیا جائے جیسا کہ آج کل لوٹے استعمال ہوتے ہیں تو اس میں تو کوئی اشکال نہیں البتہ اس حدیث میں اکٹھے وضو کرنے کا جو ذکر ہے وہ اس طرح کہ مرد اور عورت برتن کے اندر ہاتھ ڈال کر پانی حاصل کریں۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک اگر عورت پانی میں اپنا ہاتھ پہلے ڈالے اور مرد بعد میں تو یہ مکروہ ہوگا۔ اور اگر دونوں اکٹھے وضو کر لیں تو جائز ہے تاہم دیگر آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ اگر عورت طہارت پسند ہے تو وہ خاوند سے پہلے بھی اس برتن میں وضو کر سکتی ہے۔

احرام کا لباس

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا یَلْبَسُ الْمُحْرِمُ اَوْ قَالَ مَا یَتْرُكُ الْمُحْرِمُ فَقَالَ لَا یَلْبَسُ الْقَمِیْصَ وَلَا السَّرَاوِیْلَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا الْخُفَّیْنِ اِلَّا اَنْ لَّا یَجِدَ نَعْلَیْنِ فَمَنْ لَمْ یَجِدْ نَعْلَیْنِ فَلْیَلْبَسْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا حضور! مُحرم (احرام باندھنے والا) کونسا لباس پہن سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا نہ تو وہ قمیض پہن سکتا ہے اور نہ شلوار۔ وہ پگڑی بھی نہیں باندھ سکتا، نہ ہی موزے پہن سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس جوتے نہیں ہیں بلکہ صرف موزے ہیں تو پھر وہ موزے کو ٹخنے کے نیچے رکھ کر کاٹ دے اور پھر اوپر والا حصہ الگ کر دے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ محرم آدمی ٹوپی بھی نہیں پہن سکتا اور کوئی ایسا کپڑا بھی نہیں پہن سکتا مَسَّهُ وَرْسٌ وَلَا زَعْفَرَانٌ۔ جو ورس یا زعفران (زرد رنگ) کے ساتھ رنگا ہوا ہو۔ احرام کا لباس صرف دو چادریں ہیں محرم آدمی ایک چادر بطور تہ بند باندھ لیتا ہے اور دوسری اوپر اوڑھ لیتا ہے، سر اور منہ ننگا ہوتا ہے۔

عاشورہ محرم کا روزہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ فِي عَاشُورَاءَ صَامَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ بِصَوْمِهِ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تُرِكَ فَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ لَا يَصُومُهُ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَ عَلَى صَوْمِهِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم عاشوراء یعنی محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ خود بھی رکھتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے کیوں کہ ابتداء میں یہ روزہ فرض تھا۔ پھر جب رمضان المبارک کے روزے فرض قرار دیئے گئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت اٹھ گئی۔ اب یہ صرف استحباب کے درجہ میں آتا ہے اس کا ثواب بہت زیادہ ہے اور اگر نہ رکھے تو کوئی باز پرس بھی نہیں۔

★

مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا اجر

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَزُوْرُ رَاكِبًا اَوْ مَاشِيًا يَعْنِيْ مَسْجِدَ قُبَآءَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا کی زیارت کیا کرتے تھے کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل چل کر۔ بالعموم آپ ہفتہ کے دن جا کر وہاں پر دو نفل ادا فرماتے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ اس مسجد میں دو رکعت نفل پڑھے گا اس کو ایک عمرے کے برابر ثواب حاصل ہو گا۔

اس مسجد کی مسافت مسجد نبوی سے تقریباً اڑھائی تین میل ہے۔ یہ وہی مسجد ہے جس کے متعلق اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ (توبہ - ۱۰۸) یہ وہی مسجد ہے جس کی بنیاد روزِ اول سے تقویٰ پر رکھی گئی۔ آپ نے یہ مسجد مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے دوران بنی عوف ابن سالم کے محلہ میں تعمیر کی تھی۔

صدقہ فطر کی مقدار

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةَ رَمَضَانَ عَلَى الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوكِ صَاعَ تَمْرٍ أَوْ صَاعَ شَعِيرٍ قَالَ فَعَدَلَ النَّاسُ بِهِ بَعْدُ نِصْفَ الصَّاعِ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہر مرد، عورت، آزاد اور غلام پر صدقہ فطر مقرر فرمایا ہے۔ اس کی مقدار کھجور اور جَو کی صورت میں ایک صاع ہے جبکہ گندم کی صورت میں نصف صاع ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر غلام کافر ہو تو بھی اس کا صدقہ فطر ادا کرنا چاہیئے جب کہ امام مالک اور دوسرے آئمہ کہتے ہیں کہ صرف مسلمان غلام کی طرف سے صدقہ فطر واجب ہے۔ تاہم مملوک کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ کوئی بھی غلام جس کی کفالت مالک کے ذمے ہے اس کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا چاہیئے۔ بالغ حضرات۔ بیوی اور بڑے بچے اپنا صدقہ خود ادا کریں۔ ہاں اگر اپنی مرضی سے کوئی دوسرا شخص ادا کردے تو بھی درست ہے۔ البتہ نابالغ بچوں کا صدقہ فطر ان کے سرپرست ادا کریں۔

جانور کے بچے کی قبل از ولادت بیع

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ بَیْعِ حَبْلِ الْحَبَلَۃِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیٹ میں بچے کے بچے کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس قسم کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی کہ اس اونٹنی یا گائے یا بھیڑ بکری کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہوگا اس کے بچہ کو تم اس قیمت پر لے لوگے۔ اس قسم کی بیع بیع معدوم کہلاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس چیز کا ابھی وجود ہی نہیں ہے، اس کی خرید و فروخت باطل ہے۔ بعض دفعہ اس قسم کا سودا کر لیا جاتا ہے کہ اس جانور کے بچے کا بچہ اتنی قیمت میں لے لو۔ کیا معلوم بچہ ہوتا بھی ہے یا نہیں، مگر محض دل لگی کی خاطر یا جوئے کے طور پر اس قسم کا سودا کر لیتے تھے جس سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا۔

بعض فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانہ میں اس قسم کی بیع کی یہ صورت ہوتی تھی کہ مالک کہتا تھا کہ مجھے تم فلاں چیز دے دو اور اس کی قیمت اس وقت ادا کروں گا جب اس اونٹنی یا فلاں جانور کے بچے کا بچہ پیدا ہوگا۔ یہ بیع بھی فاسد ہے کیونکہ ادائیگی کے لیے مدت کا تعین ضروری ہے، دو دن چار دن، سال، دو سال جو بھی مدت مقرر کر لی جائے، درست ہے مگر مدت مجہول کا ادھار جائز نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا ہے۔

مناقب حضرت عبداللہ بن عمرؓ

عَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ بِيَدِي قِطْعَةَ إِسْتَبْرَقٍ وَلَا أُشِيرُ بِهَا إِلَى مَكَانٍ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا طَارَتْ بِي إِلَيْهِ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أَخَاكَ رَجُلٌ صَالِحٌ أَوْ إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ صَالِحٌ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۵)

حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ریشم کا ایک ٹکڑا ہے اور اس کے ساتھ میں جس طرف بھی اشارہ کرتا ہوں وہ ٹکڑا مجھے اُدھر ہی جنت میں اڑا کر لے جاتا ہے۔ یہ خواب ابن عمرؓ نے اپنی بہن حفصہؓ کے سامنے بیان کیا جنہوں نے آگے اس کا ذکر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کر دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا بیشک تمہارا بھائی نیک آدمی ہے یا فرمایا کہ بیشک عبداللہ نیک آدمی ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش! وہ رات کو نماز پڑھا کرے۔

جب یہ بات حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو معلوم ہوئی تو وہ رات کا اکثر حصہ نماز میں گزارنے لگے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے لگے سوائے عید اور ایام تشریق کے جن میں روزہ رکھنا منع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اللہ کے نزدیک بڑے بلند مرتبت انسان تھے۔ انہوں نے زندگی میں ساٹھ دفعہ حج کیا، ایک ہزار عمرہ ادا کیا اور ایک ہزار غلام خرید کر آزاد کئے۔ غرضیکہ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرتے تھے۔ محدثین لکھتے ہیں کہ آپ نے ایک ہی مجلس میں تیس ہزار دینار یا درہم بھی صدقہ کر دیا۔ زندگی نہایت سادہ تھی حتیٰ کہ ایک معمولی سی چٹائی پر سوتے تھے۔

ہر شخص نگران اور محافظ ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ فَالْاَمِیْرُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ وَالْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ اَلَا فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص نگران اور محافظ ہے اور ہر ایک سے سوال کیا جائیگا کہ تم نے نگرانی کا یہ فریضہ کس طرح ادا کیا۔ فرمایا لوگوں پر مقرر کردہ حاکم سب کا راعی ہے لہذا اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائیگا۔ کہ تم نے ان سے کیسا سلوک کیا ان کی حفاظت اور نگرانی کا حق ادا کیا یا ان کو ان کے حال پر چھوڑ کر اپنی عیش و عشرت میں لگے رہے۔

حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ ہر مرد اپنے گھر میں نگران ہے وہ افراد خانہ کا ذمہ دار ہے لہذا اس سے اس کے اہل خانہ کے متعلق باز پرس ہوگی۔ اس طرح گھر میں عورت بھی نگران ہے اور گھر کا مال متاع اس کی ذمہ داری میں ہوتا ہے۔ اس سے بھی سوال ہوگا تو نے اپنی یہ ذمہ داری کس حد تک پوری کی۔ اپنے خاوند کے مال کی حفاظت کی یا اسے فضول رسم و رواج میں اڑا دیا۔ فرمایا غلام بھی اپنے آقا کے مال کا محافظ ہوتا ہے وہ بھی قیامت والے دن مسئول ہوگا۔ کہ اس نے یہ حق کیسے ادا کیا؟ کیا خود کھایا، دوسروں کو کھلایا یا مالک کی مرضی کے مطابق اس کی حفاظت کی۔

الغرض! حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص ایک لحاظ سے راعی ہے

اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہو گی لہذا ہر آدمی کو اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیئے۔ مرد، عورت، غلام، حاکم، محلہ یا گاؤں کا سرکردہ آدمی، سربراہ مملکت، سب کے سب جواب دِہ ہوں گے لہذا اس کی ابھی سے فکر کرلینی چاہیئے۔

سفر سے واپسی کی دعا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَفَلَ مِنْ حَجٍّ أَوْ غَزْوَةٍ فَعَلَا فَدْفَدًا مِّنَ الْأَرْضِ أَوْ شَرَفًا قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا جہاد کے سفر سے واپس آتے اور راستے میں کسی اونچی جگہ یا گھاٹی پر چڑھتے تھے تو اپنی زبان سے یہ کلمات ادا فرماتے۔ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تَائِبُوْنَ سَاجِدُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

اللہ ہی بڑا ہے۔ اللہ ہی بڑا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ہم واپس لوٹ کر آنے والے ہیں، بارگاہ الٰہی میں توبہ کرنے والے، سجدہ ریز ہونے والے عبادت گزار اور اپنے پروردگار کے تعریف کنندہ ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ فرمایا ہے۔ اور اپنے بندے کی مدد کی ہے اور تمام دشمنوں کو اس اکیلے نے شکست دی ہے۔

گوہ کی حلت و حرمت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اُتِیَ بِہٖ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْنِیْ الضَّبَّ فَلَمْ یَاکُلْہُ وَلَمْ یُحَرِّمْہُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں گوہ کو پیش کیا گیا۔ آپ نے نہ تو اس کو کھایا اور نہ حرام قرار دیا۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ ابتدائی دور کی بات ہے کیونکہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کو مکروہ خیال فرمایا ہے۔ ایک موقع پر حضرت عائشہؓ پکا ہوا گوہ کسی کو دینا چاہتی تھیں تو آپ نے فرمایا کہ جس چیز کو تم خود نہیں کھاتیں وہ سائل کو کیسے دیتی ہو گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو ناپسند کیا ہے۔

گوہ کی اباحت کے حق میں بعض حضرات اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کے مطابق پکا ہوا گوہ حضور علیہ السلام کے دسترخوان پر لایا گیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اور بعض دیگر حضرات نے اسے کھایا مگر خود آپ نے نہیں کھایا۔ لہٰذا یہ حرام نہیں ہے۔ تاہم امام ابو حنیفہؒ اور دیگر آئمہ کرام اسے مکروہ تحریمی جانتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو نہ کھایا جائے کیونکہ یہ ملعون جانور ہے۔ بعض قوموں کو مسخ کر کے اللہ نے گوہ کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا لہٰذا اس کا کھانا شر سے خالی نہیں۔ گوہ کا شکار عام طور پر اس کے چمڑے کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے کیونکہ یہ بڑا سخت ہوتا ہے اور بڑے ضروری کاموں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس جانور کو اللہ نے عمر بھی لمبی عطا کی ہے۔ یہ سات سو سال تک زندہ رہتا ہے۔ اس کے دانت کبھی نہیں گرتے۔ چالیس دن کے بعد ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے اس نے اپنے لیے چار مختلف بل بنائے ہوتے ہیں جن میں یہ گھس جاتا ہے۔ شکاری کسی ایک بل میں تلاش کرتا ہے تو یہ کسی دوسرے بل میں ہوتا ہے اور آسانی سے پکڑا نہیں جاتا۔

زنا کے ارتکاب پر رجم کی سزا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ الْیَھُوْدَ اَتَوُا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ وَ امْرَأَۃٍ قَدْ زَنَیَا فَقَالَ مَا تَجِدُوْنَ فِیْ کِتَابِکُمْ فَقَالُوْا نُسَخِّمُ وُجُوْھَھُمَا وَ یُخْزَیَانِ فَقَالَ کَذَبْتُمْ اِنَّ فِیْھَا الرَّجْمَ ....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ کچھ یہودی ایک مرد اور عورت کو لے کر حضور علیہ السلام کے پاس آئے جنہوں نے شادی شدہ ہو کر زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ یہودی لوگ آپس میں یہ مشورہ کرکے آئے تھے کہ اگر نبی علیہ السلام نے اس زانی جوڑے کی سزا درے لگانا مقرر کی تو قبول کر لیں گے اور اگر ان کو سزائے رجم کا حکم دیا تو انکار کر دیں گے۔ بہر حال جب معاملہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا — تو آپ نے انہی سے پوچھا کہ تمہاری کتاب تورات میں اس جرم کا کیا حکم ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو ایسے مجرموں کا منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھلاتے ہیں اور پھر انہیں گلیوں بازاروں پھیر پھرا کر ان کی رسوائی کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، تم غلط کہتے ہو کیونکہ تمہاری کتاب میں ایسے زنا کے مجرموں کے لیے رجم کی سزا مقرر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ فَأْتُوْا بِالتَّوْرَاۃِ فَاتْلُوْھَا اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ۔ اچھا اگر تم سچ کہتے ہو تو اپنی کتاب لا کر پڑھو۔ یہودی تورات لے آئے اور اپنا ایک یک چشم عالم بھی لاتے تاکہ وہ حضور کے سامنے کتاب پڑھ سکے ابن صوریا نامی اس عالم نے جب کتاب کو پڑھنا شروع کیا تو رجم والی آیت پر ہاتھ رکھ لیا اور آگے پیچھے سے پڑھنے لگا۔ دوسری روایت میں صریحاً موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے بتا دیا کہ یہ شخص مطلب کی بات چھپا رہا ہے اس کو کہو کہ اس سطر کے اوپر سے ہاتھ اٹھا کر پڑھے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ ایک اور روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی عالم سے کہا تھا کہ میں تم کو اس خدائے برتر کی قسم دلاتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل فرمائی

اب صحیح صحیح بات بتلادو۔ اس پر وہ شخص مان گیا کہ میں نے رجم کی آیت چھپانے کی کوشش کی تھی حقیقت میں یہ حکم موجود ہے۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ یہودیوں کا طرز عمل یہ تھا کہ اگر کوئی غریب آدمی زنا کا مرتکب ہوتا تو اُس پر حدِ رجم جاری کر دیتے اور اگر کوئی امیر آدمی ہوتا تو وہ بچ جاتا۔ چونکہ یہ دوعملی بھی مناسب نہیں تھی۔ اس لیے یہودیوں نے آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ کے لیے زنا کی سزا رجم کی بجائے روسیاہی اور کوڑے لگانا مقرر کر لی جائے۔ چنانچہ اس پر عمل در آمد شروع ہو گیا۔

بہر حال حضور علیہ السلام نے یہودیوں سے کہا کہ کتاب سے ہاتھ اٹھاؤ۔ جب ہاتھ اٹھایا تو نیچے سے رجم کی آیت نکل آئی چنانچہ آپ نے مجرموں کے رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ الحمد للہ جس حکم کو یہ لوگ چھپاتے تھے اللہ نے میری وجہ سے اس کو زندہ کر دیا ہے۔ باوجود ہزاروں تحریفات کے آیت رجم آج بھی تورات میں موجود ہے، البتہ اس کا ترجمہ اب یہ کیا گیا ہے کہ جو شخص پڑوسی کی بیوی سے زنا کا مرتکب ہو گا وہ جان سے مارا جائے گا۔ عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان مجرموں کو رجم کیا گیا۔

رجم کا حکم سابقہ کتب میں موجود ہے مگر قرآن میں نہیں ہے۔ تاہم صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں متعدد واقعات میں رجم کیا گیا۔ فریقین نے خود جرم کا اقرار کیا۔ خلفائے راشدین نے اسی حکم پر عمل کیا پاکستان میں اگرچہ بعض لوگوں نے اور بعض ججوں نے بھی سزائے رجم کا انکار کیا ہے مگر عوامی آواز کے پیش نظر حکومت نے اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ اگرچہ پاکستان میں ابھی تک کسی ایک واقعہ میں بھی حد رجم جاری نہیں ہوئی۔ تاہم سعودی عرب میں ابن سعود اول سے لے کر یہ حد جاری ہے اور مقدمات کے بھی جلد فیصلہ ہو جاتے ہیں۔

لیلۃ القدر کی تلاش

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَرَوْنَ الرُّؤْيَا يَقُصُّوْنَهَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اَوْ قَالَ اَسْمَعُ رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ عَلَى السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُتَحَرِّيْهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۵، ۶)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں لوگ خواب دیکھتے تو اسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کرتے اسی طرح بعض لوگوں نے لیلۃ القدر کے بارے میں خواب دیکھا تو آپ نے فرمایا میں تمہارے خواب کو سنتا ہوں اور یہ موافق ہوا ہے آخری سات دنوں میں یعنی لیلۃ القدر ماہ رمضان کی آخری سات طاق راتوں میں سے کسی ایک رات میں واقع ہو گی۔ لہذا تم میں سے جو کوئی اسے تلاش کرنا چاہے تو رمضان کی آخری سات طاق راتوں میں تلاش کرے۔ کسی ایک رات کا تعین نہیں کیا گیا تاکہ لوگ خود اسے برضا و رغبت تلاش کریں۔ اگر لوگوں کو اسی ایک رات کی نشاندہی کر دی جاتی تو لوگ قناعت کر کے بیٹھ جاتے اور اس کے لیے کوشش نہ کرتے لہذا اس رات کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے، جو کوشش کریگا وہ پالے گا۔

فاتحہ خلف الامام اور بعض دیگر مسائل

عَنْ اَنَسِ بْنِ سِیْرِیْنَ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَقْرَأُ خَلْفَ اِمَامٍ قَالَ تُجْزِئُکَ قِرَأَۃُ الْاِمَامِ قُلْتُ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ اُطِیْلُ فِیْھِمَا الْقِرَأَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ صَلَاۃَ اللَّیْلِ مَثْنٰی مَثْنٰی ......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴۹)

انس بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بعض مسائل دریافت کئے جن کا انہوں نے جواب دیا مسائل یہ تھے۔

۱۔ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا اَقْرَأُ خَلْفَ الْاِمَامِ۔ کیا میں امام کے پیچھے بطور مقتدی نماز پڑھنے کے دوران میں قرأت کرلیا کروں حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ تیرے لئے امام کی قرأت کافی ہے لہذا تجھے بطور مقتدی قرات کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت زیدؓ سے مسلم شریف کی روایت میں بھی آتا ہے کہ امام کے ساتھ قرات نہیں ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ اِمَامٍ۔ سوائے اس کے کہ آدمی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو ایسی صورت میں مقتدی فاتحہ نہیں پڑھیگا۔ فاتحہ خلف امام کے حق میں صرف امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ زیادہ زور دیتے ہیں کہ نماز با جماعت کی صورت میں بھی مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے فقہائے کرام بھی کہ امام کے پیچھے سری یا جہری کسی نماز میں بھی مقتدی کو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیئے۔ البتہ باقی تینوں امام کہتے ہیں کہ بہتر ہے کہ پڑھ لے، ورنہ کوئی فرض واجب نہیں ہے۔ اور یہ جو حدیث پیش کی جاتی ہے لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ (بخاری شریف) تو انہوں نے صرف آدھی حدیث پیش کی ہے جب کہ مسلم شریف میں مکمل متن موجود ہے۔ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ فَصَاعِدًا۔ سورۃ فاتحہ اور کچھ زیادہ حصے کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ

یہ شرط امام اور منفرد نمازی کے لیے ہے۔ ترمذی صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد امام بخاریؒ اور بعض دوسرے اصحاب نے تشدد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ جو شخص فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ یہ درست نہیں ہے بلکہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر بھی مقتدی کی نماز درست ہے اس ضمن میں صحابہ کرامؓ کے اقوال بھی موجود ہیں اور خود حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے اِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا۔ جب امام قرات کرے تو تم خاموش رہو۔ یہ مسلم شریف کی درجہ اوّل کی صحیح حدیث ہے اُدھر یہ بھی ہے کہ جب قرات کرنے والا وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ کہے تو تم آمین کہو۔ قرات کرنے والا صرف ایک امام ہوگا اور تم سب خاموش رہنے والے ہوگے۔ البتہ آمین میں سب شریک ہو جائیں گے یہی بات عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی منقول ہے جسے امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے۔ فرمایا نماز میں مشغولیت ہوتی ہے اور تیرے لیے امام کی قرات کافی ہے۔

۲۔ دوسرا مسئلہ انس بن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے صبح کی سنتوں کے متعلق دریافت کیا کہ ان سنتوں میں قرات لمبی کروں یا مختصر۔ عبداللہ بن عمرؓ نے بتلایا کہ حضور علیہ السلام رات کو نوافل پڑھتے تھے اور صبح کے قریب ذرا آرام فرماتے تھے۔ پھر جب صبح کی اذان ہوتی تو فوراً اٹھ کر دو رکعت ہلکی سی پڑھ لیتے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر صبح کی نماز میں ابھی دیر ہو اور کوئی شخص صبح کی سنتوں میں سورۃ یٰسین پڑھ لیتا ہے تو یہ ناجائز نہیں ہوگا۔ البتہ مختصر قرات بہتر ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کی یہی سنّت ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تیسرا مسئلہ یہ دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص وصیت کرتا ہے کہ اس کا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اَیُنْفَقُ مِنْہُ فِی الْحَجِّ تو کیا یہ مال حج کے لیے خرچ کیا جاسکتا ہے۔ فرمایا ہاں حج کے لیے صرف کی گئی رقم فی سبیل اللہ ہی تصور ہوگی۔ تم اس مال سے حج کر سکتے ہو۔

۴۔ چوتھا مسئلہ یہ تھا کہ جس شخص کی ایک رکعت امام کے ساتھ رہ گئی ہو وہ اس رکعت کو کس وقت پورا کرے۔ کیا جس وقت امام تشہد میں بیٹھے تو وہ شخص اسی وقت اٹھ کر کھڑا ہو جائے؟ فرمایا نہیں بلکہ جب امام سلام پھیرے تو وہ شخص اٹھ کر اپنی بقیہ رکعت پڑھ لے۔

۵۔ پانچواں مسئلہ یہ تھا کہ کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کو قرض دیتا ہے پھر وہ اپنے مال سے

زیادہ لیتا ہے تو کیا یہ اس کے لیے جائز ہے؟ فرمایا یہ تو غداری کی بات ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ کہ ہر غدار آدمی کی پشت میں قیامت والے دن جھنڈا گاڑ دیا جائیگا۔ کوئی شخص جتنا بڑا غدار ہوگا اس کا جھنڈا بھی اتنا ہی بلند ہوگا جو دور سے نظر آئے گا۔ جس سے غدار آدمی کی تذلیل ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص سو روپے دے کر سوا سو لیتا ہے تو یہ سود ہوگا اور وہ غدار سمجھا جائیگا۔

کھانے کے بعض آداب

سَمِعْتُ ابْنَ جَبَلَةَ قَالَ كَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَرْزُقُنَا التَّمْرَ قَالَ وَقَدْ كَانَ أَصَابَ النَّاسَ يَوْمَئِذٍ جَهْدٌ فَكُنَّا نَأْكُلُ فَيَمُرُّ عَلَيْنَا ابْنُ عُمَرَ وَنَحْنُ نَأْكُلُ فَيَقُولُ لَا تُقَارِنُوا فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْإِقْرَانِ..... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴۴)

ابن جبلہؒ بیان کرتے ہیں کہ قحط کا زمانہ تھا لوگوں کو بڑی پریشانی تھی کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا فاقے پر فاقے آتے تھے اس دوران میں عبداللہ بن زبیرؓ ہم لوگوں کو کھانے کے لیے کچھ کھجوریں دیا کرتے تھے کہتے ہیں کہ ایک دن ایسا ہوا کہ ہم کھجوریں کھا رہے تھے کہ عبداللہ بن عمرؓ کا ہمارے پاس سے گزر ہوا تو وہ کہنے لگے، بھائی! دو دو کھجوریں ملا کر لقمہ نہ بناؤ کیونکہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر کوئی جماعت کوئی چیز مل کر کھا رہی ہو اور وہ ایک دوسرے کو اجازت دے دیں کہ جس طرح چاہیں کھائیں تو پھر تو ٹھیک ہے ورنہ دو دو کھجوریں ایک ایک لقمہ میں کھانے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس سے دوسروں کا حق ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

نماز پڑھتے وقت کھیلنے کی ممانعت

قَالَ حَجَّاجُ الْاُمَوِیُّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ وَرَاٰی رَجُلًا یَعْبَثُ فِی صَلَاتِہٖ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا تَعْبَثْ فِی صَلَاتِکَ وَاصْنَعْ کَمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصْنَعُ...الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴۵)

حجاج اموی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی شخص کو نماز کے دوران کھیلتے ہوئے دیکھا۔ بعض لوگ نماز پڑھتے ہوئے داڑھی یا سر کے بالوں کو سنوارنے لگتے ہیں یا ویسے ہی جسم کے مختلف حصوں میں خارش کرنے لگتے ہیں۔ بعض لوگ قمیص یا پاجامہ وغیرہ کو سیدھا کرتے رہتے ہیں یہ چیزیں مکروہات میں شمار ہوتی ہیں۔ تو حضرت ابن عمرؓ نے کسی شخص کو ایسے ہی نماز کے دوران کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، نماز میں مت کھیلو بلکہ اسی طرح کرو جس طرح رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور پھر فرمایا کہ جب تم تشہد میں بیٹھو تو دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھو اور تشہد کے وقت انگلی سے اشارہ بھی کرو۔ مطلب یہ کہ نماز میں فضول حرکتیں نہ کرو۔ بلکہ شہادت کے وقت انگلی سے اشارہ کرو یہی سنت ہے۔

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يَلْعَقُ اَصَابِعَهُ ثُمَّ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ فِيْ اَيِّ طَعَامِكَ تَكُوْنُ الْبَرَكَةُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد حضرت مجاہد مفسر قرآن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کھانا کھانے کے بعد اپنی انگلیوں کو چاٹ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ تم میں سے جب کوئی شخص کھانا کھائے تو اپنی انگلیوں کو چاٹ لیا کرے کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ نے تمہارے طعام کے کس حصے میں برکت رکھی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انگلیوں کے ساتھ لگے ہوئے تھوڑے سے کھانے میں ہی اللہ نے برکت رکھی ہو اس لیے کھانے کے برتن کو بھی اچھی طرح صاف کرنے کا حکم ہے۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ برتن کو صاف کرلیا کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ نے کھانے کے کس حصے میں برکت رکھی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کھانے کا برتن صاف کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ وہ برتن کھانے والے کے لیے بخشش کی دعا مانگتا ہے۔

عام لوگوں کی اونٹوں کے ساتھ مثال

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا النَّاسُ کَاِبِلٍ مِائَۃٍ لَا یُوْجَدُ فِیْھَا رَاحِلَۃٌ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ لوگ سو اونٹوں کی قطار کی مانند ہیں۔ سامان سے لدے ہوتے اونٹ اپنے سفر پر رواں دواں رہتے ہیں جن کو صرف ایک آدمی چلا رہا ہوتا ہے۔ وہ اگلے اونٹ کی مہار پکڑ کر جدھر موڑ دیتا ہے باقی سو اونٹ اسکے پیچھے پیچھے چلتے رہتے ہیں۔ ان سو اونٹوں میں شاید ہی کوئی ایک آدھ سواری کے قابل ہو ورنہ اکثر نکمے ہی ہوتے ہیں اور صرف بار برداری کے کام آتے ہیں۔ لوگوں کی مثال بھی ایسی ہی ہے، ملک، قوم اور انسانیت کے لیے مفید لوگ بہت کم ہوتے ہیں ورنہ عام لوگوں کا حال یہی ہوتا ہے کہ کھایا، پیا اور کام چلایا۔ اسی لیے فرمایا کہ لوگوں کی مثال سو اونٹوں کی قطار کی سی ہے جن کی اپنی کوئی سوچ اور ارادہ نہیں ہوتا بس جدھر کسی نے چلا دیا چلتے رہے۔

صدقہ کئے ہوئے جانور کو دوبارہ خریدنا

عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ حَمَلَ عَلٰى فَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَوَجَدَهَا تُبَاعُ فَسَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شِرَائِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کسی کو ایک گھوڑا اللہ کے راستے میں صدقہ کردیا۔ پھر وہ گھوڑا کسی وقت بک رہا تھا۔ مالک اس کی پرورش نہ کرسکا اور اسے بیچنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تو ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ گھوڑا خرید لیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ جس گھوڑے کو میں نے صدقہ کردیا تھا، کیا میں اسے خرید سکتا ہوں ؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے صدقہ میں دوبارہ رجوع نہ کرو۔ اگرچہ اس کا خریدنا حرام نہیں ہے تاہم اپنے ہی صدقہ کئے ہوئے جانور کو دوبارہ خریدنا ناپسندیدہ امر ہے اس لیے اجتناب کرو، اگرچہ یہ بہت سستے داموں ہی کیوں نہ مل رہا ہو۔

ایک مسلمان کا دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھانا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمَلَ عَلَیْنَا السِّلَاحَ فَلَیْسَ مِنَّا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر حملہ آور ہوتا ہے اسکا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ہم میں سے نہیں کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہماری ملت سے خارج ہو گیا ہے کیونکہ ملت سے اخراج تو اس وقت ہوتا ہے جب کسی شخص کا عقیدہ بالکل فاسد ہو جائے وہ مرتد ہو جائے یا کفر و شرک میں مبتلا ہو جائے۔ ہاں البتہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ضرور ہوتا ہے ایک مسلمان تو دوسرے مسلمان کا محافظ ہوتا ہے نہ کہ خود ہی دوسرے مسلمان کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ یہ حرام ہے اور یہ کافروں کا شیوہ ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُہٗ کُفْرٌ یعنی کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر کے مترادف ہے۔

کسی مسلمان کو کافر کہنا

سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهِ اَحَدُهُمَا اِنْ كَانَ كَمَا قَالَ وَ اِلَّا رَجَعَتْ عَلَى الْاٰخَرِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی شخص نے دوسرے کو کافر کہہ کر خطاب کیا تو دونوں میں سے ایک ضرور اسی چیز کے ساتھ لوٹے گا یعنی اس پر کفر کا فتویٰ لگے گا۔ اگر تو جس شخص کو کافر کہا گیا ہے وہ واقعی کافر ہے تو وہی کافر سمجھا جائیگا یعنی وہی بات اس کی طرف پلٹ کر آئے گی اگر یہ شخص کافر نہ بھی ٹھہرا تو کم از کم گناہ کبیرہ کا مرتکب ضرور سمجھا جائیگا۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو یہودی کہتا ہے تو مسلمان حاکم ایسے شخص کو بیس کوڑے لگانے کی سزا دے سکتا ہے اسی طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔

جنابت کے بعد استنجا اور وضو

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) تُصِيْبُنِيْ مِنَ اللَّيْلِ الْجَنَابَةُ فَقَالَ اغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ تَوَضَّأْ ثُمَّ ارْقُدْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے والد حضرت عمرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ حضور! بعض اوقات مجھے رات کے وقت جنابت لاحق ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ آپ نے فرمایا کہ استنجا کرو، پھر وضو کرو اور پھر سو جاؤ۔ یہی مستحب ہے۔ جنابت کے فوراً بعد غسل کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ انسان صبح اٹھ کر غسل کر سکتا ہے۔

حضرت انور شاہ کشمیریؒ اس حدیث کی شرح میں اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جنابت کی حالت میں فرشتے انسان سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور اللہ کی رحمت کے فرشتے اس کے قریب نہیں آتے۔ اگر استنجا کر کے وضو کر لیا جائے تو فرشتوں کی نفرت کم ہو جاتی ہے اور اگر ایسی حالت میں انسان کی موت بھی واقع ہو جائے تو فرشتوں کو اپنا کام مکمل کرنے میں تکلیف نہیں ہو گی لہذا وضو کر کے سونا بہتر ہے اگر اتنا بھی نہ کرے تو پھر بھی گنہگار تو نہیں ہو گا تاہم کر لینا بہتر ہے۔

منافق آدمی کی مثال

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ مَثَلُ الشَّاۃِ الْعَائِرَۃِ بَیْنَ الْغَنَمَیْنِ تَعِیْرُ اِلٰی ھٰذِہٖ مَرَّۃً وَاِلٰی ھٰذِہٖ مَرَّۃً لَا تَدْرِیْ اَھٰذِہٖ تَتَّبِعُ اَمْ ھٰذِہٖ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے منافق کی مذمت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ منافق کی مثال آوارہ بکری کی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان چلتی رہتی ہے۔ کبھی ایک ریوڑ کی طرف چلی جاتی ہے اور کبھی دوسرے ریوڑ کی طرف۔ اس کا دل کہیں نہیں جمتا اور وہ فیصلہ نہیں کر پاتی کہ کس ریوڑ میں مستقل ٹھکانا بنائے منافق کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ کبھی وہ اسلام کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور کبھی کفر کی طرف مگر کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا۔ اور اسی خلجان میں مبتلا رہتا ہے جو کہ بہت بری حالت ہے۔

بکری کے اگلے پاؤں کا معجزہ

حَدَّثَنِیْ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ غِفَارٍ فِیْ مَجْلِسِ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِطَعَامٍ مِنْ خُبْزٍ وَ لَحْمٍ فَقَالَ نَاوِلْنِیْ الذِّرَاعَ فَنُوْوِلَ ذِرَاعًا فَاَکَلَھَا..... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے سالم بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں کھانا لایا گیا جس میں روٹی اور گوشت تھا۔ آپ نے کھانا لانے والے سے کہا کہ اس گوشت میں سے مجھے بکری کا اگلا پایا دے دو۔ اس شخص نے پایا نکال دیا جسے آپ نے تناول فرمایا۔ آپ نے پھر فرمایا مجھے بکری کا اگلا پایا نکال کر دو۔ اس شخص نے دوسرا پایا بھی نکال دیا اور آپ نے وہ بھی تناول فرما لیا۔ آپ نے سہ بارہ فرمایا کہ مجھے اور اگلا پایا دو۔ اس پر اس شخص نے عرض کیا، حضور! جانور کے اگلے پائے تو دو ہی ہوتے ہیں جو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا، مجھے قسم ہے اگر میں طلب کرتا رہتا اور تم دیتے رہتے تو ہانڈی سے پائے نکلتے رہتے اور ختم نہ ہوتے مگر تم نے اس چیز کو ختم کر دیا ہے۔ شمائل ترمذی میں بھی یہ روایت موجود ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

وقف کے لیے شرائط

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَصَابَ عُمَرُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْمَرَهُ فِيْهَا فَقَالَ اَصَبْتُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ اُصِبْ مَالًا قَطُّ اَنْفَسَ عِنْدِيْ مِنْهُ فَمَا تَأْمُرُ بِهٖ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عمرؓ کو خیبر میں کچھ زمین ملی۔ جو کہ اچھی زمین تھی۔ کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تاکہ اس زمین سے متعلق کچھ مشورہ کر سکیں۔ چنانچہ عرض کیا، حضور! مجھے خیبر میں کچھ اچھی زمین ملی ہے کہ اس سے عمدہ زمین مجھے کبھی نہیں ملی۔ آپ اس سلسلہ میں مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ وَ تَصَدَّقْتَ بِهَا کہ اگر تو چاہے تو اصل زمین کو تو اپنے پاس روک رکھے اور اس کی آمدنی یا پھل وغیرہ صدقہ کر دے تاکہ وہ مستحقین میں تقسیم ہوتا رہے۔ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے فَتَصَدَّقَ بِهَا۔ اس زمین کو غریب و غربا کے لیے وقف کر دیا اس شرط کے ساتھ اَنْ لَّا تُبَاعَ وَلَا تُوْهَبَ وَلَا تُوْرَثَ کہ نہ تو اس کو بیچا جائیگا، نہ ہبہ کیا جائیگا اور نہ ہی یہ وراثت میں تقسیم ہوگی چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ زمین وقف کردی فِي الْفُقَرَآءِ وَالْقُرْبٰى وَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالضَّيْفِ محتاجوں کے لیے حضور علیہ السلام کے قرابتداروں کے لیے مسافروں کے لیے اور مہمانوں کے لیے۔ البتہ یہ وضاحت کردی۔ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهَا اَنْ يَّاْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ کہ جو اس وقف کا متولی ہوگا وہ اس میں سے کھا سکے گا، اس پر کوئی حرج نہیں ہوگا۔ اور وہ بھی معروف طریقے سے۔ مطلب یہ ہے کہ اس آمدنی میں سے اپنا جائز حصہ لے سکیگا۔ اس ولایت کی اہم شرط

میں اپنے حق سے زیادہ نہیں لیگا نیز فرمایا وَ یُطْعِمَ صَدِیْقًا غَیْرَ مُتَأَثِّلٍ فِیْهِ وہ متولی شخص اپنے دوست کو بھی کھلا سکتا ہے اگر کوئی مہمان آگیا ہے تو اپنے ساتھ اسے کھلا سکتا ہے تاہم ایک ضروری بات یہ ہے کہ وہ وقف کی اس آمدنی کو کسی صورت میں بھی اپنا ذاتی مال نہیں بنا سکتا کہ اس سے تجارت کر کے نفع کمانا شروع کر دے۔ وہ صرف اپنی بنیادی ضروریات ہی اس سے پوری کر سکتا ہے۔ مثلاً کھانا کھالے یا کپڑے بنوالے یا کہیں آنا جانا ہو تو کرایہ وغیرہ وصول کرلے، کسی مہمان کی مہمان نوازی کر دے۔ اسی کے علاوہ مزید کچھ نہیں لے سکتا۔

*

ادنیٰ اور اعلیٰ درجے کے جنتی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَدْنَىٰ أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً لَيَنْظُرُ فِي مُلْكِ أَلْفَيْ سَنَةٍ يَرَى أَقْصَاهُ كَمَا يَرَى أَدْنَاهُ فِي أَزْوَاجِهِ وَخَدَمِهِ وَإِنَّ أَفْضَلَهُمْ مَنْزِلَةً لَيَنْظُرُ فِي وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالَى كُلَّ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں جانے والے ادنیٰ درجے کے آدمی کو جنت میں اتنا بڑا خطہ حاصل ہو گا جس پر اس کی بادشاہی ہو گی کہ وہ دو ہزار سال کی مسافت سے نظر آنے لگے گا وہ اس وسیع و عریض ملک کے دور والے حصے کو بھی اسی طرح دیکھ سکیگا جیسا کہ وہ قریب والے حصے کو دیکھ رہا ہو گا۔ اسی ادنیٰ اہل جنت کی بیویاں اور خادم بھی ہوں گے اور اسے ہر قسم کی دیگر سہولتیں بھی حاصل ہوں گی۔ فرمایا یہ تو ادنیٰ درجے کے لوگ ہوں گے اور جو افضل درجے کے اہل جنت ہوں گے ان کے لیے یہ انعام ہو گا کہ انہیں ہر روز صبح شام دیدار الٰہی نصیب ہو گا جو کہ ایک بہت بڑا انعام ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مقام تک پہنچائے۔

افتتاحِ نماز کے کلمات

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ نُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ قَالَ رَجُلٌ فِي الْقَوْمِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے تو ایک شخص نے نماز شروع کرتے وقت اپنی زبان سے اللہ کی حمد و ثنا کے یہ کلمات کہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا۔ جب نماز ختم ہوئی تو حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ یہ کلمات کس شخص نے ادا کئے تھے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ حضور! میں نے یہ کلمات ادا کئے تھے۔ آپ نے فرمایا عَجِبْتُ لَهَا فُتِحَتْ لَهَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ جب تم نے یہ کلمات کہے تو آسمان پر رحمت کے دروازے کھل گئے کیونکہ اللہ کی حمد و ثنا کے یہ بہترین کلمات تھے جن کے پیچھے کہنے والے کا خلوص بھی شامل تھا۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں فَمَا تَرَكْتُهُنَّ مُنْذُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ ذٰلِكَ۔ کہ جب سے حضور علیہ السلام نے ان کلمات کی تعریف فرمائی ہے میں ان کلمات کو نماز کے دوران اور اس کے علاوہ بھی پڑھتا رہتا ہوں۔ اس کے علاوہ بعض دیگر کلمات میں نماز کے آغاز میں پڑھے جا سکتے ہیں۔

کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا

سَمِعْتُ مُحَارِبَ بْنَ دِثَارٍ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ مِنْ مَخِيلَةٍ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰہُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے کپڑے کو تکبر کی وجہ سے ٹخنے سے نیچے لٹکایا تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف نگاہِ شفقت سے نہیں دیکھے گا بلکہ اس کی طرف غضبناک نگاہوں سے دیکھے گا۔ چادر، شلوار، پاجامہ یا پتلون وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا سخت ناپسندیدہ فعل اور مکروہ تحریمی ہے۔ ایسی حالت میں نماز بھی شدید مکروہ ہوتی ہے، لہٰذا اس فعل کی خاص احتیاط کرنی چاہیئے۔

قسم اٹھاتے وقت انشاء اللہ کہنا

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَيُّوْبُ لَا اَعْلَمُهُ اِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَاسْتَثْنٰى فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَآءَ اَنْ يَّمْضِيَ عَلٰى يَمِيْنِهٖ وَاِنْ شَآءَ اَنْ يَّرْجِعَ غَيْرَ حَنِثٍ اَوْ قَالَ غَيْرَ حَرَجٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قسم اٹھائی اور پھر استثناء کر لیا یعنی انشاء اللہ کہہ دیا تو ایسے شخص کو اختیار ہے کہ وہ اس قسم پر قائم رہے یا اس کو ترک کر دے۔ اگر وہ قسم کو چھوڑ دیگا تو اس پر کفارہ نہیں آئیگا مطلب یہ ہے کہ انشاء اللہ قسم سے متصلاً کہہ دیا گیا ہو۔ اگر قسم کسی جگہ اٹھائی اور انشاء اللہ دوسری جگہ پندرہ بیس منٹ کے بعد جا کر کہا تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہو گا اور وہ قسم قائم سمجھی جائے گی۔

کفل کی سچّی توبہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ لَقَدْ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدِیْثًا لَوْ لَمْ اَسْمَعْہُ اِلَّا مَرَّتَیْنِ حَتّٰی عَدَّ سَبْعَ مِرَارٍ وَلٰکِنْ قَدْ سَمِعْتُہٗ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ قَالَ کَانَ الْکِفْلُ مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ لَا یَتَوَرَّعُ مِنْ ذَنْبٍ عَمِلَہٗ فَاَتَتْہُ اِمْرَاَۃٌ فَاَعْطَاھَا سِتِّیْنَ دِیْنَارًا عَلٰی اَنْ یَطَاھَا ......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دو حتّٰی کہ سات مرتبہ نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ دفعہ سنی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا کفل نامی شخص ہر قسم کے گناہوں میں مبتلا تھا۔ اس کے پاس ایک عورت آئی جس کو اس نے ساٹھ دینار کی رقم اس مقصد کے لیے دی کہ وہ اس کے ساتھ فعلِ بد میں ملوث ہو۔ پھر جب وہ شخص اس فعلِ شنیع کے لیے اس عورت کے پاس بیٹھا تو وہ رونے لگی۔ کفل نے پوچھا کہ تمہارے رونے کی وجہ کیا ہے وہ عورت کہنے لگی کہ میری مجبوری نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا ہے کیونکہ رقم کی ضرورت تھی ورنہ میں نے یہ فعلِ بد پہلے کبھی نہیں کیا۔ یہ سن کر وہ شخص پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا، جا چلی جا اور یہ پیسے بھی تمہارے ہوگئے۔ پھر وہ کہنے لگا وَاللّٰہِ لَا یَعْصِی اللّٰہَ الْکِفْلُ اَبَدًا اللہ کی قسم اب کفل آئندہ کبھی گناہ نہیں کریگا۔ عورت کی بے بسی کا اس پر اس قدر اثر ہوا کہ اس نے سچے دل سے گناہوں سے توبہ کر لی۔ اور پھر اتفاق ایسا ہوا کہ وہ دن کفل کا آخری دن ثابت ہوا۔ وہ اسی رات فوت ہو گیا اور پھر صبح کے وقت لوگوں نے اس کے دروازے پر لکھا پایا قَدْ غَفَرَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْکِفْلِ۔ اللہ تعالیٰ نے کفل کو معاف کر دیا حالانکہ اس نے اپنی زندگی میں کوئی گناہ نہیں چھوڑا تھا۔ دروازے کی یہ تحریر کسی انسان کی نہیں تھی بلکہ فرشتوں نے بطور کرامت لکھی تھی۔ جب انسان سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اس کے تمام گناہ مٹ

جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالےٰ کی رحمت بے پایاں کا ذکر ہے۔ جب اتنے بڑے بڑے مجرم بھی تائب ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالےٰ معاف فرما دیتا ہے۔

قرآن میں ذالکفل علیہ السلام نامی شخص کا تذکرہ ہے وہ اللہ کا نبی تھا۔ اس شخص کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں یہ محض نام کی مماثلت ہے۔ اللہ کے اس نبی نے کسی شخص کی ضمانت دی تھی جس کی بنار پر اسے چودہ سال جیل میں رہنا پڑا اور اس کا لقب ذاکفل پڑ گیا یعنی ضمانت والا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ذاکفل سے مراد کپل والا یعنی بدھ تھا مگر اس کے متعلق کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے۔ اسی لیے علمار دیوبند کہتے ہیں کہ بدھ رام چندر یا کرشن وغیرہ کے متعلق خاموش رہنا چاہیئے کیونکہ ہمیں ان کے متعلق وثوق سے کچھ معلوم نہیں۔

تنہا سفر کرنے کی ممانعت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی الْوَحْدَۃِ مَا سَارَ اَحَدٌ وَحْدَہٗ بِلَیْلٍ اَبَدًا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگ جان لیتے کہ تنہا سفر کرنے میں کس قدر خرابی ہے تو کوئی شخص رات کے وقت کبھی بھی اکیلا سفر نہ کرتا۔ مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے وہ سفر اور خصوصًا لمبا سفر بغیر کسی ساتھی کے نہ کرے۔ فقہائے کرام اور محدثین فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تنہا سفر کرنا ناجائز ہے حسبِ ضرورت جائز تو ہے مگر بہتر نہیں ہے۔ دورانِ سفر حوادثات پیش آسکتے ہیں۔ آدمی بیمار ہوسکتا ہے، سامان چھوڑ کر رفع حاجت یا کسی دیگر ضرورت کے تحت اِدھر اُدھر جانا پڑتا ہے لہٰذا ہمراہی کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ اکیلے سفر کرنے والا شیطان ہے۔ اگر دو ہوں تو وہ بھی ایسے ہی ہیں۔ تین کی جماعت ہوتی ہے اور بہترین ساتھی چار ہیں۔ اس طرح ایک دوسرے کے سامان کی حفاظت، بیماری کی صورت میں تیمار داری، نماز باجماعت، کھانے پینے کا انتظام اور فوتیدگی کی صورت میں کفن دفن کا انتظام کیا جاسکتا ہے لہٰذا اکیلے سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

دوسروں کے کام آنے کا صلہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ اَنْ تُسْتَجَابَ دَعْوَتُہٗ وَ اَنْ تُکْشَفَ کُرْبَتُہٗ فَلْیُفَرِّجْ عَنْ مُعْسِرٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۳)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہو اور اس کی مصیبت کو دور کیا جائے تو اس کو چاہیئے کہ تنگدست آدمی سے اس کی پریشانی کو دور کرے۔ اگر کسی کو قرضہ دیا ہے تو اس کو معاف کردے یا کم از کم مزید مہلت دیدے۔ فرمایا اللہ تعالےٰ ایسے شخص پر آنے والی پریشانی کو خود بخود دور کر دیگا اس سے سمجھانا یہ مقصود ہے کہ کسی شخص کی دعا کی قبولیت کا زیادہ امکان اسی صورت میں ہے جب کہ وہ بھی اپنے بھائی بندوں کی پریشانیوں کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ دوسری حدیث میں آتا ہے مَنْ کَانَ فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِیْ حَاجَتِہٖ جو شخص کسی دوسرے بھائی کی ضرورت میں کام آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت میں اسکے کام آتا ہے۔ جو شخص کسی دوسرے کی حاجت کے لیئے فکرمند ہوتا ہے اللہ تعالےٰ اس کی حاجت کو پورا کر دیتا ہے۔ یہ ہمارے دین کا اہم اصول ہے۔ اہل ایمان کی پریشانیوں کو دور کرنا خواہ وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں آباد ہوں، ایک اجتماعی ضرورت ہے مسلمان کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ اپنی ضروریات کی تکمیل میں ہی لگا رہے اور دوسرے مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ نہ کرے۔ خود غرضی کسی صورت میں بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ مسلمان ہمیشہ اجتماعیت پسند ہوتا ہے۔ اسے دوسروں کی پریشانیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر دو مسلمان آدمیوں یا گروہوں، قبائل یا ممالک کے درمیان جنگ کی صورت پیدا ہو جائے تو ان کے درمیان

صلح کرادینی چاہیئے۔ جہاں علم نہیں ہے وہاں علم کی روشنی پہنچاؤ۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کرو۔ اگر کسی مسلمان کو جسمانی تکلیف ہے تو اس کو رفع کرو۔ بہرحال اس حدیث میں فرمایا کہ جو شخص کسی دوسرے کی تنگدستی کو دور کریگا، اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو شرف قبولیت بخشے گا، اور اس کی پریشانی کو دور کریگا۔

صومِ وصال کی ممانعت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَہٰی عَنِ الْوِصَالِ فِی الصِّیَامِ فَقِیْلَ لَہٗ اِنَّکَ تَفْعَلُہٗ فَقَالَ اِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ اِنِّیْ اَظَلُّ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صومِ وصال یعنی دو چار، چھ یا ایک ماہ کا مسلسل روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ ایسا روزہ جس میں کئی کئی روز تک نہ سحر کی جائے نہ افطار عام مسلمانوں کے لیے ممنوع ہے بلکہ امام ابو حنیفہؒ نے اس پر مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ البتہ صاحب استطاعت خاص لوگوں کے لیے ایسا روزہ رکھنے کی گنجائش موجود ہے اگر عام لوگ ایسا کریں گے تو کمزور اور بیمار ہو جائیں گے اور پھر دیگر امور دینا انجام دینے کے قابل نہیں رہیں گے۔ عام لوگوں کو چاہیے کہ وہ سحری اور افطاری کے ذریعے معروف روزہ پورا کریں اللہ تعالیٰ اسی کو ان کے لیے اجر و نجات کا سبب بنا دیگا۔

مسند ابو حنیفہؒ میں یہ روایت بھی بیان ہوئی ہے کہ ہماری شریعت میں حضور علیہ السلام نے صومِ وصال اور صومِ صُمت (چُپ کا روزہ) سے منع فرمایا ہے۔ چپ کا روزہ بعض سابقہ شریعتوں میں روا تھا مگر ہماری شریعت میں اس کو منع کر دیا گیا ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ بات چیت بیشک کرو مگر کوئی بری، لغو اور بیہودہ بات نہ کرو، گالی گلوچ اور غیبت نہ کرو۔

جب حضور علیہ السلام نے صومِ وصال سے منع فرمایا تو صحابہؓ نے عرض کیا حضور! پھر آپ ایسا روزہ کیوں رکھتے ہیں آپ نے فرمایا لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ میری پوزیشن تمہارے جیسی نہیں ہے کیونکہ میں تو دن گزارتا ہوں اور خدا تعالیٰ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے جس سے روحانی طور پر مجھے طاقت حاصل ہوتی ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے مہینہ کے آخری ہفتہ میں صومِ وصال کر لیا۔ آپکے اتباع میں صحابہؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضور علیہ السلام نے

فرمایا کہ اگر مہینہ مزید لمبا ہوتا تو میں اس کے آخر تک وصال کرتا جو لوگ باریکی یا تعمق میں چلتے ہیں وہ چوکڑی بھول جاتے ہیں مہینہ کا آخری ہفتہ تھا آگے چاند نظر آگیا تو بات ختم ہو گئی تاہم آپ نے تعمق سے منع فرمایا اور نصیحت کی کہ برداشت کے مطابق کام کرو۔

خواجہ علی ہجویری ؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں بہت سے بزرگوں کے واقعات لکھے ہیں جنہوں نے اول تا آخر پورے ماہ رمضان کا صوم وصال رکھا۔ انہوں نے نہ صرف روزہ رکھا بلکہ رات کو قیام بھی کیا۔ ان میں سے بعض گرمی کے موسم میں دن کے وقت گندم بھی کاٹتے تھے اس کے باوجود مسلسل روزہ رکھتے تھے یہ خاص لوگوں کی بات ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ بھی ایسا ہی کرتے تھے آپ صائم الدہر تھے یعنی ہمیشہ روزے سے ہوتے تھے اور آپ کا آخری روزہ چالیس روز کا تھا اس کے باوجود آپ نے اپنے معمولات میں کسی قسم کا فرق نہیں آنے دیا۔ آپ بالا خانے سے اتر کر نماز با جماعت ادا کرتے تھے۔ بایں ہمہ عام لوگوں کیلئے صوم وصال کرنا مکروہ ہے۔

طلوعِ فجر کے بعد صرف دو سنتیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ اِلَّا رَکْعَتَیْنِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۳)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلوع فجر کے بعد سوائے دو سنت کے اور کوئی نماز نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب فجر طلوع ہو جائے تو پھر صرف دو سنت اور اس کے بعد دو فرض نماز ہے، اس کے علاوہ کوئی نفل وغیرہ ادا نہیں کئے جاسکتے۔ جب سورج طلوع ہو جاتے تو پھر نوافل ادا کئے جاسکتے ہیں جو کہ زوال تک پڑھنے روا ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس دوران میں سبب والے نوافل یعنی تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو بھی نہیں پڑھے جاسکتے۔ بلکہ صرف دو سنت ہی ادا کی جاسکتیں ہیں۔ البتہ قضا نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اگر رات کو وتر رہ گئے ہیں تو وہ بھی اس نماز میں قضا کئے جاسکتے ہیں۔ کوئی فرض نماز رہ گئی ہو تو بھی قضا کر کے پڑھی جاسکتی ہے۔

نمازِ چاشت کی ادائیگی

عَنْ مُوَرِّقِ الْعِجْلِیِّ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ اَتُصَلِّی الضُّحٰی قَالَ لَا قُلْتُ صَلَّاهَا عُمَرُ قَالَ لَا قُلْتُ صَلَّاهَا اَبُوْ بَکْرٍ۔ قَالَ لَا قُلْتُ اَصَلَّاهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اِخَالُہٗ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۳)

مورق عجلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا نہیں پھر میں نے پوچھا کیا حضرت عمرؓ یہ نماز پڑھتے تھے فرمایا نہیں۔ پھر میں نے پوچھا کیا حضرت ابوبکرؓ چاشت کی نماز ادا کرتے تھے۔ جواب پھر وہی تھا کہ نہیں پڑھتے تھے آخر میں میں نے پوچھا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز پڑھتے تھے تو فرمایا کہ میرا خیال نہیں کہ آپ نے یہ نماز پڑھی ہو۔

بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے چاشت کی نماز نہیں پڑھی مگر بعض اوقات احادیث کو سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے چاشت کی نماز چار چھ اور آٹھ رکعت تک پڑھی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ کبھی آپ زیادہ بھی پڑھتے تھے، تاہم فتح مکہ کے دن حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت نماز چاشت ادا فرمائی تھی۔

چاشت کی نماز سورج اچھی طرح سے چڑھ آنے پر پڑھی جاتی ہے اور موجودہ زمانے کے حساب سے یہ نو، دس بجے کا وقت بنتا ہے۔ یہی نماز صلوٰۃ اوابین بھی کہلاتی ہے۔ بعض لوگ مغرب کے بعد کے نوافل کو اوابین کہتے ہیں یہ لغوی طور پر تو درست ہے مگر اصطلاحاً درست نہیں کیونکہ ترمذی شریف کی روایت میں صاف آتا ہے کہ چاشت کی نماز ہی صلوٰۃ اوابین ہے اور یہ اس وقت پڑھی جاتی ہے جب سورج خوب نکل آتا ہے اور اونٹوں کے بچوں کے پاؤں ریت میں گرم ہونے لگتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں بھی آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے چاشت کی نماز نہیں پڑھی، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہ نماز مسجد میں نہیں پڑھی کیونکہ ترمذی شریف کی روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا، کیا آپ چاشت کی نماز مسجد میں پڑھتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں اِلاَّ اَنْ یَّجِیْءَ مِنَ الْمَغِیْبِ۔ ہاں اگر سفر سے واپس آتے تو اس دن آپ یہ نماز مسجد میں ادا فرماتے حضور علیہ السلام عام طور پر سفر سے واپسی پر اپنے شہر میں دن کے وقت داخل ہوتے اور سب سے پہلے مسجد میں آکر چاشت کی نماز ادا فرماتے، پھر باہر سے آنے والے وفود سے ملتے اور بعض حاجت مندوں کی ضروریات پوری کرتے اور پھر گھر میں داخل ہوتے تاہم عام حالات میں آپ نماز چاشت گھر میں یا جہاں کہیں موقع ملتا پڑھ لیتے آپ یہ نماز عموماً مسجد میں نہیں پڑھتے تھے تاکہ لوگ اس کو دستور نہ بنالیں مسجد میں تراویح، صلوٰۃ کسوف، صلوٰۃ خسوف اور نماز استسقاء کے نوافل باجماعت پڑھنا بھی درست ہے، تاہم باقی نوافل بشمول صلوٰۃ التسبیح کی جماعت ٹھیک نہیں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ انسان کے جسم کے تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور جب انسان ہر روز سو کر بخیر و عافیت اٹھتا ہے تو اس پر ہر جوڑ کا صدقہ دینا لازم آتا ہے چونکہ ہر انسان اتنی مالی استطاعت نہیں رکھتا کہ ہر جوڑ کا صدقہ ادا کرے، اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آدمی چاشت کی نماز دو رکعت پڑھ لے تو یہ ہر جوڑ کا صدقہ ادا ہو جائیگا۔ بہر حال چاشت کی دو سے لیکر آٹھ رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں آپ نے بارہ رکعت بھی ادا فرمائی ہیں۔

سینہ میں قرآن کی حفاظت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقُرْاٰنِ مَثَلُ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَۃِ اِنْ تَعَاھَدَھَا صَاحِبُھَا اَمْسَکَھَا وَ اِنْ تَرَکَھَا ذَھَبَتْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زبانی یاد کردہ قرآن کی مثال اس اونٹ کے مالک کی ہے کہ اگر وہ اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھ کر رکھے گا تو وہ رکا رہیگا اور اگر اسے کھول دیگا تو وہ چلا جائیگا. بعض اوقات اونٹ بھاگ جاتے ہیں تو پھر قابو نہیں آتے فرمایا اسی طرح جس شخص کو قرآن مکمل طور پر یا اس کا کچھ حصہ زبانی یاد ہے اگر وہ اس کی تلاوت کرتا رہیگا تو قرآن اس کے سینے میں محفوظ رہیگا اور اگر اس کی تلاوت چھوڑ دیگا تو اس کا سینہ قرآن سے خالی ہو جائیگا. اس حدیث میں قرآن پاک کو ہمیشہ دہراتے رہنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ وہ بھولنے نہ پائے۔

سفر سے واپسی کی دعاء

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوَةٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ فَعَلَا فَدْفَدًا مِنَ الْأَرْضِ أَوْ شَرَفًا قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ سَاجِدُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جہاد، حج یا عمرہ کے سفر سے واپس آتے اور راستے میں کسی اونچی جگہ یا پہاڑی وغیرہ پر چڑھتے تو یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ .... وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم واپس آنے والے ہیں۔ کوتاہیوں سے توبہ کرنے والے ہیں۔ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے والے ہیں، اپنے پروردگار کے عبادت گزار اور اس کی حمد بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اس اکیلے نے ہی دشمن کے لشکروں کو شکست دے دی۔

ہر حاکم سے محکوم کے متعلق باز پرس ہوگی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَسْتَرْعِی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَبْدًا رَعِیَّۃً قَلَّتْ اَوْ کَثُرَتْ اِلَّا سَاَلَہُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَنْھَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَقَامَ فِیْھِمْ اَمْرَ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَمْ اَضَاعَہٗ حَتّٰی یَسْاَلَہٗ عَنْ بَیْتِہٖ خَاصَّۃً

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالےٰ راعی بنا دے یعنی حاکم بنا دے۔ اللہ تعالےٰ اس سے قیامت والے دن اسکی رعیت کے متعلق خواہ وہ رعیت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو باز پُرس کرے گا کہ کیا تم نے اپنی رعیت میں اللہ کے حکم کو پورا کیا یا نہیں۔ قانون کی خود پابندی کرنا اور دوسروں سے کرانا حاکم کی ذمہ داری ہے حاکم کو چاہیئے کہ وہ اپنی رعایا کی عقل کی حفاظت کرے تاکہ وہ گمراہ نہ ہو، اسکے دین کی حفاظت اور نسل کی حفاظت کرے۔ حاکمیت کا مطلب محض عیش و آرام کرنا اور دنیا بھر کی سہولتیں حاصل کرنا نہیں بلکہ اصل چیز فرائض کی ادائیگی ہے۔ فرمایا اللہ تعالےٰ ایسے شخص سے سوال کریگا یہاں تک کہ اس کے گھر والوں کے متعلق بھی سوال ہو گا کہ تو نے ان کے حقوق پورے کئے یا نہیں۔ خاوند، بیوی، بھائی بہن، نوکر غرضیکہ ہر شخص اپنے اپنے دائرہ کار میں جوابدہ ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں سوال ہو گا تاہم سب سے بڑا راعی حاکم وقت ہے جس سے باز پرس ہوگی۔

بلا ضرورت بھیک مانگنا حرام ہے

عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ الْمَسْاَلَةُ بِاَحَدِكُمْ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى وَلَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے کسی ایک شخص کے ساتھ سوال کرنے کا معاملہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالےٰ سے جا ملے۔ مطلب یہ ہے کہ مانگنے کا سلسلہ انسان کی موت تک اس کے ساتھ چلتا رہتا ہے اور جس شخص کو بلا وجہ سوال کرتے عمر گزر جاتی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوگا تو اس کی حالت یہ ہوگی کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے بلا وجہ اور بلا ضرورت مانگنے والے کی یہ حالت بیان کی ہے۔ ہماری شریعت میں سوال کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر کوئی مجبوری ہو جائے، تاوان پڑ گیا ہے، کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے مال ضائع ہو گیا ہے اور فاقے آ رہے ہیں تو ایسی حالت میں سوال کرنے کی اجازت ہے مگر وہ بھی اس وقت تک جب تک اسکی حالت درست نہ ہو جائے۔ جو شخص پیشہ کے طور پر زندگی بھر مانگتا رہا اس کی سزا یہ ہوگی کہ قیامت والے دن چہرے کا گوشت نوچا ہوا ہوگا گویا اس کا چہرہ اس قدر بے آبرو ہوگا۔

تحویل قبلہ اور مسجد قبا

حَدَّثَنِیْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ دِیْنَارٍ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ بَیْنَمَا النَّاسُ یُصَلُّوْنَ فِیْ مَسْجِدِ قُبَاءَ الْغَدَاۃَ اِذْ جَاءَ جَاءٍ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اللَّیْلَۃَ قُرْاٰنٌ وَ اُمِرَ اَنْ یَسْتَقْبِلَ الْکَعْبَۃَ فَاسْتَقْبِلُوْھَا وَاسْتَدَارُوْا فَتَوَجَّھُوْا نَحْوَ الْکَعْبَۃِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ اس دوران میں ایک آدمی نے آکر کہا کہ رات کے وقت حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا ہے جس میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ نماز میں رخ کعبۃ اللہ کی طرف کریں اس وقت لوگ بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز ادا کر رہے تھے۔ چنانچہ اس شخص نے جب نمازیوں کو یہ خبر سنائی تو انہوں نے دوران نماز ہی اپنا رخ بیت المقدس سے بیت اللہ شریف کی طرف پھیر لیا۔ دراصل لوگ پہلے ہی یہ تبدیلی چاہتے تھے اور خود حضور علیہ السلام بھی اس حکم کے منتظر تھے کہ کب اللہ کا حکم آتا ہے اور ہم اپنا رخ بیت اللہ شریف کی طرف کرتے ہیں اس کا ذکر سورۃ البقرہ میں موجود ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِکَ فِی السَّمَآءِ۔ ہم نے آپ کا آسمان کی طرف اٹھتا ہوا چہرہ دیکھ لیا ہے کہ آپ بیت اللہ شریف کے قبلہ مقرر ہونے کے منتظر ہیں۔ فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ پس اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔ اس وقت حضور علیہ السلام محلہ بنی سلمۃ کی مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے۔ یہ آیت نازل ہوتے ہی آپ نے اور پوری جماعت نے اپنا رخ بیت المقدس سے بیت اللہ شریف کی طرف پھیر لیا اور بقیہ نماز اسی طرف رخ کرکے ادا کی۔ مسجد قبا میں بھی ایسا واقعہ پیش آیا۔ جب ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ کل حضور علیہ السلام پر یہ آیت نازل ہوئی

ہے کہ آپ اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف پھیر لیں تو مسجد قبا کے نمازیوں نے بھی دورانِ نماز ہی اپنا رخ پھیر لیا۔ اس طرح دو قبلوں کی طرف منہ کر کے پڑھی جانے والی نماز درست ہو گئی کیونکہ دونوں طرف رخ اللہ ہی کے حکم سے کیا گیا تھا۔ تاہم اس کے بعد بیت المقدس والا قبلہ منسوخ ہو گیا۔

یہ مسجد قبا وہی مسجد ہے جو حضور علیہ السلام نے ہجرت کر کے آتے ہوتے مدینہ سے دو اڑھائی میل پہلے بنو سالم میں اپنے چودہ روزہ قیام کے دوران تعمیر کرائی تھی۔ اللہ نے اس کی فضیلت سورۃ توبہ میں بیان کی ہے۔ حضور کا فرمان ہے کہ اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے والے کو ایک عمرے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ حضور خود ہفتہ کے روز اس مسجد میں آ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

غدّاری کی سزا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْغَادِرُ یُرْفَعُ لَہٗ لِوَآءٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُقَالُ ھٰذِہٖ غَدْرَۃُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت والے دن غداری کرنے والے کا جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائیگا کہ یہ فلاں بن فلاں غدار کا جھنڈا ہے۔ اس شخص نے فلاں عہد کیا مگر پھر اس سے غداری کرتے ہوئے اس کو پورا نہ کیا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ یہ جھنڈا اس کی پشت میں گاڑا جائیگا اور پھر اسے بلند کیا جائیگا تاکہ ہر شخص دیکھ لے کہ یہ فلاں غدار آدمی کا جھنڈا ہے۔ جس قدر کسی شخص نے بدعہدی کی ہوگی اس کا جھنڈا بھی اتنا ہی بلند ہوگا۔ غداری کرنا بہت بُری بات ہے۔ لوگ انفرادی طور پر بھی غداری اور بدعہدی کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں پھر بعض قوموں کے درمیان بھی بدعہدی ہوتی ہے جس کی وجہ سے جنگ و جدل تک نوبت پہنچتی ہے اور بیشمار جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے۔ یہ تو اس دنیا کا نقصان ہے۔ مگر آخرت میں غدار کی جو تذلیل ہوگی وہ بہت زیادہ ہوگی۔

دس ذی الحج سے پہلے طواف کرنا

عَنْ وَبْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عُمَرَ اَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَ قَدْ اَحْرَمْتُ بِالْحَجِّ قَالَ وَمَا بَأْسُ ذَالِكَ قَالَ اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ نَهٰى عَنْ ذَالِكَ قَالَ قَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْرَمَ بِالْحَجِّ وَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ.

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۶، ۷)

کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ اگر کسی آدمی نے حج کا احرام باندھا ہو تو کیا وہ دسویں ذی الحج سے پہلے بیت اللہ کا طواف کر سکتا ہے؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ حج کا طواف زیارت تو دس تاریخ کو ہوتا ہے تو کیا اس سے پہلے طواف کیا جا سکتا ہے؟ ابن عمرؓ نے جواب میں فرمایا کہ اسمیں کیا حرج ہے؟ یعنی مذکورہ تاریخ سے قبل طواف کیا جا سکتا ہے سائل نے پھر کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تو یہ طواف کرنے سے منع کرتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا کہ میں نے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ نے حج کا احرام باندھا ہوا تھا اور آپ نے دسویں تاریخ سے پہلے نہ صرف بیت اللہ شریف کا طواف کیا بلکہ صفا اور مروہ کی سعی بھی کی۔

دراصل حج کے احرام کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی شخص نے قِران کی نیت سے احرام باندھا ہے یعنی وہ عمرہ اور حج ایک ہی احرام کے ساتھ ادا کرنا چاہتا ہے تو ظاہر ہے کہ جب وہ مکہ معظمہ پہنچے گا تو پہلے عمرہ ادا کریگا اور عمرہ کا طواف کریگا جو لازمًا دسویں تاریخ سے پہلے ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے حج افراد کے لیے احرام باندھا ہو یعنی وہ صرف حج کرنا چاہتا ہے۔ تو ایسا آدمی بھی جب دسویں تاریخ سے پہلے مکہ معظمہ پہنچے گا تو وہ طواف قدوم کر سکتا ہے اور یہ طواف ایسا ہی ہے جیسے کوئی مسجد میں آکر دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کے طور

پر ادا کرتا ہے پھر اس طواف کے بعد حج افراد کا محرم صفا اور مروہ کے درمیان سعی بھی کر سکتا ہے اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا کہ حج کے محرم کو دسویں تاریخ سے پہلے طواف کرنے میں کیا حرج ہے اور اس سلسلہ میں آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی پیش کیا۔ دسویں تاریخ کا طواف طواف زیارت کہلاتا ہے جو کہ حج کا رکن اور لازمی ہے۔

سونے سے پہلے آگ کو بجھا دینا

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَتْرُکُوا النَّارَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ حِیْنَ تَنَامُوْنَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! سوتے وقت گھروں میں جلتی ہوئی آگ کو نہ چھوڑو یعنی جب سونے لگو تو آگ کو بجھا دیا کرو۔ وجہ ظاہر ہے کہ جب آدمی سو جاتا ہے تو اس کی غفلت میں جلتی ہوئی آگ کوئی نقصان بھی کر سکتی ہے بعض اوقات ایسے ہی حالات میں آگ کی کوئی چنگاری کپڑوں پر پڑتی ہے تو پورے گھر میں آگ بھڑک اٹھتی ہے لہذا سونے سے پہلے آگ کو بجھا دینا چاہیئے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آگ تمہارے دشمنوں میں سے ہے وہ جلاتے وقت کسی کی رعایت نہیں کرتی۔ اللہ نے حکمت کے ساتھ اسے تمہارے تابع کیا ہے تم اس سے کھانا پکاتے ہو اور دیگر ضروریات پوری کرتے ہو۔ لیکن جب اسے آزادی دیکر خود غافل ہو جاؤ گے تو یہ نقصان پہنچائیگی۔ لہذا اس سے محتاط رہنا چاہیئے اور اسے جلتے ہوئے نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

تجارتی اناج کی خرید وفروخت

عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُضْرَبُوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَرَوْا طَعَامًا جُزَافًا اَنْ يَّبِيْعُوْهُ فِيْ مَكَانِهٖ حَتّٰى يُؤْوُوْهُ اِلٰى رِحَالِهِمْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں ان لوگوں کو تنبیہہ کی جاتی تھی بلکہ مارا بھی جاتا تھا جو اناج خرید کر وہیں اسکو منگ کے ساتھ بغیر تولے آگے بیچ دیتے تھے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اگر منڈی سے اناج خریدا ہے اور اسے آگے بیچنا مقصود ہے تو پہلے خریدشدہ اناج پر قبضہ کرو۔ اسے دوسرے اناج سے الگ کرلو، اپنے ٹھکانے پر لے جاؤ اور آگے ماپ تول کر بیچو۔ ایک دفعہ اناج خرید کر اور بغیر اسکو الگ کئے اور تولے وہیں اسکو آگے چلا دینا درست نہیں ہے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ بائع کا پیمانہ چلنے کے بعد مشتری کا پیمانہ بھی چلنا چاہیئے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اناج باقاعدہ تول کر یا ماپ کر بھی خریدا ہے تو پھر جب اسے آگے بیچنا چاہو تو دوبارہ تول یا ماپ کر بیچو۔ اناج کے متعلق تو یہ پابندی سب فقہاء کے نزدیک ضروری ہے البتہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پابندی کا اطلاق تمام اشیائے تجارت پر ہوتا ہے۔

مسجد میں سونے کی اباحت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا فِي زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَنَامُ فِي الْمَسْجِدِ نَقِيْلُ فِيْهِ وَنَحْنُ شَبَابٌ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں ہم مسجد میں سو جایا کرتے تھے، دوپہر کا قیلولہ بھی وہیں کرتے اور ہم نوجوان تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں سونا جائز ہے جس کی تفصیلات دوسری روایات میں بھی ہیں۔ شباب کے لفظ سے بھی ایک خاص بات کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ مجرد تھا اور مسجد میں لیٹ جایا کرتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر مسجد سے باہر سوؤں گا تو غفلت میں نماز ہی نہ رہ جائے۔ پھر جب آپ کی شادی ہو گئی تو آپ گھر میں ہی آرام کرتے تھے۔

مسجد میں سونے میں یہ امر بھی مانع ہے کہ کہیں بدخوابی ہی نہ ہو جائے تاہم اگر کوئی معقول عذر ہو تو مسجد میں سو سکتے ہیں مثلاً کوئی مسافر ہے جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے یا طالب علم ہے جس کا علیحدہ گھر نہیں ہے بلکہ مسجد ہی میں رہتا ہے تو وہ مسجد میں سو سکتا ہے۔ تاہم اس کو علم عادت کے طور پر اختیار کرنا درست نہیں ہے۔

محدثین کرام فرماتے ہیں کہ مسجد میں کھانا کھانا درست نہیں ہے اس کی اجازت اس صورت میں ہے کہ مسجد آلودہ نہ ہو۔ اس لیے اگر مسجد میں کسی وجہ سے کھانا ضروری ہو تو پہلے دستر خوان وغیرہ بچھا لیا جائے تاکہ کھانے کے ریزے مسجد میں نہ گرنے پائیں۔

محدثین اور فقہائے کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسجد میں کھانا کھانے کو معمول بنا لینا بھی درست

نہیں ہے. ہاں اتفاقاً اگر مقامی آدمی بھی بیٹھ کر کھالے تو روا ہے اسکو عادت بنانا درست نہیں
مسجد میں کھانے کے ریزے یا پانی گرانے سے مسجد کی آلودگی ہوتی ہے جو اس کی بے ادبی
کے مترادف ہے۔

بیک وقت چار عورتوں سے نکاح اور وراثت میں حصہ

عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ غَیْلَانَ بْنَ سَلَمَۃَ الثَّقَفِیَّ اَسْلَمَ وَ تَحْتَہٗ عَشْرُ نِسْوَۃٍ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِخْتَرْ مِنْھُنَّ اَرْبَعًا۔۔۔الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ اپنے قبیلے کا سردار غیلان ابن سلمہ ثقفی جب مسلمان ہوا تو اسکے نکاح میں دس عورتیں تھیں حضور علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اسلام میں بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے لہذا تم ان دس میں سے حسب منشا چار کو منتخب کر لو اور باقیوں کو فارغ کر دو۔ پھر ان چار میں سے کسی وقت کوئی فوت ہو جائے یا علیحدہ ہو جائے تو اسکی جگہ پر تم اور نکاح کر سکتے ہو۔

اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ اگر کسی کی بیویاں چار سے زیادہ ہوں تو ان میں سے کون سی چار روک لے اور باقیوں کو چھوڑ دے۔ بعض فرماتے ہیں کہ جن چار سے پہلے نکاح کیا ہے انکو روک لے اور بعد میں نکاح میں آنے والی عورتوں کو فارغ کر دے بعض فرماتے ہیں کہ آدمی کو اختیار ہے کہ وہ اپنی پسند کی کوئی بھی چار روک سکتا ہے اسی طرح کا ایک واقعہ فیروز نامی صحابیؓ کا بھی ملتا ہے۔ جب وہ مسلمان ہوتے تو ان کے نکاح میں دو سگی بہنیں تھیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک کو چھوڑ دو کیونکہ دو بہنوں کا بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں آنا حرام ہے۔ چنانچہ انہیں بھی حکم الٰہی کی تعمیل کرنا پڑی۔

پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایسا واقعہ پیش آیا کہ غیلان ابن سلمہ ثقفی نے اپنی تمام بیویوں کو طلاق دیدی اور اپنا مال اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے اس صحابی کو بلا کر کہا۔ اِنِّیْ لَاَظُنُّ الشَّیْطَانَ فِیْمَا یَسْتَرِقُ مِنَ السَّمْعِ سَمِعَ بِمَوْتِکَ۔ میرا گمان ہے کہ شیطان نے کہیں تیری موت کی خبر سن لی ہے یعنی تو جلدی مرنے

والا ہے اور اُس نے تیرے جی میں یہ بات ڈال دی ہے کہ عورتوں کو طلاق دیکر اپنا مال بیٹوں میں تقسیم کر دے تاکہ تیرے بعد تیرے مال تیری عورتوں کو نہ ملنے پائے۔ پھر فرمایا۔ اَیْمُ اللّٰہِ لَتُرَاجِعَنَّ نِسَاءَکَ۔ اللہ کی قسم تم طلاق یافتہ عورتوں کی طرف رجوع کرو کیونکہ تم نے غلط کام کیا ہے۔ جب آدمی بیمار ہو جائے یا زندگی سے مایوس ہو جائے تو ایسی حالت میں عورتوں کو طلاق دینا تاکہ وہ وراثت سے محروم ہو جائیں۔ فقہاء کے نزدیک فار کہلاتی ہے یعنی بھاگنے والی طلاق مگر وہ طلاق تسلیم نہیں ہوتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اپنی عورتوں کی طرف فوراً رجوع کرو اور بیٹوں میں تقسیم شدہ مال واپس لو۔ اگر تم ایسے نہیں کروگے تو میں خود تمہاری عورتوں کو انکا حصہ دلاؤنگا اور ساتھ یہ بھی حکم فرمایا کہ جسطرح لوگ ابو رغال کی قبر پر پتھر مارا کرتے تھے اور لعنت بھیجا کرتے تھے اسی طرح تمہاری قبر پر بھی لوگ پتھر مارا کریں گے ابو رغال قوم ثمود کا فرد تھا جب اس قوم پر عذاب آیا تو یہ شخص اس وقت حرم میں تھا اس لیے سزا سے بچ گیا۔ پھر جب وہ حرم سے باہر نکلا تو اللہ نے اس پر بھی قوم والی سزا مسلط کر دی۔ اسکی قبر راستے میں پڑتی تھی اور لوگ اس پر پتھر مارتے تھے

بہرحال عورتوں کو وراثت سے محروم رکھنے کے لیے طلاق دینا سخت معیوب ہے انکو وراثت میں آٹھواں (اگر اولاد ہے) حصہ یا چوتھا (اگر اولاد نہیں) حصہ ملنا چاہیئے اور لڑکے اور لڑکیوں کو اپنا اپنا مقررہ حصہ حاصل کرنا چاہیئے۔

فرض نماز میں ایک سے زیادہ سورتوں کی قرأت

عَنْ نَافِعٍ قَالَ رُبَّمَا اَمَّنَا ابْنُ عُمَرَ بِالسُّوْرَتَيْنِ وَالثَّلَاثِ فِي الْفَرِيْضَةِ.

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد حضرت نافعؒ جو تابعین میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہمیں نماز پڑھاتے تھے تو ایک رکعت میں دو یا تین سورتیں بھی پڑھ لیتے تھے۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد امام کوئی ایک لمبی سورۃ یا چھوٹی متعدد سورتیں بھی پڑھ سکتا ہے۔ اس میں کراہت والی کوئی بات نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

طلوع اور غروبِ شمس کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَتَحَرَّوْا بِصَلَاتِکُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ۔ ... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ سورج کے عین طلوع اور غروب کے وقت کوئی نماز یا سجدہ روا نہیں ہے یہی حال عین استوا کا ہے جبکہ سورج دوپہر کے وقت بالکل سر پر آ جائے یعنی زوال سے پہلے کی حالت پر ہو۔ نماز طلوع، غروب اور زوال کے بعد پڑھو۔ مذکورہ اوقات مکروہ اوقات ہیں اور ان میں کوئی فرض یا نفل نماز، جنازہ یا سجدہ تلاوت نہیں ہو سکتا۔ البتہ فجر کی نماز کے بعد اور طلوعِ شمس سے پہلے نمازِ جنازہ پڑھنا روا ہے۔ اسی طرح اس وقت میں سجدۂ تلاوت بھی کیا جا سکتا ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا۔ فَاِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَلَا تُصَلُّوْا۔ جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک وہ پورے طریقے سے ظاہر نہ ہو جائے سورج نکلنے کے بعد جب تک اس پر زردی غالب رہے وہ وقت بھی نماز کے لیے درست نہیں ہے جب سورج ایک نیزے کے برابر اوپر آ جائے تو پھر نماز پڑھو۔ اسی طرح جب سورج کا کنارہ غائب ہو جائے تو نماز نہ پڑھو۔ جب تک وہ مکمل طور پر غروب نہ ہو جائے۔ غروب کے فوراً بعد نماز پڑھ سکتے ہیں، یہاں پر ایک نیزے والی شرط نہیں۔ زوال کے متعلق بھی یہی حکم ہے کہ جب سورج ڈھل جائے تو نماز پڑھ لو۔ تاہم طلوع کے وقت سورج کے اچھی

طرح اوپر آجانے کی شرط ہے۔ بعض کافر اور مشرک لوگ عین طلوع و غروب کے وقت عبادت کرتے ہیں لہٰذا ان سے عدم تشبیہ بھی مقصود ہے۔

نمازی کے آگے سترہ کی ضرورت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكُزُ الْحَرْبَةَ يُصَلِّيْ اِلَيْهَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جب کبھی کھلی جگہ پر نماز ادا فرماتے تو اپنا چھوٹا نیزہ سامنے گاڑھ لیتے یعنی اسکو سترہ بنا کر نماز پڑھتے۔ کھلی جگہ پر جہاں آگے سے انسانوں یا جانوروں کے گزرنے کا احتمال ہو وہاں سترہ رکھنا سنت ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنی سواری کو بھی آڑے بٹھا کر بطور سترہ استعمال کی ہے۔ اگر کھلی جگہ پر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنی ہو تو پھر امام کا سترہ نمازیوں کے لیے کفایت کریگا، ہر نمازی کے لیے کفایت کریگا۔ ہر نمازی کے لیے علیحدہ سترہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ سترہ کے طور پر ایک ہاتھ کے برابر لمبی اور ایک انگلی کے برابر موٹی لکڑی وغیرہ استعمال کی جا سکتی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ اگر آگے سترہ رکھ لیا جائے تو نماز میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ سترہ کی عدم موجودگی میں نماز میں نقص آئیگا۔ اگرچہ نماز تو ہو جائیگی۔ بہرحال حسب ضرورت سترہ رکھ لینا چاہیئے۔

دوران سفر عورت کیلئے محرم کی ضرورت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی عورت تین دن کا سفر اختیار نہ کرے جب تک کہ اسکے ساتھ اسکا کوئی محرم نہ ہو دوسری روایت میں خاوند کا ذکر بھی آتا ہے کہ خاوند کے بغیر تین دن کا سفر نہ کرے۔ شریعت میں محرم سے وہ شخص مراد ہوتا ہے جس کا نکاح اس عورت کے ساتھ ہمیشہ کیلیے حرام ہو ان میں باپ، تایا، چچا، بیٹا، ماموں، بھتیجا، بھانجا، سسر، داماد وغیرہ آتے ہیں ان سے پردہ بھی نہیں ہوتا، لہذا کوئی عورت ان میں سے کسی کے ساتھ سفر کرسکتی ہے۔ محرم کا ہمراہ ہونا اسلیے ضروری ہے کہ دوران سفر کسی قسم کے حالات پیدا ہوسکتے ہیں جن میں بیماری بھی شامل ہے اور بعض اوقات عورت کو ہاتھ بھی لگانا پڑتا ہے لہذا ایسا شخص ساتھ ہونا چاہیئے جو ہر قسم کے حالات کا سامنا کرسکے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عورت پر حج بھی جبھی فرض ہوگا جبکہ اس کا خاوند یا دیگر محرم ساتھ ہو۔ اگر محرم نہ ہونے کی وجہ سے عورت کا حج رہ جائے تو اس سے باز پرس نہیں ہوگی۔

گھوڑے کی پیشانی میں خیر و خوبی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ.

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں پر اللہ نے قیامت تک کے لیے خیر و خوبی کو باندھ دیا ہے مطلب یہ ہے کہ گھوڑا ہمیشہ مفید جانور ہی ثابت ہوگا۔ گھوڑا بہت سی خوبیوں کا مالک ہے۔ یہ سواری کے کام آتا ہے خاص طور پر جنگ میں بڑا کام دیتا ہے۔ ویسے بھی یہ پاکیزہ جانور ہے اور زینت کا باعث ہے۔ اسمیں ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ مالک کا وفادار جانور ہے۔ آج کے سائنسی اور ایٹمی دور میں بھی گھوڑے کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ بعض پہاڑی مقامات پر جہاں ٹینک نہیں چڑھ سکتے اور بار برداری کے لیے دوسرے ذرائع ناکام ہو جاتے ہیں وہاں گھوڑے اور خچر ہی کام دیتے ہیں۔ اللہ نے گھوڑے کو بابرکت جانور بنایا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ قیامت تک کے لیے اللہ نے گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر و خوبی کو باندھ دیا ہے۔

طواف میں رمل کرنا سنّت ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يَرْمُلُ ثَلَاثًا وَيَمْشِي اَرْبَعًا وَيَزْعُمُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُهُ وَ كَانَ يَمْشِي مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ قَالَ اِنَّمَا كَانَ يَمْشِي مَا بَيْنَهُمَا لِيَكُوْنَ اَيْسَرَ لِاسْتِلَامِهِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے وقت پہلے تین چکروں میں رمل کرتے تھے یعنی چھوٹے چھوٹے قدموں سے اکڑ اکڑ کر چلتے تھے اور باقی چار چکر طبعی رفتار سے پورا کرتے تھے اور ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ حضور نبی کریمؐ بھی طواف میں ایسا ہی کرتے تھے گویا طواف میں رمل کرنا سنّت ہے۔

ہر سات چکر پورے کرنے پر ایک طواف مکمل ہوتا ہے۔ ہر چکر کا آغاز حجر اسود سے کیا جاتا ہے اور وہیں پر ختم ہوتا ہے۔ جس طواف کے بعد سعی کرنا ہو اسمیں پہلے تین چکروں میں رمل ضروری ہے اور یہ طواف حج یا عمرہ کا طواف ہوتا ہے۔ عام نفلی طوافوں میں رمل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ رمل صرف مردوں کے لیے لازمی ہے عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

زندہ جانور پر تیر اندازی کی مشق

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ مَرَّ عَلٰى قَوْمٍ وَ قَدْ نَصَبُوْا دُجَاجَةً حَيَّةً يَرْمُوْنَهَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ مَنْ مَثَّلَ بِالْبَهَائِمِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا کچھ لوگوں پر گزر ہوا جو زندہ مرغی کو باندھ کر اُس پر تیر اندازی کر رہے تھے اس قسم کی کارروائی لوگ کھیل تماشے کے طور پر کرتے تھے۔ زندہ مرغی کو کچھ فاصلے پر باندھ کر اس پر تیر اندازی کی مشق کرتے۔ اگر تیر مرغی کو لگ جاتا تو کامیابی پر خوش ہوتے اور اگر نشانہ خطاء جاتا تو مرغی والے کے کھاتے میں ڈال دیتے۔

یہ کارروائی دیکھ کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ زندہ جانور کے ساتھ یہ سلوک کرنے والے پر اللہ کے رسول نے لعنت بھیجی ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسے جانور کا خون تو پہلے ہی خشک ہو چکا ہوتا ہے اس لیے تیر اندازی کی مشق کے بعد اسے ذبح بھی کر لیا جائے تو پھر بھی وہ مکروہ ہی ہو گا۔ اور اگر اسی دوران مر گیا تو ویسے ہی مردار ہو کر حرام ہو گیا۔ کسی جانور کو تیر یا بندوق کے ساتھ شکار کرنا تو درست ہے مگر اسے باندھ کر ایسا کرنا بلاوجہ باعث اذیت اور حرام ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی زبان سے یہ بات سن کر وہ لوگ بھاگ گئے۔

خالہ کے ساتھ حسنِ سلوک

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا کَبِیْرًا فَھَلْ لِیْ تَوْبَۃٌ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَکَ وَالِدَانِ قَالَ لَا قَالَ فَلَکَ خَالَۃٌ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبِرَّھَا اِذًا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک آدمی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور! مجھ سے ایک بہت بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہے تو کیا میری توبہ قبول ہے؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تیرے والدین زندہ ہیں، اس نے کہا نہیں یعنی وہ تو دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کیا تیری خالہ موجود ہے؟ تو اس شخص نے کہا کہ ہاں زندہ ہے۔ آپ نے فرمایا، اپنی خالہ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

حقوق دو قسم کے ہیں یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ اگر کسی نے اللہ تعالےٰ کا حق ضائع کر کے گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اسکی معافی کا قانون یہ ہے کہ وہ سچے دل سے توبہ کرے اور آئندہ ایسی غلطی نہ کرے۔ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ وَتَابَ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ جب کوئی بندہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ اور اگر کسی نے بندے کا حق ضائع کیا ہے کسی کا مال چھینا ہے، چوری کیا ہے، کسی کو گالی دی ہے۔ جسمانی ایذا پہنچائی ہے یا آبرو ریزی کی ہے تو جب تک اس کی تلافی نہیں کریگا یا صاحب حق سے معاف نہیں کرائیگا۔ وہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔ اصل قانون تو یہی ہے۔ البتہ اس حدیث مبارکہ میں حضور علیہ السلام نے متعلقہ شخص کو خالہ کے ساتھ حسن سلوک کا جو حکم دیا یہ دراصل دل کی صفائی کے لیے ایک تدبیر تھی۔ بعض اوقات انسان گناہ کر کے توبہ

کر لیتا ہے تو گناہ تو معاف ہو جاتا ہے مگر دل میں کچھ کدورت یا شبہ رہ جاتا ہے۔ اس کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان صدقہ خیرات کرے یا اپنے اقرباء کے ساتھ نیک سلوک کرے اس کی مثال حضرت کعب بن مالکؓ کی ہے جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اس کی تفصیل صحیحین میں موجود ہے۔ سورۃ توبہ میں بھی ایسے ہی تین شخصوں کی توبہ کا ذکر موجود ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت کعب بن مالکؓ کے ساتھ بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے پچاس دن تک سخت پریشانی اٹھائی جسکے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ پھر وہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور! میری توبہ تو تب ہو گی جب میں اپنے سارے مال سے باہر نکل جاؤنگا اس مال نے مجھے فتنہ میں ڈالا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا سارا مال صدقہ کر دیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھوڑا سا رکھ لو پھر جب اور آجائیگا تو اسے بھی صدقہ کر دینا۔ دراصل ان کی توبہ تو قبول ہو چکی تھی مگر دل میں جو کدورت باقی تھی وہ بھی اس صدقہ سے دور ہو گئی۔ موطا امام مالک میں روایت ہے کہ پچاس ہزار درہم یا دینار مالیت کے باغ کا مالک باغ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک چڑیا گھنے درختوں میں پھنس کر پھڑپھڑائی تو مالک کی توجہ نماز سے ہٹ کر چڑیا کی طرف ہو گئی۔ انہوں نے اس باغ کو غفلت کا سبب ٹھہرایا اور پھر پورے کا پورا باغ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔

نسل کشی کیلئے اجر وصول کرنے کی ممانعت

عَنْ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَہٰی عَنْ ثَمَنِ عَسَبِ الْفَحْلِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نسل کشی کے لیے دیئے جانے والے سانڈھ کی قیمت وصول کرنے سے منع فرمایا ہے ایسا کرنا مکروہ تحریمی میں شمار ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنا بیل، بھینسا یا اونٹ وغیرہ کسی دوسرے شخص کو نسل کشی کے لیے دیتا ہے تو اسکی اجرت نہیں لینی چاہیئے۔ بلکہ بلا قیمت مادہ سے ملا دینا چاہیئے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص بطور عطیہ کوئی چیز دیدے تو اسکا لینا جائز ہوگا، تاہم اس کام کے معاوضہ کے طور پر کچھ لینا روا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ سانڈھ کا مالک کسی چیز کی قیمت وصول کرتا ہے؟ وہ نہ تو مادہ منویہ کی قیمت لے سکتا ہے اور نہ اسکے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کی، لہٰذا یہ درست نہیں۔ بعض علاقوں میں لوگ اس قیمت کو رواجاً عطیہ بنا لیتے ہیں۔ یہ بھی جائز نہیں۔ یہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ نسل کشی کے لیے حکومت خود انتظام کرے اور ضرورت مند کو بلا قیمت سانڈھ مہیا کرے۔ بعض علاقوں میں اس قسم کا انتظام بلدیاتی اداروں نے کر رکھا ہے۔

مویشیوں میں زکوٰۃ کا نصاب اور شرح

عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَتَبَ الصَّدَقَةَ وَ لَمْ يُخْرِجْهَا اِلٰى عُمَّالِهِ حَتّٰى تُوُفِّيَ قَالَ اَخْرَجَهَا اَبُوْبَكْرٍ مِنْ بَعْدِهٖ فَعَمِلَ بِهَا حَتّٰى تُوُفِّيَ ثُمَّ اَخْرَجَهَا عُمَرُ مِنْ بَعْدِهٖ فَعَمِلَ بِهَا قَالَ فَلَقَدْ هَلَكَ عُمَرُ يَوْمَ هَلَكَ وَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمَقْرُوْنٌ بِوَصِيَّتِهٖ فَقَالَ كَانَ فِيْهَا فِي الْاِبِلِ فِيْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ حَتّٰى تَنْتَهِيَ اِلٰى اَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ ...الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زکوٰۃ سے متعلق ایک مکتوب تحریر کروایا تھا مگر وہ مکتوب ابھی اپنے عمال کی طرف نہیں بھیجا تھا کہ آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ پھر آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اس مکتوب کے احکام پر عمل کیا یہاں تک کہ وہ بھی وفات پا گئے۔ پھر انکے بعد حضرت عمرؓ نے اس پر عمل کیا کہ وہ بھی دنیا سے چلے گئے۔ آپکی شہادت کے بعد یہ مکتوب آپ کی وصیت کے ساتھ منسلک کردایا گیا۔ بہر حال اس مکتوب میں جانوروں کی زکوٰۃ کے نصاب اور اس کی شرح کے متعلق حسب ذیل احکام دیئے گئے تھے۔

تعداد مولیشی	مقدار زکوٰۃ
پانچ اونٹ پر (پانچ سے کم پر زکوٰۃ نہیں)	ایک بکری
دس اونٹ پر	دو بکریاں
پندرہ اونٹ پر	تین بکریاں
بیس اونٹ پر	چار بکریاں
پچیس سے پینتیس اونٹ تک	ایک بنت مخاض (۱ سال کی مادہ اونٹنی)

مقدار زکوٰۃ	تعداد مویشی
ایک ابن لبون (دو سال کا اونٹ)	چھتیس سے پینتالیس اونٹ تک
ایک حقہ (تین سال کا اونٹ)	چھیالیس سے ساٹھ اونٹ تک
ایک جذعہ (چار سال کا اونٹ)	اکسٹھ سے پچھتر اونٹ تک
دو ابن لبون (دو سال کے دو اونٹ)	چھہتر سے نوے اونٹ تک
دو حقہ (تین سال کے دو اونٹ)	اکانوے سے ایک سو بیس اونٹ تک

جب اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے بڑھ جائے تو فرمایا فِيْ كُلِّ خَمْسِيْنَ حِقَّةٌ وَفِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ اِبْنَةُ لَبُوْنٍ۔ ہر پچاس اونٹ پر ایک حقہ یعنی تین سال کا اونٹ زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی اور ہر چالیس اونٹوں پر ایک ابن لبون یعنی دو سال کا اونٹ ادا کرنا ہوگا۔

بھیڑ بکریوں کے متعلق فرمایا کہ چالیس سے لیکر ایک سو بیس تک ایک بکری زکوٰۃ ہے۔ ایک سو اکیس سے لیکر دو سو تک دو بکریاں اور اسکے بعد تین سو سے چار سو بھیڑ بکریوں تک تین بکریاں بطور زکوٰۃ واجب الادا ہوتی ہیں۔ اسکے بعد ہر سو بھیڑ بکری پر ایک بکری واجب الادا ہوگی۔ جانوروں کی زکوٰۃ کے متعلق ایک عام اصول یہ ہے کہ ان پر ایک سال گزر جائے اور وہ سال کا اکثر حصہ چر کر گزارہ کرتے رہے ہوں۔

لیلۃ القدر کی تلاش

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ نَاسًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرَاكُمْ قَدْ تَتَابَعْتُمْ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَالْتَمِسُوْهَا فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بعض صحابہ نے لیلۃ القدر کو ماہ رمضان کے آخری سات دنوں میں دوران خواب دیکھا۔ حضور علیہ السلام کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے لیلۃ القدر کو ان سات دنوں میں دیکھا ہے تو انہی دنوں میں اسکو تلاش کرو۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ۔ یعنی زیادہ گمان یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور ان میں سے بھی طاق راتوں میں زیادہ امکان ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ ان راتوں میں لیلۃ القدر کو مسلسل تلاش کرتے رہنا چاہیئے یعنی ان راتوں میں خوب عبادت کرنی چاہیئے تاکہ اللہ تعالےٰ اس مبارک رات کے اجر و ثواب سے نوازے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے چار خصوصی کام

عَنْ جُرَیْجٍ اَوِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ اَرْبَعُ خِلَالٍ رَاَیْتُكَ تَصْنَعُهُنَّ لَمْ اَرَ اَحَدًا یَصْنَعُهُنَّ قَالَ مَا هِیَ ....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد ابن جریجؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد محترم سے پوچھا کہ میں نے آپکو چار کام کرتے دیکھا ہے جبکہ کوئی دوسرا شخص یہ کام نہیں کرتا۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کون سے کام ہیں؟ تو حضرت جریجؒ نے کہا کہ پہلا کام یہ ہے تَلْبَسُ هٰذِهِ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ۔ کہ آپ صاف چمڑے کے جوتے پہنتے ہیں جبکہ دوسرا کوئی شخص ایسے جوتے استعمال نہیں کرتا۔ عرب لوگ عام طور پر جوتا بناتے وقت اسکے بال وغیرہ صاف نہیں کرتے تھے، بلکہ چمڑا لیا اور اسکو کاٹ کر چپل نما جوتا تیار کر لیا۔ اسکے برخلاف بعض لوگ چمڑے کے بال صاف کر لیتے، اسکو پختہ کرتے اور پھر اس سے جوتا بناتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی صاف چمڑے کا جوتا استعمال کرتے تھے جسکی نشاندہی حضرت جریجؒ نے کی۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ان کی دوسری خصوصیت یہ بتائی کہ تَسْتَلِمُ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ لَا تَسْتَلِمُ غَيْرَهَا۔ یعنی آپ ان دو ارکان حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام تو کرتے ہیں مگر باقی دو ارکان کا استلام نہیں کرتے ہیں۔ عرض کیا تیسری بات یہ ہے۔ لَا تُهِلُّ حَتّٰى تَضَعَ رِجْلَكَ فِي الْغَرْزِ آپ جب تک سواری پر سوار نہیں ہو جاتے اس وقت تک حج یا عمرہ کا تلبیہ نہیں پکارتے اور چوتھی بات یہ ہے تُصَفِّرُ لِحْيَتَكَ کہ آپ اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے ہیں

حضرت ابن عمرؓ نے ان چاروں سوالوں کے جوابات دیئے۔ فرمایا، میں جو صاف چمڑے کا جوتا استعمال کرتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام بھی ایسے ہی صاف چمڑے کا جوتا استعمال کرتے

تھے اور آپ جوتوں سمیت وضو کر لیتے تھے یعنی انکو اتارتے نہیں تھے بلکہ انکے اوپر ہی پانی بہا لیتے تھے۔ فرمایا دوسرا کام جو میں کرتا ہوں کہ صرف دو ارکان کا استلام کرتا ہوں اور دو کو چھوڑ دیتا ہوں تو اسکی وجہ یہی ہے کہ میں نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف انہی دو ارکان کا استعمال کرتے دیکھا ہے آپ دیگر دو ارکان رکن عراقی اور رکن شامی کا استلام نہیں کرتے تھے۔ دوسری حدیث سے اس کی یہ توجیہہ ظاہر ہوتی ہے کہ رکن عراقی اور شامی موجودہ خانہ کعبہ میں اپنے اصلی مقامات پر نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ مقامات حطیم میں باہر رہ گئے ہیں لہذا ان کا استلام نہیں کیا جاتا۔ فرمایا تمہارا یہ اعتراض کہ میں احرام باندھ کر جب اپنا پاؤں سواری کی رکاب میں رکھتا ہوں تو اس وقت تلبیہ پڑھتا ہوں تو اسکا جواب یہ ہے کہ میں نے خود حضور علیہ السلام کو دیکھا ہے کہ جب آپ اپنا پاؤں مبارک رکاب میں رکھ کر سواری پر بیٹھ جاتے تھے تو اس وقت تلبیہ پکارتے تھے، لہذا انکے اتباع میں میں بھی ایسا کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی داڑھی کو زرد رنگ کرنے سے متعلق فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا ہے کہ آپ بھی اپنی داڑھی مبارک کو زرد رنگ سے رنگتے تھے۔ محدثین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی داڑھی کو خضاب یا مہندی لگائی ہے یا نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ نے استعمال کیا ہے جبکہ امام ترمذیؒ اسکو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ آپ کی داڑھی اور سر مبارک میں صرف پندرہ یا بیس سفید بال تھے۔ جب آپ تیل استعمال کرتے تو وہ بھی چھپ جاتے تھے۔ لہذا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خضاب یا مہندی لگانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ آپ کی داڑھی میں جو کبھی کبھی زرد رنگ نظر آتا تھا تو وہ خوشبو کا رنگ ہوتا تھا نہ کہ خضاب کا۔ البتہ زرد رنگ (زعفران یا کنبہ) کا لباس پہننا مردوں کے لیئے مکروہ تحریمی کی مد میں آتا ہے۔ ابوداؤد شریف کی روایت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ زرد رنگ کا لباس جہنمیوں کا لباس ہے۔

غلام کے لیے دوہرا اجر

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَبْدُ إِذَا أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَنَصَحَ لِسَيِّدِهِ كَانَ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو غلام اپنے پروردگار کی اچھے طریقے سے عبادت کرتا ہے اور اپنے آقا کے حق میں خیر خواہی بھی کرتا ہے تو اسکو دوہرا اجر ملتا ہے یعنی آزاد آدمی کے مقابلہ میں غلام دوہرے اجر کا مستحق بن جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایک اجر اسے اپنے ربّ کی اچھے طریقے سے عبادت کرنے کا ملتا ہے اور دوسرا اجر اپنے مالک کی خیر خواہی کا۔ چونکہ ایک آزاد آدمی میں دوسری خصوصیت نہیں پائی جاتی، اس لیے وہ صرف ایک اجر کا حقدار بنتا ہے۔

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ایک اقامت میں

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَالِكٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ بِاِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ فَقَالَ لَہٗ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَالِكٍ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَا هٰذِهِ الصَّلٰوةُ فَقَالَ صَلَّيْتُهَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ بِاِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸)

حضرت عبداللہ بن مالک ؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے مزدلفہ کے مقام پر مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ہی اقامت کے ساتھ جمع کر کے ادا کیں۔ آپ کے ایک شاگرد نے پوچھا کہ آپ نے یہ نمازیں ایک ہی اقامت سے کیسے ادا کی ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اس مقام میں یہ دونوں نمازیں ایک ہی اقامت کے ساتھ ادا کیں۔ گویا میں نے یہ نماز حضور علیہ السلام کے طریقے کے مطابق ادا کی ہے۔

حج کے موقعہ پر نویں تاریخ کو غروب آفتاب کے بعد حاجی عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں مگر مغرب کی نماز عرفات میں نہیں ادا کی جاتی بلکہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی دونوں نمازیں جمع کر کے عشاء کے وقت میں پڑھی جاتی ہیں یہ اسی موقع کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کیں اور دونوں کو ایک ہی اقامت کے ساتھ آگے پیچھے ادا کیا حالانکہ میدان عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں اگرچہ جمع کر کے پڑھی جاتی ہیں مگر اقامت دونوں نمازوں کی علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے اس لحاظ سے اگر مغرب اور عشاء کی نمازوں کے لیے بھی علیحدہ علیحدہ اقامت کہی جائے تو اس کی ممانعت نہیں ہے تاہم بہتر ایک ہی اقامت ہے۔ امام ابو حنیفہ ؒ فرماتے ہیں کہ ایک اقامت زیادہ قرین قیاس ہے۔ فرماتے ہیں کہ میدانِ عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں ظہر کے وقت میں مسجد نمرہ میں پڑھی جاتی ہیں۔

ظہر کی نماز تو پہلے اقامت کے ساتھ اپنے وقت پر پڑھی جاتی ہے مگر معاً بعد چونکہ ابھی عصر کا وقت شروع نہیں ہوا ہوتا اور نماز بھی ادا کرنا ہوتی ہے لہذا اس خدشہ کے پیش نظر کہ لوگ ظہر کی نماز ادا کر کے منتشر نہ ہو جائیں، فوراً دوسری اقامت کر دی جاتی ہے اسکے برخلاف مزدلفہ میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد لوگوں کے منتشر ہونے کا خطرہ نہیں ہوتا کیونکہ عشاء کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے، لہذا وہاں دوسری اقامت کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

سونے اور چاندی کی انگوٹھی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ ذَھَبٍ وَکَانَ یَجْعَلُ فَصَّہٗ مِمَّا یَلِیْ کَفَّہٗ فَاتَّخَذَ النَّاسُ فَرَمٰی بِہٖ وَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ وَرِقٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ پہلے حضور علیہ السلام نے سونے کی انگوٹھی بنوا کر پہنی آپ اسکے نگینہ کو اندر کی طرف رکھتے تھے حضور علیہ السلام کو دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں پہننا شروع کر دیں۔ دوسری روایت میں موجود ہے کہ پھر ایک موقع پر آپ منبر پر تشریف فرما تھے کہ سونے کی انگوٹھی اپنے ہاتھ سے اتار کر پھینک دی۔ پھر آپ نے چاندی کی انگوٹھی تیار کروائی جس میں محمد رسول اللہ کی مہر بھی بنوائی۔ آپ اس انگوٹھی کو پہنتے تھے اور بوقت ضرورت اس سے اہم مکتوب پر مہر بھی لگاتے تھے۔ مہر کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب آپ نے بعض متمدن ممالک کے بادشاہوں کو مکتوب لکھے جن میں انہیں اسلام لانے کی دعوت دی گئی تھی چنانچہ آپ نے ان خطوط پر اپنی مہر بھی لگائی آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی انگوٹھی کے نگینہ میں "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ نہ کرائیں کیونکہ انکو بطور مہر استعمال کیا جا رہا ہے۔

یہ ممانعت صرف اس زمانے کے لیے تھی کیونکہ اب اس زمانہ میں تو انگوٹھی والی مہر استعمال نہیں ہوتی۔ اب ہر سرکاری دفتر کے لیے ربڑ کی مہریں ہیں جو بوقت ضرورت اہم دستاویزات پر لگائی جاتی ہیں۔ اب چاندی کی انگوٹھی زینت اور ضرورت دونوں مقاصد کے لیے پہنی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی قاضی یا مفتی اس میں مہر بھی بنوا لے تو کوئی حرج نہیں۔ ہاں چاندی کی انگوٹھی کے لیے شرط ہے کہ یہ ایک مثقال یعنی چار ماشے سے کم ہونی چاہیئے اور زیادہ سے زیادہ نیم درہم کو یعنی ساڑھے تین ماشے کی ہونی چاہیئے اور مردوں اور عورتوں سب کے لیے

مباح ہے۔ صحابہؓ نے بھی انگوٹھی کو بطور زینت پہنا ہے۔ البتہ نگینہ لگانے میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ قیمتی سے قیمتی نگینہ حتیٰ کہ ہیرا بھی لگایا جا سکتا ہے۔

*

رئیس المنافقین کی نماز جنازہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا مَاتَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهٗ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعْطِنِيْ قَمِيْصَكَ حَتّٰى اُكَفِّنَهٗ فِيْهِ وَ صَلِّ عَلَيْهِ وَاسْتَغْفِرْ لَهٗ ..... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مر گیا تو اسکا بیٹا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ سچا مسلمان تھا، کہنے لگا حضور مجھے اپنی قمیص مبارک عطاء فرمادیں تاکہ میں اس کا کفن بناکر اپنے باپ کو پہناؤں اور عرض کیا کہ آپ اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائیں اور اسکے لیے بخشش کی دعا بھی کریں۔ حضور علیہ السلام نے اس کی تینوں باتیں قبول فرمالیں۔ اپنی قمیص اتار کر کفن کے لیے دے دی۔ جو میت کو بطور کفن پہنائی گئی۔ آپ نے فرمایا جب جنازہ تیار ہو جائے تو مجھے اطلاع کرنا۔ چنانچہ اطلاع ملنے پر آپ جنازہ پڑھانے کے لیے تیار ہو گئے حضرت عمرؓ نے عرض کیا، حضور! یہ تو منافق ہے جس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آپ تیار ہو گئے ہیں۔ اللہ نے تو قرآن میں فرمایا ہے اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔ (توبہ ـ ۸۰) اگر آپ ان کے لیے ستّر مرتبہ بخشش کی دعا کریں تو اللہ تعالے معاف نہیں کریگا۔ اس آیت سے حضرت عمرؓ نے یہ سمجھا کہ منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنا شاید ممنوع ہے۔ مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالے نے مجھے اختیار دیا ہے کہ آپ بخشش کی دعا مانگیں یا نہ مانگیں، خدا تو معاف نہیں کرے گا مطلب یہ ہے کہ میں بخشش کی دعا مانگ تو سکتا ہوں اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستّر مرتبہ سے زیادہ مرتبہ دعا کرنے سے اس کی بخشش ہو سکتی ہے تو میں ستّر مرتبہ سے زیادہ بھی دعا کرتا۔ آپ نے اس منافق کی نماز جنازہ پڑھی تو اسکے بعد اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى

اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ط (توبہ - ۸۴) آپ آئندہ کبھی ان منافقین کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ انکی قبر پر کھڑے ہوکر دعا مانگیں۔ بہرحال اسکے بعد منافقین کا جنازہ پڑھنا ترک کردیا گیا۔

عملی منافقوں کا تو ظاہری علامات سے پتہ چلتا ہے، البتہ اعتقادی منافق کا عام آدمی کو پتہ نہیں چل سکتا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایسے لوگوں کی اطلاع بذریعہ وحی آپ کو دی جاتی تھی اور یہ سلسلہ اب ختم ہوچکا ہے۔ بہرحال آپ نے پھر کسی منافق کا جنازہ نہیں پڑھا نہ اسکے لیے دعا کی۔

* * *

مسجد میں تھوکنے کی ممانعت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی نُخَامَۃً فِیْ قِبْلَۃِ الْمَسْجِدِ فَحَکَّہَا وَخَلَّقَ مَکَانَہَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی قبلہ والی دیوار میں تھوک لگی ہوئی دیکھی۔ آپکو یہ سخت ناگوار گزری، لہذا اسکو اپنے ہاتھ مبارک سے صاف کردیا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ تھوک کو چھڑی کے ساتھ کھرچ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ قبلہ کی طرف اللہ کی خصوصی رحمت اور تجلّی متوجہ ہوتی ہے لہذا قبلہ کی دیوار پر تھوکنا بہت بری بات ہے فرمایا آئندہ کوئی شخص ایسا نہ کرے۔ پھر حضور علیہ السلام نے اس تھوک والی جگہ پر زعفران اور عنبر سے بنی ہوئی خوشبو بھی لگائی تاکہ مسجد کی جو بے حرمتی ہو چکی ہے اس کی تلافی ہو جائے۔ تھوک اگرچہ پاک ہے مگر مسجد میں تھوکنا مسجد کے آداب کے خلاف ہے لہذا اس سے باز رہنا چاہیئے۔ خاص طور پر تھوک کو قبلہ کی دیوار پر پھینکنا تو مزید قبیح ہے۔ کیونکہ اس طرف اللہ کی خصوصی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدَعُ اَنْ یَسْتَلِمَ الْحَجَرَ وَالرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ فِیْ کُلِّ طَوَافٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب خانہ کعبہ کا طواف کرتے تو حتی الامکان حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام نہیں چھوڑتے تھے۔ حجر اسود کا بوسہ لینا تو مستحب ہے یا اگر بوسہ نہ لے سکے تو چھڑی وغیرہ سے چھو کر چوم لے یا صرف ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چوم لے۔ اور اگر ان میں سے کوئی صورت بھی ممکن نہ ہو تو حجر اسود کی طرف ہاتھ کر کے چوم لے جہاں تک رکن یمانی کا تعلق ہے تو اسکو صرف ہاتھ لگانا ہی مستحب ہے۔ چومنا مستحب نہیں ہے۔ تو ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ حضور طواف کے ہر چکر میں ان دونوں ارکان کا استلام کرتے تھے۔ البتہ استلام کی خاطر دوسرے کو دھکا دینا یا مار کر ہٹانا مکروہ ہے۔ موقع کے مطابق استلام کا جو بھی طریقہ ممکن ہو اسے اختیار کرنا چاہیئے یا کم از کم رش کے کم ہونے کا انتظار کر لینا چاہیئے کیونکہ دوسرے کو ایذا پہنچا کر بوسہ لینا ثواب کی بجائے گناہ کا موجب ہو سکتا ہے۔

نمازِ عشاء کا نام

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمْ فَإِنَّهَا الْعِشَاءُ إِنَّمَا يَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ لِإِعْتَامِهِمْ بِالْإِبِلِ لِحِلَابِهَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۹)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! دیکھنا لوگ تمہاری نماز کے نام کو تبدیل کرنیکے سلسلہ میں تم پر غالب نہ آجائیں۔ یعنی تمہاری نمازِ عشاء کا نام تبدیل نہ کرنے پائیں۔ تم اس نماز کا وہی نام استعمال کرو جو اللہ تعالےٰ نے کیا ہے یعنی عشاء۔ دیہاتی لوگ عربی محاورہ میں اسے عتمہ کہتے تھے۔ وجہ تسمیہ یہ تھی کہ یہ نماز ایسے وقت میں پڑھی جاتی ہے جب دیہاتی لوگ اپنے اونٹوں کا دودھ دوہتے تھے۔ چونکہ وہ یہ کام رات کو دیر سے کرتے تھے اور نماز کا وقت بھی یہی ہے۔ لہٰذا انہوں نے اس نماز کا نام ہی عتمہ رکھ دیا۔ فرمایا لوگو! تم صحیح نام استعمال کرو جسے اللہ نے استعمال کیا ہے اور جو نام اہلِ علم اپنے محاورے میں استعمال کرتے ہیں، اور وہ عشاء ہے۔

فرض نماز کی ادائیگی کے بعد جماعت میں شمولیت

عَنْ سُلَیْمَانَ مَوْلٰی مَیْمُوْنَۃَ قَالَ اَتَیْتُ عَلَی ابْنِ عُمَرَ وَھُوَ بِالْبَلَاطِ وَالْقَوْمُ یُصَلُّوْنَ فِی الْمَسْجِدِ قُلْتُ مَا یَمْنَعُكَ اَنْ تُصَلِّیَ مَعَ النَّاسِ ــــ اَوِالْقَوْمِ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُصَلُّوْا صَلٰوۃً فِیْ یَوْمٍ مَرَّتَیْنِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۹)

حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ غلام سلیمان کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا۔ اور آپ مدینہ کے بازار کے ایک مقام بلاط میں تھے۔ اس وقت لوگ مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کے ساتھ نماز باجماعت میں شریک کیوں نہیں ہوتے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ دن میں ایک نماز دو مرتبہ نہ پڑھو۔ چونکہ میں یہ نماز پہلے پڑھ چکا ہوں اس لیے دوبارہ نماز میں شامل نہیں ہوا۔ فرض نماز ایک ہی مرتبہ پڑھی جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص مسجد میں موجود ہے اور جماعت کھڑی ہوگئی ہے تو وہ جماعت میں بطور نفل نماز شریک ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ نوافل کی ادائیگی کا وقت ہو۔ وتر بھی دوبارہ نہیں پڑھے جا سکتے کیونکہ لَا وِتْرَانِ فِیْ لَیْلَۃٍ ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں ہوتے۔

دنیا میں شراب خور آخرت میں شرابِ طہور سے محروم رہیگا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا وَلَمْ يَتُبْ مِنْهَا حُرِمَهَا فِي الْآخِرَةِ لَمْ يَسْقِهَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۹)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں شراب پی اور پھر اس سے توبہ کئے بغیر مرگیا تو اسے آخرت میں شراب طہور نصیب نہیں ہوگی اگر اس نے شراب کو حلال سمجھ کر پیا تو پھر تو بلا شبہ کافر ہو کر مرا کیونکہ شراب قطعی حرام ہے اور اس نے اسے حلال جانا اور اگر اسکو حرام تو سمجھتا ہے مگر پھر بھی پی لی اور توبہ نہ کی تو گنہگار ہوگا، اگرچہ کافر نہیں ہوگا۔

بعض نعمتوں کو اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کے لیے آخرت میں مؤخر کر رکھا ہے اور ان میں شراب بھی ہے۔ جس نے دنیا میں اسکو ہاتھ نہیں لگایا وہ اسکا مزہ جنت میں چکھے گا اور وہ ہوگی بھی شراب طہور نہ کہ یہ نشہ آور شراب۔ اسی طرح مردوں کے لیے ریشم دنیا میں حرام ہے لیکن جس نے یہاں پہن لیا وہ آخرت میں اس سے محروم رہیگا اور جس نے نہیں پہنا اسے جنت میں ریشمی لباس پہنایا جائے گا۔ غرضیکہ اگر کوئی ایماندار جنت میں چلا بھی جائیگا اور اس نے دنیا میں شراب پی ہوگی تو وہ جنت میں شراب طہور سے محروم رہے گا۔

ایام منیٰ کے دوران مکہ میں قیام

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّ الْعَبَّاسَ اسْتَاْذَنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَنْ یَّبِیْتَ بِمَکَّۃَ اَیَّامَ مِنٰی مِنْ اَجْلِ السِّقَایَۃِ فَرَخَّصَ لَہٗ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۹)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے ایام حج میں منیٰ میں قیام کے دنوں میں مکہ معظمہ جانے اور رات کو وہاں ٹھہرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت دے دی۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایام حج کی دسویں تا تیرھویں تاریخ حاجیوں کے لیے منیٰ میں راتیں گزارنا ضروری ہے اور وہ مکہ میں طواف زیارت کر کے واپس آجاتے ہیں، وہاں نہیں ٹھہر سکتے حضرت عباسؓ نے حضور علیہ السلام سے اپنے لیے خصوصی اجازت طلب کی ہے تاکہ وہ مکہ میں ٹھہر سکیں وجہ یہ تھی کہ وہ حاجیوں کے لیے پانی کا انتظام کرتے تھے جس کیلئے انکا مکہ میں قیام ضروری تھا آپ حاجیوں کے لیے نہ صرف پانی بلکہ دیگر مشروبات دودھ، شربت، شہد، نبیذ وغیرہ کا انتظام بھی کرتے تھے اس وقت پانی کی سخت قلت تھی اسکے باوجود خاندان عباس حاجیوں کے لیے پانی کافی انتظام کرتا تھا اور اسے باعث سعادت سمجھتا تھا آج کل حکومت نے پانی کا وسیع انتظام کر رکھا ہے اسکے باوجود بعض اوقات قلت محسوس ہوتی ہے تاہم اسے بہرصورت فری ہونا چاہیئے کسی اور مجبوری کے تحت بھی حاجی مکہ میں ٹھہر سکتا ہے مثلاً کسی نے جانوروں کو پانی پلانا ہو مگر کوئی دوسرا انتظام نہیں ہے تو وہ ایام منیٰ میں مکہ میں رات گزار سکتا ہے۔

نکاحِ شغار کی ممانعت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الشِّغَارِ قَالَ قُلْتُ لِنَافِعٍ مَا الشِّغَارُ قَالَ یُنْزَوِّجُ الرَّجُلُ ابْنَتَهٗ وَ یَتَزَوَّجُ ابْنَتَهٗ وَ یُزَوِّجُ الرَّجُلُ اُخْتَهٗ وَ یَتَزَوَّجُ اُخْتَهٗ بِغَیْرِ صَدَاقٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۹)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاحِ شغار سے منع فرمایا ہے نچلا راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کے شاگرد حضرت نافعؒ سے دریافت کیا کہ شغار کے نکاح سے کیا مراد ہے تو انہوں نے بتایا کہ نکاحِ شغار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے شخص سے کر دے اور اس کی بیٹی کا نکاح اپنے ساتھ کر لے۔ یا اپنی بہن کا نکاح دوسرے آدمی سے کرے اور اس کی بہن کا نکاح اپنے ساتھ کر لے۔ اور وہ بھی بِغَیْرِ صَدَاقٍ۔ یعنی بغیر مہر کے۔ عام اصطلاح میں ایسے نکاح کو وٹہ سٹہ کا نکاح کہتے ہیں اس میں مہر مقرر کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے رشتہ پر اکتفا کر لیا جاتا ہے اور اسی کو مہر تصور کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ایسے نکاح سے منع فرما دیا۔ بعض أئمہ ایسے نکاح کو سرے سے باطل قرار دیتے ہیں۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نکاح تو ہو جاتا ہے مگر عدمِ مہر والی شرط باطل ہوگی اور فریقین کو مہرِ مثل دینا پڑے گا یعنی مہر کی اتنی مقدار جو متعلقہ خاندان کی عورتوں کے لیے عام طور پر مقرر کی جاتی ہے۔

کھانا پہلے نماز بعد میں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَ أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا يَقُومُ حَتّٰى يَفْرُغَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے رات کا کھانا رکھ دیا جائے اور ادھر نماز کھڑی ہو جائے تو اس وقت تک نماز میں شامل نہ ہو جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جائے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص اپنا معمول ہی بنا لے کہ ادھر نماز کا وقت ہوا تو اِدھر کھانا رکھ دیا۔ ہاں اگر کبھی اتفاق ایسا ہو جائے کہ آدمی کام کاج سے تھک ہار کر آیا ہے یا سفر سے لوٹا ہے بھوک لگی ہوئی ہے اور کھانا بھی چُن دیا گیا ہے تو ایسی صورت میں کھانے کو اولیّت دی جائے اور نماز بعد میں اطمینان کے ساتھ ادا کر لی جائے۔ اگر کھانا چھوڑ کر نماز میں کھڑا ہو جائیگا تو اس کی توجہ کھانے کی طرف ہی رہے گی۔ اور نماز میں اطمینان حاصل نہیں ہو گا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کو پیشاب یا پاخانہ لگ رہا ہو تو اسے ایسی حالت میں نماز میں شمولیت اختیار نہیں کرنی چاہیئے بلکہ ایسی ضروریات سے فارغ ہو کر اطمینان کے ساتھ نماز کی طرف توجہ کرے۔ اس طرح اگر جماعت کا کوئی حصہ مل گیا تو ٹھیک ہے اسکا ثواب مل جائیگا اور اگر جماعت نہیں ملے گی تو اپنی الگ نماز ادا کرے۔

وتر رات کی آخری نماز

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، لوگو! اپنی نماز کا آخری حصہ رات کے وقت وتر کو ٹھہراؤ یعنی سب سے آخر میں نماز وتر ادا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلی رات میں جب تہجد کے نوافل ادا کر چکو تو اسکے بعد آخر میں وتر ادا کرو۔ نماز تہجد کم از کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت ہے جتنی بھی کسی کی استطاعت ہو ادا کرے حضور علیہ السلام عام طور پر آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر ادا فرماتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر ادا کرنے کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیئے مگر صحیح حدیث سے حضور علیہ السلام کا عمل ثابت کرتا ہے کہ آپ نے وتر کے بعد دو رکعت نماز بیٹھ کر ادا فرمائی۔ فقہائے کرام اور محدثین عظام فرماتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ رات کی آخری واجبی نماز وتر ہے اور اسکے بعد نوافل پڑھے جا سکتے ہیں۔ یا اسکا مطلب یہ ہے کہ رات کو کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے والی آخری نماز وتر ہے۔ البتہ بیٹھ کر نوافل ادا کیے جا سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس شخص کو پچھلی رات بیدار ہونے کا اعتماد ہو۔ وہ تہجد کے نوافل ادا کرنے کے بعد آخر میں وتر پڑھے۔ اور جس کو دن میں مشغولیت کی وجہ سے رات کو بیدار ہونے کا یقین نہ ہو اس کے لیے ابتدائی رات میں وتر ادا کرنا افضل ہے تاکہ یہ ضروری نماز رہ نہ جائے حضرت ابوہریرہؓ ہمیشہ ابتدائی رات میں وتر ادا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں سے ایک صحابی رات کے ابتدائی حصہ میں اور دوسرے

آخری حصّہ میں وتر پڑھتے تھے. اسکا ذکر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جس نے ابتداء میں وتر پڑھے اس نے احتیاط سے کام لیا اور جس نے آخری حصہ رات میں وتر ادا کئے اس نے فضیلت والے عمل کو اختیار کیا۔

والدین کے کہنے پر بیوی کو طلاق

عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَتْ تَحْتِيْ اِمْرَأَةٌ كَانَ عُمَرُ يُنْكِرُهَا فَقَالَ طَلِّقْهَا فَاَبَيْتُ فَاَتٰى عُمَرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَطِعْ اَبَاكَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں اور خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جسے میرے والد حضرت عمرؓ پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں اس عورت کو طلاق دے دوں مگر میں نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اس عورت کو اپنے بیٹے کے نکاح میں پسند نہیں کرتا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ اسے طلاق دے دے مگر بیٹا نہیں مانتا چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن عمر سے فرمایا کہ اپنے باپ کی بات مان لو۔

مسئلہ یہی ہے کہ اگر والدین بیٹے کو کہیں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو ایسی طلاق واقع ہو جانے کی صورت میں بیٹے پر کوئی گناہ نہیں ہو گا کیونکہ اس نے والدین کی رضا کو مقدم رکھتے ہوئے طلاق دی ہے بلاوجہ طلاق دینا تو سخت گناہ کی بات ہے لیکن جب والدین کا تقاضا ہو تو پھر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَكَلَ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَلَا يَاْتِيَنَّ الْمَسَاجِدَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۰، ۲۱)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ بدبودار پودا کھالے وہ مسجد میں نہ آئے جب تک کہ اس کی بدبو زائل نہ ہو جائے۔ اس پودے سے مراد لہسن، پیاز، مولی وغیرہ ہے جن کو کچا کھانے سے کچھ وقت تک منہ سے بدبو آتی رہتی ہے پھر یہی بدبو مسجد میں آکر فرشتوں اور نمازیوں کو بھی متاثر کرتی ہے۔ چنانچہ ایسی حالت میں مسجد میں آکر نماز پڑھنا مکروہ ہے فرمایا، یہ چیزیں حرام تو نہیں ہیں لہذا اگر یہ استعمال کرنا ہوں تو انہیں پکا کر کھانا چاہیئے تا کہ انکی بو ختم ہو جائے۔ اگر کچا ہی کھانا ہے تو نماز کے اوقات میں نہ کھاؤ بلکہ آگے پیچھے کھاؤ حتی کہ جب تم نماز کے لیے مسجد میں آؤ تو ان کی بدبو باقی نہ ہو۔ حقہ، سگریٹ، تمباکو وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کے استعمال کے فوراً بعد مسجد میں نہ آؤ جب تک کہ مسواک کر کے منہ اچھی طرح صاف نہ کر لو۔

اس دنیا میں ریشم مردوں کیلئے حلال نہیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ رَاٰی حُلَّةً سِیَرَاءَ اَوْ حَرِیْرًا تُبَاعُ فَقَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوِ اشْتَرَیْتَ هٰذِهٖ تَلْبَسُهَا یَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لِلْوُفُوْدِ قَالَ اِنَّمَا یَلْبَسُ هٰذِهٖ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ ۔۔۔۔ الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد حضرت عمرؓ نے بازار میں ریشم کا بنا ہوا ایک سوٹ بکتا ہوا دیکھا۔ حُلّہ اس لباس کو کہتے ہیں جس کی قمیض شلوار یا قمیض پاجامہ ایک ہی رنگ کے کپڑے کے بنے ہوتے ہوں کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! اگر یہ سوٹ خرید لیا جائے تو آپ اسے نماز جمعہ کے موقع پر یا باہر سے آنے والے وفود سے ملاقات کے وقت پہن لیا کریں۔ کیونکہ یہ سوٹ ان مواقع کے عین مناسب حال ہے۔

اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس قسم کا سوٹ تو وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصّہ نہ ہو۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ جو مومن آدمی دنیا میں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں اس سے محروم رہیگا۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ جنت میں اہل ایمان کو ریشمی لباس پہنایا جائیگا جو مختلف قسم کے ریشم مثلاً موٹا، باریک، رنگدار اور سفید وغیرہ سے تیار کیا گیا ہو گا۔ جنتی آدمی جس قسم کا لباس پسند کریگا اسے مہیا کیا جائیگا اور فرمایا کہ جس نے دنیا میں ریشم پہنا اس کا آخرت میں حصّہ نہیں ہو گا اور ظاہر ہے کہ آخرت سے محروم یا تو کافر ہیں یا نافرمان لوگ ہیں۔

اس واقعہ کے بعد اتفاق سے کسی نے بہت سے ریشمی سوٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کئے۔ حضور علیہ السلام نے ان میں سے ایک ریشمی سوٹ حضرت

عمرؓ کے پاس بھیج دیا یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کو بڑا تعجب ہوا کہ آپ نے خود ہی فرمایا تھا کہ جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا مگر پھر آپ نے خود ہی ریشمی سوٹ میری طرف بھیج دیا ہے۔ آپ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ کی وضاحت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ سوٹ تیرے پہننے کے لیے تو نہیں بھیجا بلکہ اس سے میرا مقصد یہ تھا کہ آپ اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے فائدہ اٹھالیں اس کو کوئی کافر خرید لے گا یا عورتیں بھی پہن سکتی ہیں۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیمتی سوٹ دو ہزار درہم میں فروخت ہوا۔

مالِ غنیمت میں گھوڑے کا حصّہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَعَلَ یَوْمَ خَیْبَرَ لِلْفَرَسِ سَہْمَیْنِ وَلِلرَّجُلِ سَہْمًا وَقَالَ اَبُوْ مُعَاوِیَۃَ اَسْہَمَ لِلرَّجُلِ وَلِفَرَسِہٖ ثَلٰثَۃَ اَسْہُمٍ سَہْمًا لَہٗ وَ سَہْمَیْنِ لِفَرَسِہٖ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ جنگِ خیبر کے موقع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مالِ غنیمت تقسیم کرتے ہوئے گھوڑ سوار کو تین حصّے اور پیدل مجاہد کو ایک حصّہ عطاء فرمایا اس طرح ـــــ گویا گھوڑے کو دو حصّے دیئے اور اسکے سوار کو ایک حصّہ ملا۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑے سوار کا ڈبل (ایک گھوڑے کا اور ایک سوار کا) اور پیدل کا ایک حصّہ ہے ہاں اگر موقع کی مناسبت سے حاکم، امیرِ لشکر یا خلیفہ مناسب سمجھے تو وہ گھوڑے سوار کو تین حصّے (ایک اسکا اور دو گھوڑے کے) بھی دے سکتا ہے۔ یہ اس کی صوابدید پر موقوف ہو گا۔ جن روایات میں گھوڑے سوار کے لیے تین حصّے کا ذکر ہے اسکا یہی مطلب ہے کہ اگر حاکم مناسب سمجھے تو ایسا کرسکتا ہے ورنہ عام قانون یہی ہے کہ ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک اسکے سوار کا۔ اسی طرح ایک حصّہ عام مجاہد کا ہے جو پیدل جنگ میں حصّہ لیتا ہے۔ گھوڑا ایک بابرکت اور پاکیزہ جانور ہے جو جنگ میں بڑا کام دیتا ہے۔ اسکے گوشت کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مباح قرار دیا ہے۔ تاہم امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عام حالات میں اسکی جنگی افادیت کے پیشِ نظر اس کو ذبح کرکے کھانا مکروہ ہے۔ ہاں اگر بیمار ہو جائے تو اسکو ذبح کرکے کھالینا چاہیئے کیونکہ یہ ایک پاک جانور ہے۔

عید کے دن روزہ رکھنے کی نذر

عَنْ زِیَادِ بْنِ جُبَیْرٍ قَالَ رَأَیْتُ رَجُلًا جَآءَ اِلَی ابْنِ عُمَرَ فَسَأَلَہٗ فَقَالَ اِنَّہٗ نَذَرَ اَنْ یَّصُوْمَ کُلَّ یَوْمِ اَرْبِعَآءَ فَاَتٰی ذٰلِکَ عَلٰی یَوْمِ اَضْحٰی اَوْ فِطْرٍ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَمَرَ اللّٰہُ بِوَفَآءِ النَّذْرِ وَنَہَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ یَوْمِ النَّحْرِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲)

زیاد بن جبیرؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آکر دریافت کیا ـــــــــــــــــ کہ اگر کسی شخص نے نذر مانی ہو کہ وہ ہر بدھ کو روزہ رکھے گا۔ پھر اتفاق سے بدھ کو عید الاضحیٰ یا عید الفطر کا دن آجائے تو اس کو کیا کرنا چاہیئے کیونکہ نذر کے مطابق اسے روزہ رکھنا چاہیئے جب کہ عیدین کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ۔ (الدھر ـ ۷) اللہ کے نیکو کار بندے اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں۔ اُدھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمادیا ہے۔ اس دن روزہ رکھنا اللہ کی نافرمانی اور شیطان کے ساتھ مشابہت ہے۔ عیدین کے ایام اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کی ضیافت ہوتی ہے۔ یہ کھانے پینے کے دن ہیں لہٰذا ان میں روزہ نہیں رکھا جاسکتا۔ ان دو متضاد چیزوں کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فتویٰ یہ تھا کہ وہ شخص عید والے بدھ کی بجائے کسی دوسرے دن روزہ رکھ لے۔

نذر کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ کسی جائز کام کے لیے ہو تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے مَنْ نَذَرَ اَنْ یُّطِعَ اللّٰہَ فَلْیُطِعْہُ جس

شخص نے اللہ تعالےٰ کی اطاعت کی نذر مانی ہے اس کو اطاعت کرنی چاہیئے وَ مَنْ نَذَرَ
أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ۔ اور جس شخص نے اللہ کی نافرمانی کی کوئی نذر مانی ہے اس
کو وہ نافرمانی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ ایسی نذر کے خلاف کرنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں بعض ائمہ
فرماتے ہیں کہ معصیت کی نذر سرے سے ہوتی ہی نہیں، لہٰذا اس کا کفارہ ادا کرنے کی بھی ضرورت نہیں
یہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ایسی نذر کا
توڑنا ضروری ہے مگر اس کا کفارہ ادا کرنا پڑیگا۔ تو مسئولہ معاملہ کی بھی یہی صورت بنتی ہے کہ عید کی
وجہ سے وہ شخص بدھ کا روزہ تو نہیں رکھے گا۔ اور چونکہ نذر بھی مانی ہوئی ہے لہٰذا اس کی بجائے کسی
دوسرے دن روزہ رکھ لیگا۔

تین میں سے دو کی علیحدہ سرگوشی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَ اثْنَانِ دُوْنَ وَاحِدٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم تین آدمی اکٹھے ہو تو ان میں سے دو علیحدہ ہو کر کوئی گفتگو نہ کریں جس میں تیسرے کی عدم شرکت پائی جاتے۔ اس قسم کے واقعات پیش آسکتے ہیں کہ تین آدمی کسی ایک جگہ بیٹھے ہیں یا سفر میں جا رہے ہیں تو اس میں سے اگر دو آدمی علیحدہ ہو کر کوئی بات چیت کریں گے تو تیسرے آدمی کے لیے تشویش کا باعث ہو گا کہ پتہ نہیں مجھ سے در پردہ یہ کیا منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ کہیں میرے یا میرے کسی عزیز کے خلاف ہی کوئی سازش نہ ہو۔ لہذا تین میں سے دو آدمیوں کی علیحدگی میں گفت وشنید کو ناپسند کیا گیا ہے۔ اگر کوئی ضروری بات کرنی ہے تو تینوں اکٹھے بیٹھ کر کرو تاکہ کسی کے دل میں کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہو۔ یہ اخلاقی تعلیم ہے جو حضور علیہ السلام نے امت کو دی ہے۔

جنازے میں شمولیت کا اجر

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ مَرَّ بِاَبِي هُرَيْرَةَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً فَصَلَّى عَلَيْهَا فَلَهُ قِيْرَاطٌ فَاِنْ شَهِدَ دَفْنَهَا فَلَهُ قِيْرَاطَانِ اِنَّ الْقِيْرَاطَ اَعْظَمُ مِنْ اُحُدٍ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک دفعہ کہیں سے گزرے تو وہاں حضرت ابوہریرہؓ لوگوں کے سامنے حدیث بیان کر رہے تھے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی جنازے کے پیچھے گیا اور پھر اس نے نماز جنازہ پڑھی تو اس شخص کو ایک قیراط کے برابر ثواب حاصل ہوگا اور اگر وہ آدمی میت کے دفن میں بھی شریک ہوا تو اسکو دو قیراط کے برابر اجر ملے گا۔ نیز فرمایا کہ قیراط اُحد پہاڑ سے بھی بڑا ہے۔ گویا جنازہ میں شرکت کرنے والے کو اتنا زیادہ ثواب حاصل ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اس حدیث کے متعلق کچھ تردد ہوا کہ شاید ابوہریرہؓ کو اچھی طرح یاد نہ ہو اور وہ کہیں حدیث کے بیان میں مبالغہ آرائی نہ کر رہے ہوں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو مخاطب کر کے کہا اُنْظُرْ مَا تُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ دیکھو! ذرا سوچ سمجھ کر بیان کرو کہ تم حضور علیہ السلام کی طرف کیا حدیث منسوب کر رہے ہو یہ سن کر فَقَامَ اِلَيْهِ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وہاں سے حضرت ابوہریرہؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابن عمرؓ کو ساتھ لیکر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اُنْشُدُكِ بِاللّٰهِ میں آپکو اللہ کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں کیا آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی جنازے کے پیچھے گیا اور نماز جنازہ پڑھی تو اس کے لیے ایک قیراط کے برابر ثواب ہے اور جو اس کے دفن میں بھی شریک ہوا وہ دو قیراط کے برابر ثواب کا حقدار بن جاتا ہے تو ام المؤمنینؓ نے کہا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ۔ ہاں میں گواہی دیتی ہوں کہ بے شک میں

نے بھی یہ بات حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے سنی ہے۔

اس پر حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ میرے بارے میں بعض لوگ تردد کرتے ہیں کہ میں زیادہ حدیثیں بیان کرتا ہوں۔ کہنے لگے حقیقت یہ ہے کہ مجھے درخت گاڑنے یا بازاروں میں سودا سلف خریدنے کے لیے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے سے کوئی چیز مشغول نہیں رکھتی تھی کیونکہ نہ تو میں کاشتکار تھا کہ کھیتی باڑی میں مصروف ہوتا اور نہ تاجر جو بازاروں میں خرید و فروخت کرتا۔ میری مصروفیت تو صرف یہ تھی اِنَّمَا كُنْتُ اَطْلُبُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ میں نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر رہ کر علم حاصل کرتا تھا جو آپ مجھے سکھلا دیں۔ میرے لیے فکر مندی والی بات اتنی ہی تھی کہ اگر کھانے کا لقمہ مل گیا تو کھا لیا، میرے لیے اور کوئی مشغولیت نہیں ہوتی تھی حضرت ابوہریرہؓ سنہ ۷ھ میں فتح خیبر کے موقع پر ایمان لائے اور پھر حضور علیہ السلام کی زندگی کے آخری لمحات تک پورے چار سال آپ کی خدمت میں حاضر رہ کر گزارے۔ آپ اصحاب صفہ میں سے تھے وہیں رہ کر علم حاصل کرتے تھے حضور علیہ السلام نے اُن کے لیے دعا بھی کی تھی جو اللہ نے قبول فرمائی۔ چنانچہ آپ نبی علیہ السلام سے جو کچھ سنتے تھے اسے بھولتے نہیں تھے غرضیکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو کہنا پڑا اَنْتَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ كُنْتَ اَلْزَمَنَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَعْلَمَنَا بِحَدِيْثِهٖ۔ اے ابوہریرہؓ! بیشک آپ ہم سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش تھے اور حضور علیہ السلام کی احادیث کو ہم سے زیادہ جاننے والے تھے۔ کہنے لگے میں نے آپ کی حیثیت پر اعتراض نہیں کیا بلکہ ایک تردد سا ہوا تھا جس کی اب تصدیق ہو گئی ہے۔

محرم کے لیے جوتے کا انتخاب

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا لَمْ یَجِدِ الْمُحْرِمُ النَّعْلَیْنِ فَلْیَلْبَسِ الْخُفَّیْنِ وَلْیَقْطَعْھُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج یا عمرہ کے لیے احرام باندھنے والے کو اگر جوتا میسّر نہ ہو اور اس کے پاس صرف موزے ہوں تو وہ اپنے موزوں کو ٹخنوں سے نیچے سے کاٹ کر انہیں بطور جوتا استعمال کرے۔ ٹخنوں سے نیچے کی طرف کاٹنے کا مطلب یہ ہے کہ احرام کے دوران اسکے ٹخنے بہر صورت برہنہ رہنے چاہئیں۔ جب احرام سے باہر نکل آئے تو وہ کٹے ہوئے حصّے کو دوبارہ جوڑ کر موزے بنا سکتا ہے۔ احرام کی یہ بھی ایک پابندی ہے کہ محرم کے ٹخنے دوران احرام ننگے ہونے چاہئیں اور کوئی ایسا جوتا نہیں پہننا چاہیئے جس سے ٹخنے چھپ جائیں۔

★

احرام باندھنے کے لیے میقات

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَيْنَ نُحْرِمُ قَالَ مُهَلُّ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَ مُهَلُّ اَهْلِ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ وَ مُهَلُّ اَهْلِ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ وَ مُهَلُّ اَهْلِ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ ......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ حج یا عمرہ کے لیے احرام کس مقام سے باندھنا چاہیئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل مدینہ کو ذی الحلیفہ کے مقام سے احرام باندھنا چاہیئے کہ یہ افضل ترین میقات ہے۔ یہ جگہ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے جسے آج کل بئر علی کہتے ہیں جس مقام سے حضور علیہ السلام نے احرام باندھا تھا۔ وہاں آج کل بڑی خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے اور مدینہ اور اطراف سے آنے والے لوگ یہیں سے احرام باندھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اہلِ شام کا میقات مقام جحفہ ہے۔ شام اور اردگرد سے آنے والے لوگ یہیں سے احرام باندھیں۔ ساحلِ سمندر سے قریب رابغ جگہ ہے، جحفہ اس سے پہلے آتا ہے۔ پھر فرمایا اہلِ یمن یلملم کے مقام سے احرام باندھیں۔ یہ چند پہاڑیاں ہیں جن میں سے کچھ سمندر میں اور کچھ خشکی پر ہیں۔ پاکستان، ہندوستان کی طرف سے حج وعمرہ کے لیے آنے والے اس مقام سے احرام باندھتے ہیں۔ بحری جہاز کے مسافروں کو جہاز والے خبردار کر دیتے ہیں، چنانچہ وہ میقات پر پہنچ کر احرام باندھ لیتے ہیں۔ البتہ ہوائی جہاز کے مسافر جہاز میں سوار ہونے سے پہلے احرام باندھ لیتے ہیں۔ کیونکہ دورانِ پرواز احرام باندھنا ممکن نہیں ہوتا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے لیے جدہ پہنچ کر احرام باندھنے کی گنجائش ہے تاہم بہتر یہی ہے کہ احرام باندھ کر ہوائی جہاز میں سوار ہوں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اہلِ نجد کا میقات قرن کا مقام ہے، وہ وہاں سے احرام باندھیں
الغرض! حضور علیہ السلام نے اطرافِ عالم سے آنے والوں کے لیے احرام باندھنے کے مقامات کا تعین
فرما دیا ہے، چنانچہ عازمینِ حج و عمرہ اِن احکام کی پابندی کر رہے ہیں۔

مُحرم کا تلبیہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَلْبِيَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ ..... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حج وعمرہ کا احرام باندھ کر یہ تلبیہ پڑھتے تھے۔ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ بیشک تمام تعریفیں اور نعمتیں تیرے لیئے ہیں اور بادشاہی بھی، تیرا کوئی شریک نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ تلبیہ میں ان الفاظ کا اضافہ بھی کیا کرتے تھے۔ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِيْ يَدَيْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام سے منقول تلبیہ کے الفاظ میں کمی نہیں کرنی چاہیئے۔ ہاں اگر کوئی شخص چاہے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول اضافہ کئے ہوئے الفاظ بھی ادا کرسکتا ہے۔

حج وعمرہ کی دعاؤں میں تلبیہ مؤکد ترین دعا ہے۔ یہ الفاظ بمنزلہ حج وعمرہ کی نیت کے ہیں اور ہر عازم کو ضرور یاد ہونے چاہئیں اور بآواز بلند پڑھنے چاہئیں۔ اس کے علاوہ جونسی دعا چاہے پڑھ سکتا ہے خواہ عربی میں ہو یا اپنی مادری زبان میں، عمرہ ادا کرنے والا طواف کے لیے حجر اسود پر پہنچ کر تلبیہ موقوف کردے اور پھر آگے طواف اور اس کی دعائیں شروع کردے۔ حج کرنے والا جب دس ذی الحج کو جمرہ عقبہ پر رمی کرنے کے لیے پہنچے تو اس وقت تلبیہ بند کردے۔ عورتیں یہ تلبیہ آہستہ آواز سے پڑھیں۔

اونٹ کو نحر کرنے کا طریقہ

اَخْبَرَنِیْ زِیَادُ بْنُ جُبَیْرٍ قَالَ کُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِمِنًی فَمَرَّ بِرَجُلٍ وَهُوَ یَنْحَرُ بَدَنَةً وَهِیَ بَارِکَةٌ فَقَالَ ابْعَثْهَا قِیَامًا مُقَیَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۳)

زیاد بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہمراہ تھا جبکہ آپ کا گزر ایک شخص پر ہوا جو اپنے اونٹ کو نحر کر رہا تھا اور اس نے اونٹ کے گھٹنے زمین کے ساتھ ٹیک رکھے تھے آپ نے فرمایا کہ نحر کا یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ اس کو کھڑا کرو اور اس کا ایک گھٹنہ باندھ لو کہ یہی حضور علیہ السلام کی سنت ہے۔ پھر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اس کی گردن میں زخم لگاؤ جس کے نتیجے میں وہ خود زمین پر گر جائیگا۔ اگر اونٹ کو بٹھا کر یا اس کے گھٹنے ٹیک کر نحر کیا جائے تو حلال تو ہو جائیگا مگر خلافِ سنت ہو گا۔ اس کے برخلاف بھیڑ، بکری، گائے، بھینس کو زمین پر قبلہ رُخ لٹا کر اس کی گردن پر چھری چلانا سنّت ہے۔

اگلی حدیث میں راوی بیان کرتا ہے کہ عرفات سے واپسی پر بھی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ تھا جب ہم مزدلفہ میں پہنچے تو فَصَلَّی الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، تو مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں اور جب فارغ ہوئے تو فرمایا۔ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذَا الْمَکَانِ مِثْلَ مَا فَعَلْتُ حضور علیہ السلام نے اس مقام پر ایسا ہی عمل کیا تھا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی۔ پھر فرمایا۔ اَلصَّلٰوةَ وَ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ کہ دوسری نماز بھی ساتھ ہی پڑھنی ہے۔ چنانچہ آپ نے عشاء کی دو رکعتیں بھی ساتھ ہی پڑھائیں کیونکہ سفر کی حالت تھی اگرچہ عازمین حج غروبِ آفتاب کے بعد عرفات سے روانہ ہوتے

ہیں مگر انہیں نہ تو وہاں مغرب کی نماز پڑھنے کا حکم ہے اور نہ ہی کہیں راستے میں پڑھ سکتے ہیں بلکہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھنے کا حکم ہے۔ خواہ کتنی ہی دیر ہو جائے۔

---*---

محرم آدمی موذی جانور کو مار سکتا ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ سُئِلَ مَا یَقْتُلُ الْمُحْرِمُ قَالَ یَقْتُلُ الْعَقْرَبَ وَالْفُوَیْسِقَۃَ وَالْغُرَابَ وَالْکَلْبَ الْعَقُوْرَ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ احرام کی حالت میں آدمی کس کس جانور کو جان سے مار سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ محرم بعض موذی جانوروں کو قتل کر سکتا ہے۔ یہ ایسے جانور ہیں جو انسان کو نقصان پہنچانے میں خود پہل کرتے ہیں لہذا ان کو مارنے کی اجازت ہے۔ ان میں بچھو، سانپ، کوا، چیل اور کاٹنے والا کتا شامل ہیں۔ چیتا بھی اسی حکم میں آتا ہے کیونکہ وہ بھی حملہ کرنے میں پہل کرتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ گیدڑ، لومڑی اور بھیڑیا وغیرہ بھی اگر حملہ آور ہوں تو ان کو بھی مارا جا سکتا ہے۔ ویسے محرم کے لیے عام قانون یہ ہے کہ حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اگر وہ کسی جانور کو مارتا ہے تو اس کو تاوان دینا پڑتا ہے۔ دو مقامی آدمی فیصلہ کریں کہ محرم نے کتنی قیمت کا جانور مارا ہے تو اتنی رقم کا فدیہ دینا ہوگا۔ تاہم مذکورہ بالا موذی جانوروں کو مارنے سے کوئی تاوان نہیں آتا اگر یہ جانور بھی حملہ آور نہ ہوں تو ان کو مارنے پر بھی تاوان آئیگا۔

حجر اسود کا استلام

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ الْحَجَرَ الْاَسْوَدَ فَلَا اَدَعُ اِسْتِلَامَهُ فِيْ شِدَّةٍ وَلَا رَخَاءٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۳)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے دیکھا ہے لہذا میں بھی کوشش کرتا ہوں کہ دوران طواف حجر اسود کا استلام کروں اور اس کو ترک نہیں کرتا خواہ موسم کتنا بھی گرم یا سرد ہو۔

بیت اللہ شریف کے طواف کے چکر کے آغاز پر حجر اسود کا استلام کرنا مستحب ہے اگر ہو سکے تو حجر اسود کا بوسہ لیا جائے یا کسی چھڑی وغیرہ سے یا ہاتھ سے چھو کر چھڑی یا ہاتھ کو چوم لیا جائے یا اگر بھیڑ زیادہ ہو تو دور سے ہی سلام کرے۔ بوسہ لینے کے لیے اگر آدمی بھیڑ چھٹ جانے کا انتظار کر لے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی کو دھکا دے کر پیچھے ہٹائے۔ محدثین اور فقہائے کرام کہتے ہیں کہ اس مقصد کے لیے کہنی مارنا یا دھکا دینا حرام ہے۔

صرف حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کیوں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَاهُ يَقُوْلُ لِابْنِ عُمَرَ مَالِيْ لَا اَرَاكَ تَسْتَلِمُ اِلَّا هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ الْحَجَرَ الْاَسْوَدَ وَالرُّكْنَ الْيَمَانِيْ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ اِنْ اَفْعَلْ فَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اسْتِلَامَهُمَا يَحُطُّ الْخَطَايَا...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ان کے شاگرد نے پوچھا کہ میں نے دیکھا ہے کہ آپ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے صرف دو ارکان یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کرتے ہیں مگر باقی دو ارکان رکن عراقی اور رکن شامی کو ہاتھ نہیں لگاتے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ حجر اسود کو بوسہ دینا یا ہاتھ لگانا اور رکن یمانی کو صرف ہاتھ لگانا مسنون ہے۔

دوسری روایت میں اس سوال کا تفصیلی جواب اس طرح ہے کہ حجر اسود اور رکن یمانی انہیں مقامات پر نصب ہیں جہاں انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نصب کیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کعبہ کے بعد جتنی دفعہ بھی خانہ کعبہ کی تعمیر ہوئی ہے ان دو ارکان کی تنصیب میں تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا۔ البتہ باقی دو ارکان اب اُن مقامات پر نہیں ہیں جہاں انہیں ابراہیم علیہ السلام نے نصب کیا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ نے خانہ کعبہ کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا تو ان کے پاس خرچ کم پڑ گیا چنانچہ انہوں نے چھ سات ہاتھ جگہ چھوڑ کر باقی جگہ پر عمارت تعمیر کر لی، اس طرح رکن عراقی اور شامی اپنی اصلی جگہ پر قائم نہ رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ رکن عراقی اور شامی کا استلام اس وجہ سے نہیں کیا جاتا کہ موجودہ خانہ کعبہ میں وہ اپنی اصلی جگہ پر نہیں ہیں۔ خانہ کعبہ کی چھوڑی ہوئی جگہ حطیم کی صورت میں موجود ہے جس کے اوپر سے طواف کیا جاتا ہے کیونکہ یہ بھی خانہ کعبہ کا حصہ ہے۔ نماز با جماعت کے وقت چونکہ امام صاحب خانہ کعبہ

سے باہر ہوتے ہیں اس لیے کسی کو حطیم کے اندر نماز باجماعت پڑھنے کی اجازت نہیں کیوں کہ اس طرح وہ امام سے آگے ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز باجماعت کے وقت حطیم خالی کرا لیا جاتا ہے البتہ فرداً فرداً حطیم کے اندر بھی نماز پڑھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے کہ حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام گناہوں کو مٹاتا ہے۔ آپ نے یہ بھی بیان کیا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے مَنْ طَافَ اُسْبُوْعًا یُحْصِیْہِ وَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ کَانَ لَہٗ کَعَدْلِ رَقَبَۃٍ کہ جس شخص نے خانہ کعبہ کے سات چکروں کا ایک طواف مکمل کر لیا۔ اور ہر چکر کو شمار کرتا رہا۔ پھر اس نے مسنون طریقہ سے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی تو اس کو غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔ طواف حج کا ہو یا عمرے کا یا نفلی طواف ہو، ہر سات چکروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھے جاتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھے جائیں، ورنہ جہاں جگہ مل جائے ادا کر لئے جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ بھی سنا ہے۔ مَا رَفَعَ رَجُلٌ قَدَمًا وَلَا وَضَعَهَا اِلَّا کُتِبَتْ لَہٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَحُطَّ عَنْہُ عَشْرُ سَیِّاٰتٍ وَرُفِعَ لَہٗ عَشْرُ دَرَجٰتٍ کہ جو شخص بیت اللہ شریف کے طواف کے لیے قدم اٹھاتا ہے اور نیچے رکھتا ہے تو اسکو ہر ہر قدم کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں، دس برائیاں مٹتی ہیں اور دس درجے بلند ہوتے ہیں ہر نیکی کا دس گنا اجر تو عام قانون ہے مگر طواف ایک ایسی اعلیٰ عبادت ہے کہ اسکے بدلے میں تیس انعامات حاصل ہوتے ہیں۔

بیت اللہ شریف کے اندر نماز پڑھنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْبَیْتَ وَ مَعَہُ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ وَ اُسَامَۃُ بْنُ زَیْدٍ وَ عُثْمَانُ بْنُ طَلْحَۃَ وَ بِلَالٌ فَاَمَرَ بِلَالًا فَاَجَافَ عَلَیْہِمُ الْبَابَ فَمَکَثَ فِیْہِ مَا شَآءَ اللّٰہُ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوئے۔ یہ غالباً فتح مکہ والا موقع تھا بیت اللہ شریف کا ایک ہی دروازہ ہے جو اکثر بند رہتا ہے اور اسے کھول کر ہی اندر داخل ہوتے ہیں۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام کے ساتھ فضل بن عباسؓ اسامہ بن زیدؓ، عثمان بن طلحہؓ، اور بلالؓ تھے حضرت فضلؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بڑے بھائی ہیں۔ اسامہ بن زیدؓ حضور کے خادم ہیں۔ حضرت زیدؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ تھے۔ یہ دونوں باپ بیٹا نبی علیہ السلام کے محبوب خدام ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو ان دونوں سے بڑی محبت تھی۔ زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت بلالؓ مؤذن رسول اور مشہور شخصیت ہیں اور عثمان بن طلحہؓ خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی بیت اللہ کی چابی انہی کے پاس ہوتی تھی اور فتح مکہ کے بعد بھی آپ نے انہی کے سپرد کی جو آج تک اسی خاندان میں چلی آرہی ہے۔

بہر حال حضور علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوئے پھر آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا تو انہوں نے بیت اللہ کا دروازہ بند کر دیا۔ آپ بیت اللہ کے اندر مشیت الٰہی کے مطابق ٹھہرے۔ پھر آپ باہر تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام نے بیت اللہ کے اندر کس مقام پر نماز پڑھی تو انہوں نے بتایا کہ دو ستونوں کے درمیان۔ اس وقت خانہ کعبہ کے اندر چھ ستون تھے۔ آپ نے اگلی طرف والے دو ستونوں کے

درمیان نماز پڑھی۔ ایک دوسرے موقع پر حضور علیہ السلام بیت اللہ شریف کے اندر تشریف لے گئے اور آپ نے ہر کونے میں تھوڑی دیر کے لیے دعا کی اور پھر باہر تشریف لے آتے اور نماز باہر آکر ادا کی۔ مطلب یہ ہے کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے مسئلہ یہی ہے کہ اگر کسی کو موقع مل جاتے تو اندر نماز پڑھ لے ورنہ اسکو ضروری نہ سمجھے۔ البتہ ہر طواف کے بعد خانہ کعبہ کے باہر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھنا سنت ہے۔

خانہ کعبہ کا دروازہ قدِ آدم اونچا ہے جو ہر وقت مقفل رہتا ہے لہذا آج کل ہر شخص خانہ کعبہ کے اندر نہیں جا سکتا۔ اب تو حکومت کے خصوصی انتظامات کے تحت ہی دروازہ کھلتا ہے اور خاص خاص آدمیوں کو اندر جانے کا موقع ملتا ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ باہر طواف کریں اور باہر ہی نماز پڑھیں۔ ویسے بھی صورت حال یہ ہے کہ جس طرح خانہ کعبہ کے اندر کوئی شخص جس طرف چاہے رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے اسی طرح خانہ کعبہ کے باہر بھی جدھر چاہے رخ کر سکتا ہے بیت اللہ شریف کے گرداگرد چاروں طرف صفیں ہوتی ہیں اور ہر طرف کے نمازیوں کا رخ ان کے مخالف سمت مگر بیت اللہ شریف کی طرف ہی ہوتا ہے۔ مسجد حرام میں نماز پڑھنے والوں کا رخ مشرق، مغرب، شمال، جنوب مختلف سمتوں میں ہوتا ہے مگر چونکہ سب کا رخ بیت اللہ شریف کی طرف ہوتا ہے، لہذا سب کی نماز درست ہوتی ہے یہ مشرق مغرب کی پابندی ہم لوگوں کے لیے ہے جو بیت اللہ شریف سے سینکڑوں ہزاروں میل دور نماز پڑھتے ہیں۔

نماز جمعہ کے لیے غسل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَآءَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْجُمُعَۃِ فَلْیَغْتَسِلْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز جمعہ کے لیے آئے تو اس کو غسل کرکے آنا چاہیئے۔ جمعہ کا غسل مسنون ہے اگر نہ کرسکے تو وضو کرکے نماز پڑھنا بھی درست ہے تاہم غسل کرنا افضل ہے جمعہ کے علاوہ بعض دیگر غسل بھی مسنون ہیں جیسے وقوفِ عرفہ کے لیے، عیدین کی نماز کے لیے اس کے علاوہ جنابت کا غسل فرض ہے۔ جسم پر گندگی لگ جائے تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ غسل واجب ہو جاتا ہے۔ میت کو غسل دینا بھی واجب ہے۔ عورت کے حیض و نفاس سے پاک ہونے کا غسل فرض ہے۔ ہر تندرست مسلمان کو ہفتہ میں ایک دفعہ غسل کرنا مستحب ہے کیونکہ نظافت ہمارے دین کا اہم جزو ہے۔ اس میں کپڑوں کی صفائی بھی آجاتی ہے۔ بہر حال اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے جمعہ کے غسل کے متعلق فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کے لیے جانے کا ارادہ کرے تو پہلے غسل کرلے۔

نماز کے لیے سواری بطور سترہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَعْرِضُ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ وَ یُصَلِّیْ اِلَیْھَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دوران سفر بعض اوقات اپنی سواری کو آڑے کر کے اسکی طرف نماز ادا فرماتے تھے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کھلی جگہ پر نماز پڑھنا چاہے تو اپنے سامنے سترہ رکھ لے یعنی ایک ہاتھ لمبی اور ایک انگلی موٹی لکڑی وغیرہ اپنے سامنے گاڑھ لے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرے گا تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔ اگر نماز باجماعت ہو تو امام کا سترہ ہی سب نمازیوں کے لیے کافی ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے اپنی سواری کو آگے بٹھایا تھا تو یہ سترہ ہی تھا۔ اگر کوئی لکڑی وغیرہ موجود نہ ہو تو سترہ کا کام سواری کے جانور سے بھی لیا جا سکتا ہے۔

وصیّت کی اہمیّت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَبِیْتُ اَحَدٌ ثَلَاثَ لَیَالٍ اِلَّا وَ وَصِیَّتُہٗ مَکْتُوْبَۃٌ قَالَ فَمَابِتُّ لَیْلَۃً اِلَّا وَ وَصِیَّتِیْ عِنْدِیْ مَوْضُوْعَۃٌ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص تین راتیں بھی نہ گزارے مگر اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہیئے۔ پھر آپ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے حضور علیہ السلام سے یہ بات سنی ہے میں اپنی وصیت ہمیشہ اپنے پاس لکھی ہوئی رکھتا ہوں۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اگر کسی کے پاس مال موجود ہے تو وہ کل مال کے ایک تہائی حصے تک اپنی آخرت کی بھلائی کے لیے کسی کارِ خیر پر صرف کرنے کی وصیت کر سکتا ہے۔ اگر اس کے اقربا میں کوئی غریب مسکین ہے تو اس کو دے سکتا ہے یا کسی دیگر محتاج کی اعانت کر سکتا ہے۔ کسی مسجد مدرسہ یا دینی ادارہ کو وقف کر سکتا ہے۔ ایسا کرنا مستحب ہے جو اسے آخرت میں کام آئیگا۔ بہرحال اس حدیث میں وصیت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے کہ اگر کوئی صاحب مال میں سے غیر وارث کے لیے کوئی وصیت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے چاہیئے کہ وصیت تحریر کر کے رکھے کیونکہ پتہ نہیں موت کس وقت آ جائیگی۔